مخزن اسلام

محمد ارشد خان

ترکی
قبرص
فلسطین
اسکندریہ
دمشق
الجزیرہ
شام
قاہرہ
مصر
اردن
تبوک
ایران
کویت
پاکستان
نجد
ریاض
الاحساء
مسقط
عمان
عربستان
حلفا
پورٹ سوڈان
سوڈان
خرطوم
حبشہ
یمن
حضرموت
دارفور

جزیرہ نمائے عرب

ملک عرب ایشیا کے جنوب مغرب اور پاکستان کے مغرب کی جانب واقع ہے۔ اس کے مشرق کی طرف خلیج فارس (PERSIAN GULF) جنوب میں بحیرہ عرب (ARABIAN SEA) اور مغرب میں بحیرہ قلزم (RED SEA) کی وجہ سے ملک کے تین حصوں کی طرف پانی ہے اور ایک طرف یعنی شمال کی جانب خشکی واقع ہے۔ جہاں عراق، شام اور دوسرے ممالک بستے ہیں۔ اس حدود اربعہ کی وجہ سے ملک عرب کو جزیرہ نمائے عرب کہنا زیادہ مناسب ہے۔ گو خود عرب لوگ اس کو جزیرۃ عرب کہتے ہیں ؛

جزیرہ نمائے عرب کا رقبہ تقریباً دس لاکھ مربع میل ہے اور کل آبادی تقریباً ستر لاکھ ہے۔ آج کل ملک عرب کی صوبائی تقسیم قدیم عرب سے مختلف ہے۔ قدیم زمانے میں یہاں چھ سات صوبے منقسم تھے یعنی حجاز، نجد، یمن، حضر موت، عمان اور الاحساء وغیرہ۔

مجموعی لحاظ سے عرب گرم اور خشک علاقہ ہے۔ ملک کا بیشتر حصہ ریگستان اور چٹیل پہاڑ پر مشتمل ہے۔ جہاں کہیں پانی کے چشمے ہیں وہاں کھجوروں کے جھنڈ اور دوسری سبزہ کی وجہ سے لوگ آباد ہیں۔ ساحلی علاقوں میں آبادی نسبتاً زیادہ ہے۔ درمیانی حصہ کے شمال میں صحرائے نفود اور جنوب کی طرف صحرائے ربع الخالی واقع ہیں۔ ملک میں کہیں کہیں موسمی ندی نالوں کی وجہ سے وادیاں پائی جاتی ہیں۔ بعض علاقوں میں سخت گرم اور تکلیف دہ

ہوا چلتی ہے جسے بادِ سموم کہتے ہیں۔ کئی مقامات پر سونے چاندی کی کانیں پائی جاتی ہیں۔

حجاز یہ عرب کا سب سے بڑا صوبہ ہے جس کا رقبہ تقریباً ڈیڑھ لاکھ مربع میل ہے۔ اکثر حصہ ریگستان ہے۔ جنوب میں یمن سے لے کر مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ شمال میں ملک شام تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے مشہور شہر مکہ، مدینہ اور طائف ہیں۔

مکہ معظمہ (MECCA) میں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی تھی۔ یہاں بیت اللہ شریف ہے۔ جہاں تمام دنیا سے ہر سال لاکھوں مسلمان حج ادا کرنے کے لئے آتے ہیں۔ مکہ کی موجودہ آبادی تقریباً دو لاکھ ہے۔ شہر چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔

مدینہ منورہ (MEDINA) شہر مکہ سے شمال کی جانب تقریباً دو سو میل کے فاصلے پر ہے۔ ہجرت نبویؐ سے پہلے اس شہر کا نام یثرب تھا۔ پھر اسے مدینۃ النبیؐ (نبیؐ کا شہر) سے بدل دیا گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ مبارک اور مسجد نبویؐ اسی شہر میں ہیں۔

طائف (TAIF) شہر مکہ سے جنوب مغربی جانب کوئی پچاس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ شہر سطح سمندر سے تقریباً چھ ہزار فٹ اونچائی پر ہے۔ اس لئے عرب کا صحت افزا مقام اور نہایت پُر رونق شہر گنا جاتا ہے۔ یہاں شہد اور مختلف قسموں کے پھل بکثرت ملتے ہیں۔

جدّہ (JIDA) ایک بندرگاہ ہے جو مکہ سے قریب ساحل پر واقع ہے۔ اس کی موجودہ آبادی تقریباً پچاس ہزار ہے۔

ینبُع (YANBU) بھی ایک بندرگاہ ہے جو مغربی ساحل پر مدینہ سے

قریب پڑتی ہے۔ اس کی آبادی بھی جدّہ کی آبادی جتنی ہے۔

نجد نجد (NEJUD) ملک عرب کا درمیانی صوبہ ہے۔ اکثر حصّہ ریگستان ہے۔ یہاں آج کل مشہور تیل کے کنوئیں پائے جاتے ہیں۔ اس علاقے میں عمدہ قسم کے گھوڑے اور اونٹ ملتے ہیں۔ کھجور اور پھل بکثرت پائے جاتے ہیں۔ آج کل اس کا دارالخلافہ (صدر مقام) ریاض (RIYADH) ہے۔

یمن یمن (YEMEN) مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ صوبہ حجاز کے جنوب میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ پچھتر ہزار مربع میل ہے۔ سرسبز اور شاداب علاقہ ہونے کی وجہ سے خاصا آباد ہے۔ آبادی تقریباً پینتیس لاکھ ہے۔ جنوبی حصّے میں بندرگاہ عدن (ADEN) اور کچھ ملحقہ علاقہ انگریزوں کے قبضے میں ہے۔ یمن کی خاص پیداوار جَو، گندم، باجرہ اور کافی ہے۔ آج کل اس کا صدر مقام صنعاء (SAN'A) ہے۔

حضرموت یہ علاقہ بحیرہ عرب کے ساحل کے ساتھ یمن اور عمان کے درمیان واقع ہے۔ اس میں ایک بہت لمبی موسمی ندی بہتی ہے۔ ساحلی علاقہ زیادہ آباد ہے۔ خاص پیداوار کھجور ہے۔

عُمان صوبہ عمان (OMEN) عرب کے بالکل مشرق میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ بیاسی ہزار مربع میل ہے اور موجودہ آبادی پانچ لاکھ پچاس ہزار ہے۔ مسقط (MUSCAT) صدر مقام ہے۔ پہاڑی علاقہ کے قرب و جوار میں کاشت کا کام ہوتا ہے۔ کھجور یہاں کی خاص پیداوار ہے۔

الاحساء صوبہ احساء عمان کے شمال مغربی جانب واقع ہے۔ اس کے مشرق کی طرف خلیج فارس ہے۔ کھجور یہاں کی خاص پیداوار ہے

خلیج فارس میں ایک چھوٹا سا جزیرہ بحرین (BAHREIN) ہے جس کا رقبہ تقریباً دو سو تیرہ مربع میل ہے۔ بحرین کا علاقہ تیل کے کنوئیں اور سمندر کے موتیوں کے لئے مشہور ہے ۔

اہلِ عرب

عرب کے لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد سے ہیں۔ مؤرخین نے ان کو تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے :۔

۱۔ **عرب بائدہ** :۔ یہ قدیم ترین عرب کے باشندے ہیں اور اب مٹ چکے ہیں۔ ان کی حکومتیں عراق، شام، اور مصر تک قائم تھیں۔ ان کے قبائل میں سے زیادہ مشہور عاد، ثمود، جرہم اور حضرموت تھے۔

۲۔ **عرب عاربہ** :۔ یہ لوگ عرب بائدہ کے بعد صوبہ یمن کے اصلی باشندے تھے اور بنو قحطان کہلاتے تھے۔

۳۔ **عرب مستعربہ** :۔ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں اور بنو عدنان کہلاتے ہیں۔ یہ حجاز میں رہتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت عرب میں تین مختلف قوموں کے باشندے ملے جلے رہتے تھے۔ بنو قحطان اور بنو عدنان تو ملکِ

عرب کے اصلی باشندے تھے اور تیسرے یہودی تھے جو تھوڑی تعداد میں ہونے کی وجہ سے کہیں کہیں آباد تھے۔

قحطان یہ یمن کے اصلی باشندے ہیں۔ ان کے تین مشہور قبیلے یہ ہیں :-

۱۔ "حمیر":- اس کی آگے تین شاخیں مشہور ہوئیں۔ قضاعہ، سکاسک اور زید جمہور۔

۲۔ "کہلان":- ان کے سات قبیلے تھے۔ انہی میں سے سبا، کی ملکہ بلقیس تھیں۔ یمن میں ایک بڑا سیلاب آگیا جس کی وجہ سے یہ لوگ وہاں سے نکل کر سارے عرب میں پھیل گئے۔ (باقی صفحہ ۹ پر)

قیس عیلان
مضر
بنی سلیم
بنی ہوازن
بنی غطفان
یاس
مدرکہ
خزیمہ
کنانہ
بنو ہذیل
بنو اسد
بنو تمیم
نضر
مالک
فہر (لقب قریش)
غالب
لوی
کعب
مرہ
کلاب
قصی
بنی مخزوم
بنی تیم
بنی عدی
بنی زہرہ
بنی سہم
عبدمناف
عبدشمس
نوفل
ہاشم
مطلب
امیہ
(خلفائے امیہ)
عبدالمطلب
حمزہ
ابوطالب
عبداللہ
عباس
ابولہب
عقیل
جعفر
علی
حسن
حسین
خلفائے عباسیہ
حضرت خدیجۃ الکبریٰ
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
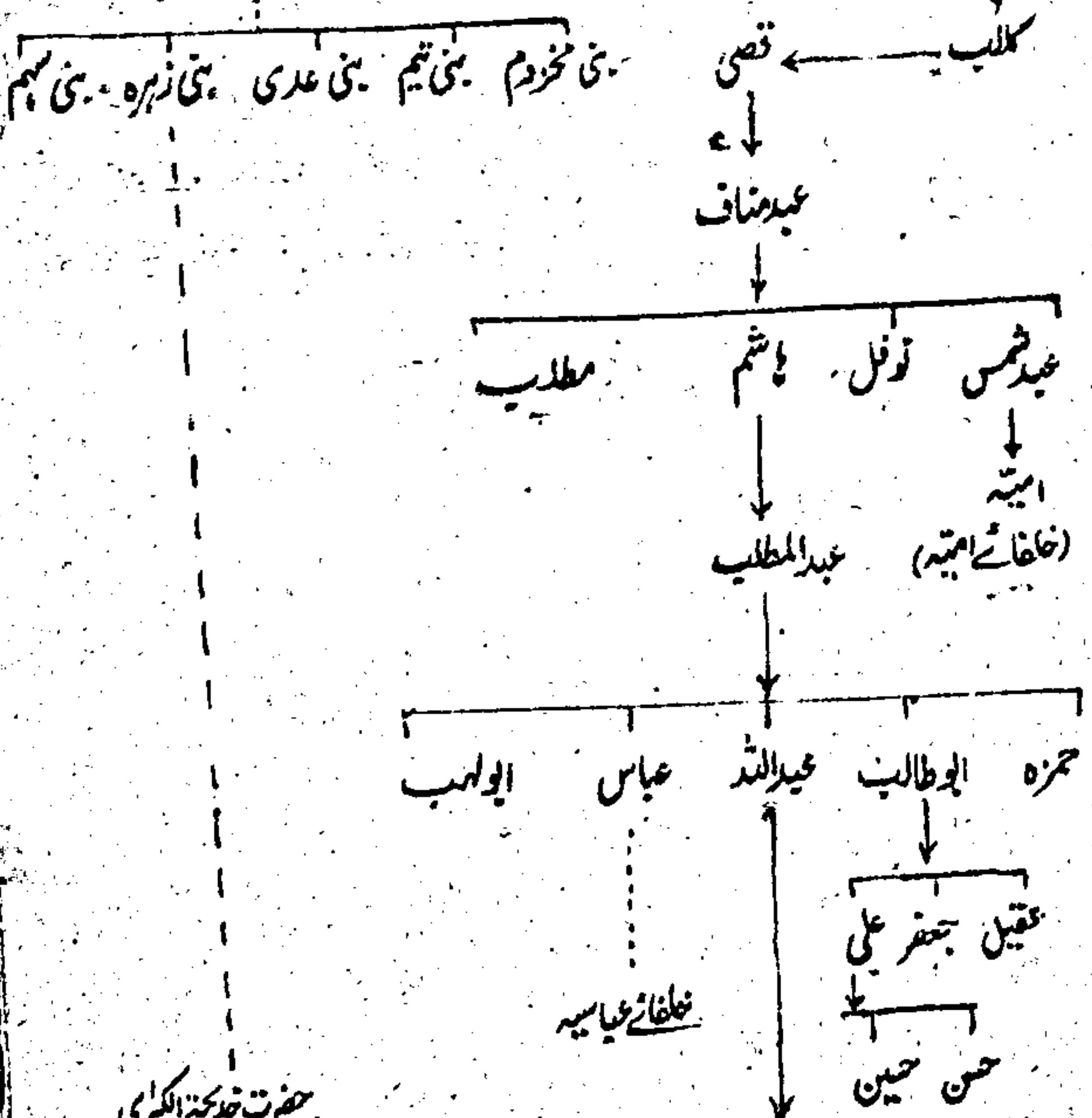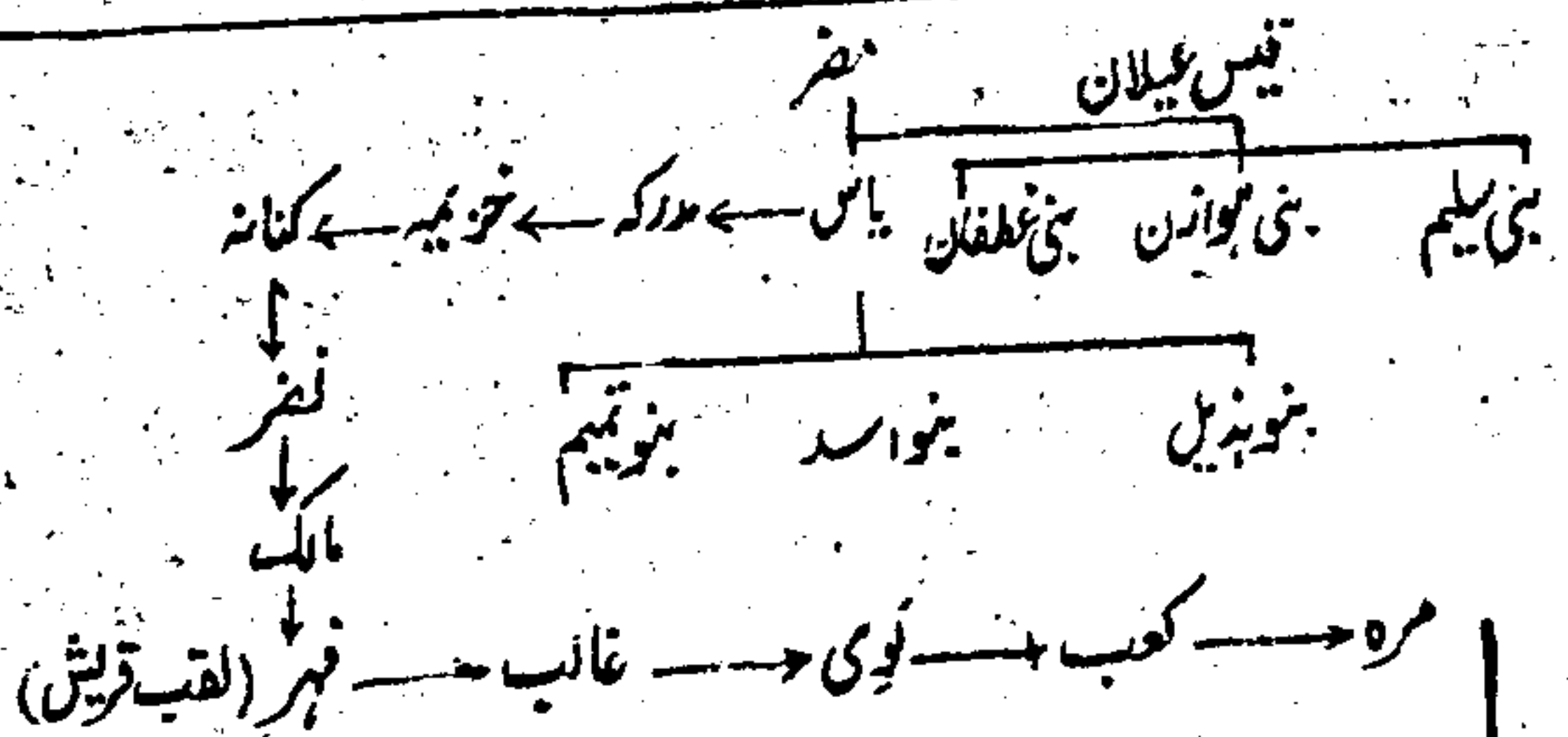
۴۔ "ازد": ان میں سے کچھ لوگ مدینہ میں جا بسے۔ انہی میں سے مدینہ کے قبائل اوس اور خزرج (انصار) ہیں، اور کچھ لوگ (بنی خزاعہ) مکہ پر قابض ہو گئے اور بنی جرہم کو وہاں سے نکال دیا۔ کچھ دوسری مختلف جگہوں میں آباد ہو گئے۔

عدنان یہ لوگ مکہ کے باشندے ہیں۔ عدنان کا بیٹا مَعَد تھا اور پوتا نزار۔ بیٹے اور پوتے کے ناموں پر عدنانیوں کو مَعَدی اور نزاری بھی کہتے ہیں۔ ان کے مشہور قبیلے ربیعہ اور مضر ہیں۔

ربیعہ: اس قبیلے کی شاخیں بہت بڑھیں۔ عہدِ اسلامی میں خوارج زیادہ تر انہی میں سے تھے۔

مضر: ان کی شاخوں کا نقشہ صفحہ ۸ پر دیا گیا ہے۔

سکونت عرب کے باشندے دو قسم کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایک وہ لوگ ہیں، جو صحرا میں خیمے لگا کر رہتے ہیں اور خانہ بدوش ہونے کی وجہ سے اکثر دودھ اور گوشت پر گزارہ کرتے ہیں۔ سادہ زندگی بسر کرتے ہیں، لیکن بڑے جفاکش اور تیز مزاج ہوتے ہیں۔ ان کو بادیہ (صحرا نشین) یا بَدُو کہتے ہیں۔ دوسری طرف شہری زندگی بسر کرنے والے حضری کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ تجارت صنعت و حرفت اور زراعت سے روزی کماتے ہیں۔

قبائلی زندگی اہل عرب حریت پسند ہونے کی وجہ سے بہت سے خاندانوں اور قبائل میں منقسم تھے۔ ہر قبیلے کا ایک سردار ہوتا تھا جو شیخ کہلاتا تھا۔ یہ سردار اپنی شجاعت، رحم، تحمل مزاجی اور مال و دولت کی بنا پر چنے جاتے تھے۔ بعض مضبوط قبیلے کمزور قبائل پر غلبہ حاصل کر کے ان سے خراج لیا کرتے تھے۔ قبیلوں کے سردار اپنی شہرت اور

مدح کے لئے اپنے لوگوں کی مدد، حمایت اور مہمان نوازی خوب کیا کرتے اور شعراء کی بڑی عزت کرتے تاکہ وہ ان کی مدح میں قصیدے لکھیں۔

عربی زبان چونکہ اہل عرب حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد سے ہیں۔ اس لئے ان کی زبان بھی سامی تھی۔ بعد میں یہ لوگ عرب اور گرد و نواح کے مختلف حصوں میں منقسم ہو کر رہنے لگے۔ اس لئے ان کی زبان میں بھی تبدیلیاں پیدا ہوگئیں۔ چنانچہ بنی عابر کی زبان عبرانی کہلائی۔ ملک شام نے جس کو سوریا (SYRIA) بھی کہتے ہیں، اپنی زبان سریانی کہلائی۔ اسی طرح بہت سی زبانیں بن گئیں۔ خاص عرب کے رہنے والے اپنی زبان کو عربی کہتے تھے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی زبان عبرانی تھی۔ جب وہ مکّہ آئے تو وہ بھی عربی بولنے لگے۔ چنانچہ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد کو عرب مستعربہ کہنے لگے۔

عرب لوگ مختلف ملکوں اور شہروں میں تجارت کے لئے جاتے اور وہاں کے نئے نئے الفاظ اپنی زبان میں شامل کر لیتے یا ہر نئی چیز کا نیا نام بنا لیتے یا پھر دوسری زبان کے الفاظ مُعرّب (اعراب کے ذریعے عربی لفظ) بنا لیتے۔ اس طرح عربی زبان نہایت وسیع زبان بن گئی۔ شعراء کی مدد سے اسے اور بھی شہرت اور وسعت حاصل ہوئی۔ قریش کی زبان تمام قبائل سے زیادہ وسیع اور فصیح تھی۔ اہل عرب کو اپنی زبان کی بلاغت اور فصاحت پر بڑا ناز تھا۔ چنانچہ وہ عرب کے علاوہ تمام دُنیا کے لوگوں کو اہلِ عجم یا عجمی (گونگا) کہتے تھے۔

عُلُوم و فنُونْ

قبل از اسلام عرب زیادہ تر بدوی زندگی گزارتے تھے۔ اس لئے سادہ ہونے کی وجہ سے علوم و فنون میں ترقی کی رفتار بہت کم تھی۔ پھر بھی کم و بیش ہر قسم کے علوم اور صنعت و حرفت پائے جاتے تھے، جن کی تفصیل یہ ہے :-

شعر و شاعری کی طرف اہلِ عرب کا رُجحان فطری تھا۔ شعراء کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ ہر سال عرب کے مختلف مقامات پر لوگوں کے اجتماعات (میلے) ہوتے، جہاں ملک کے مشہور شعراء اپنے اپنے اشعار پڑھتے، اور دادِ سخن دینے کے لئے لوگ بڑی گرم جوشی سے حصّہ لیتے۔ شعراء اپنے اپنے قبیلے کے اوصاف اور بُرائیاں بڑی وضاحت سے بیان کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اس لئے لوگوں کے حالات کا صحیح جائزہ لے کر شعر لکھتے۔ بہادر اور دلیر سرداروں کے لمبے لمبے قصیدے میلوں میں آویزاں کئے جاتے ۔

کتابت کا رواج قدیم عرب میں بہت کم تھا۔ یمن کے علاقہ میں نسبتاً لوگ زیادہ کتابت جانتے تھے۔ وہاں خط کو مُسنَد کہتے تھے۔ مکّہ اور اس کے قرب و جوار میں بہت ہی کم لوگ لکھنا جانتے تھے۔ مکّہ میں سب سے پہلے حرب بن امیہ شخص نے لکھنا سیکھا۔ پھر قریش میں سے کچھ لوگوں نے کتابت سیکھ لی۔ یہی وجہ تھی کہ ابتدائے اسلام میں حجاز کے علاقہ میں صرف سترہ اشخاص لکھنا جانتے تھے۔ کتابت کی کمی کی وجہ سے اہلِ عرب حافظہ سے

زیادہ کام لیتے تھے اور عدم کتابت ہی کی وجہ سے قرآن میں اہلِ عرب کو امّی (ناخواندہ) کے لفظ سے مخاطب کیا گیا ہے۔

طب معمولی قسم کی رائج تھی۔ سیدھے سادے نسخوں اور طریق علاج سے کام لیا جاتا تھا۔ جانوروں کے علاج بھی کسی حد تک کئے جاتے تھے۔

نجوم اور قیافہ سے بھی اہل عرب واقف تھے۔ مختلف ستاروں کے نام جانتے تھے اور ان کی رفتار اور جگہوں کے حساب سے مختلف اندازے لگائے جاتے۔ چاند کی رات دن کی منزلوں سے سن کا حساب رکھتے تھے۔ ہواؤں کے رخ وغیرہ سے بارش کا اندازہ لگا لیتے۔ لوگوں کی شکل و صورت اور ڈیل ڈول سے معلوم کر لیتے تھے کہ فلاں شخص کس حسب و نسب سے ہے۔ قدموں کے نشانات سے لوگوں کو پہچانا جاتا اور اس طرح چور اور مجرموں کو آسانی سے پکڑ لیتے تھے۔

صنعت و حرفت بھی عرب میں ضرورت کے مطابق رائج تھیں۔ عورتیں اُون کاتنے کا کام کرتی تھیں اور مرد اس سے کمبل، چادریں اور خیمے بناتے تھے۔ یمن کی اُونی چادریں عرب بھر میں مشہور تھیں۔ آلات جنگ مثلاً تلوار، نیزہ، تیر کمان اور ڈھال وغیرہ بھی بنائے جاتے تھے۔ تعمیرات کا کام خود نہیں جانتے تھے۔ اس لئے روم اور ایران سے معمار بلوائے جاتے تھے۔

تجارت عام طور پر حضری لوگوں کا ذریعہ معاش تھا۔ قریش مکہ گرمیوں میں ملک شام کی طرف تجارتی قافلے بھیجتے اور سردیوں میں یمن کی طرف تجارت کرتے تھے۔ قافلوں کی حفاظت قبائل کے سرداروں کے ذمے ہوتی تھی۔ عرب میں کئی مشہور بازار تھے۔ جہاں اکثر میلے لگتے اور تجارتی کاروبار ہوتا تھا۔

اخلاقی اور معاشرتی حالت

اجتماعی اور انفرادی اوصاف

اہل عرب مہمان نوازی میں دُنیا بھر میں مشہور و معروف ہیں۔ امیر ہو یا غریب سب اپنی استطاعت سے بڑھ کر مہمان کی خدمت کرتے۔ امراء تو بڑی بڑی رقمیں اور کئی کئی اونٹ بیک وقت غرباء کو بخش دیتے تھے۔ حاتم طائی عرب کا ہی ایک باشندہ تھا جس کی سخاوت اور مہمان نوازی پر دنیا آج بھی فخر کرتی ہے۔

عرب لوگ عہد و پیمان کے بڑے پابند ہوتے تھے۔ اسے اپنا فرض سمجھتے اور ایفائے عہد کے لئے اپنی اولاد تک کو قربان کرنے سے گریز نہ کرتے تھے۔ کوئی مظلوم اگر اُن کے ہاں پناہ لیتا تو اس کی ہر ممکن طریق سے حفاظت کی جاتی۔ یہاں تک کہ جنگ و جدل کی نوبت آجاتی تو بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔

بہادری اور شجاعت میں بھی عرب کے باشندے ایک نمایاں مقام رکھتے تھے۔ زمانہ جاہلیت کے اشعار میں زیادہ تر جنگ، بہادری اور شجاعت کا ذکر پایا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب کے لئے لڑائی اور بڑی بڑی مہموں پر ایک آواز پر اکٹھے ہو جانا معمولی بات ہوا کرتی تھی۔ بستر پر مرنے کے بجائے میدانِ جنگ میں کام آنے کو ترجیح دیتے تھے اور عزت سمجھتے تھے۔ باپ دادا کے خون کا بدلہ لینا فرضِ اوّلین سمجھا جاتا تھا۔

شادی کے لئے نکاح کا رواج تھا۔ لڑکی اور لڑکے کے سرپرستوں کی رضامندی نکاح کے لئے ضروری سمجھی جاتی تھی۔ عورت خود بھی نکاح کرنے کا حق رکھتی تھی۔ بہن، بیٹی، خالہ اور پھوپھی وغیرہ کے ساتھ نکاح حرام سمجھا جاتا تھا۔ تعددِ ازدواج

کا عام رواج تھا۔ بعض مردوں کی دس دس بیویاں نکاح میں ہوتی تھیں۔ عام طور پر طلاق کا اختیار مرد کو ہوتا تھا۔ لیکن بعض رؤساء کی لڑکیاں طلاق کا حق اپنے اختیار میں رکھنے کا فیصلہ نکاح پر ہی کر لیتیں۔ لڑائیوں میں مالِ غنیمت کے طور پر ملی ہوئی عورتیں کنیزیں یا لونڈیاں کہلاتیں اور مردوں پر حلال سمجھی جاتی تھیں ؛

مُعاشرتی بُرائیاں

زنا کاری عام تھی۔ حد یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت کا سب سے بڑا اور مشہور شاعر امراء القیس جو شہزادہ بھی تھا' اپنے ایک قصیدے میں اپنی پھوپھی زاد بہن کے ساتھ اپنی بدکاری کا قصہ بڑے مزے لے لے کر بیان کرتا ہے اور یہ قصیدہ کعبہ پر لٹکا دیا جاتا ہے ؛

شراب خوری کی عادت عربوں میں بہت زیادہ تھی۔ گھروں میں اور محفلوں میں یہ ایک لطف و تفریح کا ذریعہ تھا۔ بچے بڑوں کو اپنے ہاتھوں سے شراب پلاتے اور بیویاں اپنے شوہروں کو شراب پلانا عین سعادت سمجھتیں۔ اسلام آنے تک اگرچہ بعض نیک لوگوں نے شراب پینا چھوڑ رکھا تھا۔ لیکن سارے ملک میں اس کا خوب رواج تھا اور لوگ شراب کے نشے میں طرح طرح کی بدعنوانیاں کرتے پھرتے۔ لڑتے جھگڑتے اور دشمنیاں پیدا کر لیتے تھے ؛

قمار بازی بھی عام تھی اور شراب خوری کی طرح اسے بھی عزت اور شرافت کا کام سمجھا جاتا۔ جوئے اور نشے میں مویشیوں کی بازی لگاتے۔ پھر ان کو ذبح کر کے سب مل کر کھاتے۔ جو بچ جاتا' اسے غریبوں میں تقسیم کر دیتے۔ امراء جوئے میں جو کچھ جیتتے، غرباء پر خرچ کر دیتے اور اس طرح اپنے رحم و کرم کا ثبوت دیتے ؛

سود خواری بھی عربوں میں یہودیوں کی بدولت پھیلی۔ یہودی سرمایہ دار تجارت میں پیش پیش تھے۔ اس لئے غریب عرب کسانوں اور مزدوروں کو سود پر قرض

دیتے۔ یہودیوں کی دیکھا دیکھی عربوں میں بھی ایسے سرمایہ دار پیدا ہو گئے، جو سُودی کاروبار کو ذریعہ معاش بنا بیٹھے۔ سود کی ایک صورت یہ بھی تھی، کہ غریب کسان ساہوکار سے اپنے قرضہ کی ادائیگی کا وعدہ اگلی پیداوار پر کرتے لیکن جب اگلی فصل پر بھی وہ قرض ادا نہ کر سکتے تو ساہوکار سے مُدت بڑھا دینے کی التجا کرتے۔ ساہوکار مُدت تو بڑھا دیتا۔ لیکن ساتھ ہی جنس کی مقدار بھی بڑھا دیتا۔ یعنی اس طرح سُود میں اور اضافہ ہو جاتا۔ بعض اوقات یہ صورت یہاں تک بڑھ جاتی کہ سود کی رقم اصل رقم سے کئی گنا بڑھ جاتی، اور مقروض بچارے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دب جاتے۔

عربوں میں سب سے زیادہ بُری اور ظالمانہ رسم اولاد کُشی کی تھی۔ کسی کام کے لئے منت مانتے اور پھر بچوں کو اپنے دیوتاؤں کی خوشنودی کے لئے خود ذبح کر کے ان پر نذریں چڑھاتے۔ یہ کام تو مذہبی عقائد کی بنا پر کیا جاتا لیکن بعض لوگ غربت اور فقروفاقہ کی وجہ سے بچوں کو مار ڈالتے تھے تاکہ انھیں ان کے لئے کھانے پینے کا سامان نہ کرنا پڑے۔ تیسری صورت لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا تھا۔ یہ سب سے ظالمانہ اور افسوس ناک رسم اس لئے رائج تھی کہ والدین بیٹیوں کو اپنے لئے شرم و عار کا باعث سمجھتے تھے۔ اس لئے جب کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی تو باپ شرم کے مارے منہ چھپاتا پھرتا اور غصہ کے گھونٹ پیتا رہتا۔ اس کے لئے صرف یہی چارہ کار ہوتا کہ لڑکی کو زمین میں دفن کر دیا جائے۔ یہ رسمِ بد یُوں تو سارے عرب میں موجود تھی۔ لیکن بنو تمیم کے قبائل میں اس کا رواج سب سے زیادہ پایا جاتا تھا۔ اس حسرت ناک رسم کا ایک واقعہ یُوں بیان ہوا ہے کہ :-

"ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم جاہل لوگ تھے۔ بُت پرست تھے اور اولاد کو مار دیتے تھے۔

میری ایک بیٹی تھی کہ جب میں اسے پیار سے بلاتا تو وہ خوشی سے دوڑتی آتی۔ ایک دن میں نے اسے بلایا۔ وہ بھاگتی ہوئی آئی۔ میں آگے آگے بڑھتا گیا وہ پیچھے پیچھے بھاگتی آئی۔ حتیٰ کہ میں اور وہ ایک کنوئیں پر آ پہنچے جو ہمارے گھر کے قریب ہی تھا۔ میں نے لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر اسے کنوئیں میں گرا دیا۔ وہ ابا ابا پکارتی رہی۔ اور یہی اس کی زندگی کی آخری آواز تھی۔" (دارمی)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ واقعہ سنتے ہوئے رو رہے تھے۔ جب واقعہ ختم ہوا آپؐ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر تھی۔

مذہبی زندگی

دینِ حنیفی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی وجہ سے عرب میں دینِ ابراہیمی پھیل گیا تھا۔ اہل عرب اسے دینِ حنیفی کہتے تھے۔ یہ تحقیق نہیں ہو سکی کہ دینِ ابراہیمی کو دینِ حنیفی کیوں کہتے ہیں۔ مفسرین کہتے ہیں کہ چونکہ دینِ ابراہیمی میں باقی ہر دین سے منہ پھیر کر صرف اس کی طرف یکسو ہونا تھا۔ اس لئے اسے دینِ حنیفی کہنے لگے۔ کیونکہ حَنَف کے معنی انحراف، یکسو ہونا اور منہ پھیرنا کے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے ایک خدا کی عبادت کے لئے دنیا میں پہلی مسجد خانہ کعبہ تعمیر کی تھی۔ اس کو مقدس سمجھا جاتا تھا اور ہر سال یہاں حج ادا کرتے اور طواف (چکر، پھیرا) کیا کرتے تھے۔ ظہورِ اسلام تک اس مذہب کے ماننے والے بہت ہی کم رہ گئے تھے۔

مشرکین حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد (بنی عدنان) جب مکہ چھوڑ کر مختلف اطراف میں پھیل گئی تو کچھ لوگ خانہ کعبہ کا ایک پتھر تعظیم کے طور پر ساتھ لے گئے۔ پتھر کی تعظیم نے آہستہ آہستہ ان کی اولادوں میں پتھر کی پرستش پیدا کر دی اور اس طرح پتھر کی مُورتیاں بننے لگیں اور یوں شرک رائج ہو گیا۔ عمر بن لحی کعبہ کا متولی تھا۔ ایک دفعہ وُہ ملک شام گیا اور وہاں سے کچھ پتھر کی مورتیاں اٹھا لایا اور کعبہ میں رکھ دیں۔ اس طرح مکہ اور گرد و نواح میں بُت پرستی شروع ہو گئی۔ جگہ جگہ نئے بُت بننے لگے۔ ظہور اسلام تک خانہ کعبہ میں سینکڑوں بت جمع ہو گئے۔ ان میں ہبل نامی بت بہت مشہور تھا۔ حضرت ابراہیم ؑ اور حضرت اسمٰعیل ؑ کے بُت بھی کعبہ میں موجود تھے۔ بتوں کے ہاتھوں میں تیر پکڑے ہوتے تھے جو ازلام کہلاتے تھے۔ گویا وہ ان سے کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے کی فال نکالتے تھے۔ خانہ کعبہ اور اس کے بُتوں کی سب سے زیادہ پرستش ہوتی تھی۔ ہر سال چاروں طرف سے لوگ حج کے لئے آتے اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے۔ بعض لوگ برہنہ ہو کر طواف کیا کرتے تھے۔

طائف میں لات بُت کی پُوجا ہوتی تھی۔ ینبع بندرگاہ کے قریب سواع نامی بُت تھا، جس کے قریب د جوار کے لوگ اور مصری قبائل پرستش کرتے تھے۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان سمندر کے کنارے پر ایک بہت بڑا بُت منات تھا جو زیادہ تر مدینہ کے قبائل کے لئے تعظیم کا مرکز تھا۔ غرض سارے عرب میں جا بجا بتوں کی پُوجا ہوتی تھی۔ اہل عرب ان بُتوں پر نذریں چڑھاتے اور بتوں کے نام

پر جو جانور آزاد چھوڑے جاتے، ان سے نہ کام لیا جاتا نہ ان پر سواری کرتے۔

مجوسی کچھ لوگ مجوسی کہلاتے تھے جو آتش پرست تھے۔ قبیلہ تمیم سب مجوسی تھے۔

یہود بنی اسرائیل کے کچھ لوگ ملک شام میں آباد تھے۔ حکومت کی سختیوں سے تنگ آکر یہ لوگ عرب میں آ گئے اور مدینہ اور خیبر کے مقامات پر آ بسے۔ رفتہ رفتہ ان کے اثر سے کچھ عرب لوگ بھی یہودی ہو گئے۔ صنعاء کا بادشاہ ذونواس بھی یہودی ہو گیا جس کی وجہ سے وہاں کے اکثر لوگوں نے یہودیت قبول کر لی۔ یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیرو تھے۔ اور ان کے پاس الہامی کتاب توراۃ موجود تھی۔

نصارا عرب میں نصرانیت (عیسائیت) یمن سے شروع ہوئی اور دُور دُور تک پھیل گئی۔ حیرہ کا بادشاہ نعمان بن منذر بھی عیسائی ہو گیا تھا۔ قبائل طے۔ ربیعہ اور غسانی سب عیسائی مذہب کے ماننے والے تھے۔

کاہن کہیں کہیں کاہن لوگ آباد تھے جو غیب کی باتیں بتاتے تھے۔

موحدین عرب میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو بُت پرستی سے بیزار تھے اور دینِ ابراہیمی کو صحیح مذہب خیال کرتے تھے۔ یہ لوگ موحدین کہلاتے تھے۔ زید بن عمرو بن نفیل مشہور موحد تھے۔ وہ خانہ کعبہ میں لوگوں سے کہا کرتے کہ تم میں سے سوائے میرے

کوئی دینِ ابراہیمی پر نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ زید بن عمرو قیامت کے دن اکیلے امت کی حیثیت سے اٹھائے جائیں گے۔

اجتماعی اور سیاسی زندگی

قبائلی حکومت اہل عرب زیادہ تر قبائل میں منقسم تھے۔ ہر قبیلہ میں ایک سردار ہوتا تھا جو ہر لحاظ سے ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ سرداروں میں رحمدلی، شجاعت، تحمل مزاجی اور مہمان نوازی وغیرہ نمایاں اوصاف پائے جاتے تھے۔ لڑائی اور صلح دونوں میں سردار کا فیصلہ عموماً آخری حکم سمجھا جاتا تھا۔ کمزور قبائل خود مختار اور قوی قبائل کے ماتحت ہوتے تھے۔

ان قبائل میں ذرا ذرا سی بات پر جھگڑا ہو جاتا اور ایک سردار کی آواز پر کئی دوسرے قبائل مدد کو آ جاتے تھے۔ لڑائی کے وقت بہت سے لوگوں کو یہ بھی علم نہیں ہوتا تھا کہ لڑائی کس بنا پر ہوئی ہے۔ ممتاز قبائل کے سرداروں میں رقابت کی وجہ سے بعض لڑائیاں کئی کئی سال نسلاً بعد نسلاً ہوتی رہتیں۔ باپ دادا کے خون کا انتقام لینا فرض سمجھا جاتا تھا۔

اجتماعات عرب کے مختلف مقامات پر لوگ ہر سال اکٹھے ہوتے تھے۔ ان میلوں میں تجارتی کاروبار ہوتا تھا اور شعر و شاعری میں وسیع پیمانے پر حصّہ لیا جاتا۔ تنازعات کے فیصلے ہوتے

تھے اور صلح کی تدبیریں سوچی جاتیں۔ ان میلوں کو اتنی اہمیت حاصل
کہ اہلِ عرب محرم، رجب، ذیقعد اور ذی الحجہ کے مہینوں میں لڑائی
حرام سمجھتے تھے اور ان مہینوں میں اجتماعات منعقد کیا کرتے۔ تین
ہفتے تک ایک ہی میلہ لگا رہتا۔ سب سے بڑا میلہ مکہ کے قریب
عُکاظ کے بازار میں لگتا تھا جہاں تمام عرب سے لوگ جمع
ہوتے تھے۔

متمدن سلطنتیں قدیم عرب میں شاہی سلطنتیں بھی گزری ہیں۔ یمن
علاقے میں معینی اور سبائی دو شاہی خاندان بہت
مشہور تھے۔ ملکہ سبا (بلقیس) اسی سبائی خاندان میں سے تھی۔ صنعا
علاقے کی حکومت سب سے بڑی تھی۔ اس کا بادشاہ یوسف ذونواس یہو
ہو گیا تھا۔ ایک دفعہ روم سے کچھ لوگ عیسائیت کی تبلیغ کے لئے صنعا
آئے۔ یوسف ذونواس نے ان لوگوں پر بڑا ظلم کیا اور انھیں آگ
ڈال دیا۔ یہ حادثہ ۵۲۴ء میں پیش آیا۔ قیصر (شاہ روم) نے اپنے ماتحت
بادشاہ نجاشی (شاہ حبشہ) کو اس ظلم کا بدلہ لینے کے لئے حکم دیا
حبشہ سے ایک سردار ارباط فوج کا ایک دستہ لے کر آیا لیکن ذونوا
نے خودکشی کر لی۔ کچھ عرصہ بعد ارباط کے ایک امیرِ فوج اَبرَہہ
ارباط کو قتل کر دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ اَبرہہ نے نجاشی
صلح رکھی اور صنعا میں حکومت کرنے لگا۔ ابرہہ پکا عیسائی تھا۔
نے صنعاء میں ایک بہت بڑا کینسہ (کلیسا) بنوایا اور عرب بھر
اعلان کروایا کہ آئندہ لوگ خانہ کعبہ کے بجائے کینسہ کا طواف کیا کر
لیکن عرب لوگ چونکہ خانہ کعبہ کا بہت احترام کرتے تھے اور ا

مقدس سمجھتے تھے۔ اس لئے ابرہہ کے حکم کی پروا نہ کی۔ ابرہہ ایک لشکرِ جرار لے کر مکّہ کی طرف روانہ ہوا تاکہ خانہ کعبہ کو مٹا کر اہل عرب کو کینسہ پر مجبور کرے لیکن اللہ تعالےٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ مکہ کے قریب آیا تو اللہ نے اس پر عذاب نازل کیا اور پرندوں کے غول کے غول بھیج دیئے جو پتھر کی کنکریاں برساتے تھے۔ ان کنکریوں کے اولوں نے اس زور کا طوفان اُٹھایا کہ ابرہہ کے ہاتھی گھبرا کر چیخنے لگے اور اپنے ہی آدمیوں کو روند ڈالا۔ چنانچہ ابرہہ کی فوج تباہ و برباد ہو گئی۔ قرآن میں اس واقعہ کا ذکر سورہ الفیل میں موجود ہے۔

ابرہہ کے بعد اس کے بیٹے حکمران رہے۔ پُرانے بادشاہوں کی اولاد میں سے کچھ لوگ باقی تھے جنھوں نے شاہِ ایران کی مدد سے دوبارہ یمن پر قبضہ کر لیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ایران کے بادشاہ نے اپنا حاکم بھیج کر یمن کو ایرانی صوبہ بنا لیا۔

یمن کے علاوہ حیرہ میں بھی ایرانی شہنشاہ کی حکومت تھی۔ شام کی سرحد پر غسانی حکومت قائم تھی جس کا حاکم عیسائی ہو گیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ تک غسانی لوگ عیسائی تھے۔ پھر اسی عہد میں مسلمان ہو گئے۔

خاندانِ قریش

شروع میں صوبہ حجاز کے اس علاقہ کے سردار جرہم تھے۔ یہاں

اب مکّہ آباد ہے (مکّہ کا پہلا نام بکّہ تھا۔ قرآن میں یہی نام آیا ہے۔ بعد
بدل کر مکّہ ہو گیا)۔ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کی شادی قب
جرہم کے ایک سردار کی لڑکی سے ہوئی۔ خانہ کعبہ کے مجاور ہونے کی
سے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کو عزّت و احترام کی نگاہ سے تو دیکھا ج
تھا لیکن مکہ کی ریاست اور حکومت میں ان کا کوئی اختیار یا حصہ نہ تھا۔

یمن میں ایک دفعہ بہت بڑا سیلاب آ جانے کی وجہ سے وہاں
ایک سردار حارثہ بن عمرو جس کا لقب خزاعہ تھا، اپنے لوگ لے کر
کی طرف آیا اور مکہ پہنچ کر بنی جرہم کو وہاں سے نکال دیا اور خود قا
ہو گیا۔ بنی جرہم نجد، عراق اور بحرین وغیرہ میں چلے گئے۔ مکہ کے علا
میں حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد اور بنی خزاعہ بسنے لگے۔ بنی خزاعہ ک
سردار کعبہ کے متولّی بن بیٹھے۔

حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے ایک شخص عدنان تھے۔ جن کی ا
آگے چل کر بنو عدنان کہلائی۔ بنو عدنان میں سے ایک شخص فِہر تھے
کا لقب قریش تھا۔ (قریش کے معنی جمع کرنے والے کے ہیں) اور یہ
سے خاندانِ قریش کی ابتدا ہوئی۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ فہر کے ا
نضر بن کنانہ کو قریش کا لقب ملا تھا۔ بہرحال اسی خاندان میں سے نضر
اس کے پوتے فہر نے کافی اقتدار اور شہرت حاصل کر رکھی تھی۔
فہر کے بعد چھٹی پشت میں ایک شخص قصیٰ بن کلاب نے خاصی عزت
اور اقتدار حاصل کیا۔ قصیٰ کی شادی بنو خزاعہ کے سردار حلیل کی لڑ
سے ہوئی۔ حلیل کعبہ کا متولی تھا اس لئے اس نے مرتے وقت وصیت
دی کہ کعبہ کی خدمت پر قصیٰ کو مامور کیا جائے۔ چنانچہ اس ط

قصیٰ کعبہ کے متولّی ہو گئے اور کعبہ کی جو خدمت آلِ اسمٰعیل کے ہاتھوں سے چھن چکی تھی، دوبارہ حاصل ہو گئی۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ قصیٰ نے اپنے خاندان کے لوگوں کو متحد کر کے بزورِ بازو بنو خزاعہ سے مکہ کی حکومت چھین لی اور کعبہ کے متولّی بن گئے۔

قصیٰ نے اقتدار حاصل کرتے ہی خدمتِ کعبہ کے سلسلے میں نمایاں کام سرانجام دیئے جس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ محبوب و مشہور ہوئے۔ قصیٰ نے سب سے پہلے خاندانِ قریش کے تمام بکھرے ہوئے افراد کو دُور دُور سے بُلا کر کعبہ کے آس پاس بسا دیا۔ پھر ایک بہت بڑا مکان بنوایا جس کا نام دارالندوہ رکھا، جہاں قریش اکٹھے ہو کر ہر قسم کا مشورہ اور فیصلے کرتے۔ مجلسیں ہوتیں، جنگ وغیرہ کی تیاری سوچی جاتی، تجارتی قافلے وہیں تیار ہو کر باہر جاتے اور نکاح وغیرہ کی رسوم بھی وہیں ادا کی جاتیں۔ اس کے علاوہ قصیٰ نے خانہ کعبہ کی خدمت اور ملکی نظم و نسق کے لئے کئی محکمے قائم کئے جن میں مندرجہ ذیل مشہور اور قابلِ ذکر ہیں :—

۱۔ سقایہ : یعنی پانی پلانے کا کام۔ حج کے دنوں میں حاجیوں کو چشمۂ زمزم سے پانی پلایا جاتا۔

۲۔ رِفادہ : اس محکمے کے ذمے حاجیوں کے طعام وغیرہ کا انتظام تھا۔ قصیٰ کے احساس دلانے سے قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کی جس سے حاجیوں کے کھانے کا انتظام کیا جاتا۔

۳۔ لِوا : اس محکمہ کے ذمے جنگی امور تھے۔ فوج کو جنگ کے لئے جھنڈا عطا کیا جاتا۔

۴۔ تولیتِ کعبہ: یعنی خانہ کعبہ کی حفاظت اور خدمت کا پورا انتظام ان کے ذمے تھا۔

۵۔ صدرِ ندوہ: دارالندوہ کی صدارت جس شخص کے ذمے ہوتی، وہ نظامِ حکومت میں سب سے اعلیٰ و بلند مقام پر فائز سمجھا جاتا تھا۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ قریش کا لقب سب سے پہلے قصیٰ کو ہی ملا تھا، کیونکہ انھوں نے ہی تمام خاندان کو اکٹھا کر کے دوبارہ کعبہ کے پاس بسایا اور خانہ کعبہ کی خدمت سب سے زیادہ انھوں نے کی، اور قریش کے معنی بھی جمع کرنے اور ایک رشتہ میں منسلک کرنے کے ہیں۔

قصیٰ کے چھ بیٹے تھے جن میں سے عبدمناف کے آگے چار بیٹے ہوئے۔ ہاشم، نوفل، عبدشمس اور مطلب ــــ ان میں سے ہاشم کے بیٹے عبدالمطلب ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا تھے ؛ (صفحہ ۸ پر شجرۂ مبارک کا نقشہ ملاحظہ ہو)

باب دوم

سیرالنبیؐ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

نسب نامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جا ملتا ہے سلسلہ نسب یہ ہے:- محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصیٰ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ یہاں تک تو سب کا اتفاق ہے اور اس کے بعد کچھ اختلاف ہے لیکن امام بخاری نے اپنی تاریخ کی کتاب میں آگے حضرت ابراہیمؑ تک سلسلہ نسب یوں بیان کیا ہے:- عدنان بن عدد بن القوم بن تارح بن یشجب بن نابت بن اسمٰعیلؑ بن ابراہیمؑ۔ قریش کے کئی قبائل میں سے بنی عبد مناف اور بنی زہرہ ممتاز ترین قبیلے تھے۔ عبد مناف کے چار بیٹے ۔ عبد شمس، مطلب، نوفل اور ہاشم ۔ تھے۔ ہاشم کے بیٹے عبدالمطلب تھے جو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا تھے۔ عبدالمطلب کے بارہ بیٹے تھے جن میں سے حمزہ، عباس، ابوطالب اور عبداللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عبداللہ سب سے چھوٹے تھے۔ عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کا نکاح حضرت آمنہ سے کیا جو قریش کے ایک معزز قبیلہ بنی زہرہ سے تھیں۔ شادی کے کچھ دنوں بعد حضرت عبداللہ تجارت کے سلسلے میں ملک شام گئے۔ راستے میں مدینہ کے قریب اپنے ننہال میں پہنچ کر بیمار ہو گئے اور وہیں وفات پائی۔

ولادت حضور سرور کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اپنے باپ حضرت عبداللہ کی وفات کے چند ماہ بعد بروز پیر بتاریخ ۹ ربیع الاوّل بمطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو مکہ میں ہوئی۔ اصحاب فیل کے واقعہ کی وجہ سے اس سال کو عام الفیل بھی کہتے ہیں۔ عبدالمطلب اپنے پوتے کی پیدائش پر بہت خوش تھے اور انھوں نے محمد نام رکھا۔ لیکن حضرت

آمنہ نے احمد نام رکھا۔

رضاعت مکہ کے دستور کے مطابق امراء اپنے بچوں کو صحت و تندرستی کی خاطر دیہات وغیرہ کی عورتوں سے دودھ پلواتے تھے۔ چنانچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بنی سعد کی ایک نیک خاتون حلیمہ کے سپرد کر دیا گیا۔ بی بی حلیمہ نے آپؐ کو چار سال تک اپنے پاس رکھا۔ پھر مکہ ہی میں آپؐ کو آپؐ کی والدہ صاحبہ کے پاس چھوڑ گئیں۔

بچپن چھ سال کی عمر میں آپؐ کو آپؐ کی والدہ ماجدہ ساتھ لے کر حضرت عبداللہ کی قبر کی زیارت کے لئے مکہ سے مدینہ کی طرف گئیں۔ عبدالمطلب اور اُم ایمن (حضرت آمنہ کی کنیز) بھی ساتھ تھے۔ راستے میں مقام ابواء پر حضرت آمنہ بیمار ہو گئیں اور وفات پائی۔ یہیں آپ کو دفن کر دیا گیا۔ اس کے بعد عبدالمطلب آپ کو بڑے پیار و شفقت سے رکھتے آٹھ برس کی عمر ہوئی تو عبدالمطلب نے بھی مکہ میں وفات پائی۔ دادا کی وصیت کے مطابق آنحضرتؐ اپنے حقیقی چچا ابوطالب کے زیر سایہ پرورش پانے لگے۔

بارہ برس کی عمر میں ایک دفعہ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ ملک شام تجارت کے سلسلے میں گئے۔ بصرہ کے قریب بحیرہ نامی ایک عیسائی راہب سے ملاقات ہوئی۔ بحیرہ نے اپنے علم سے پہچان کر کہا کہ اس لڑکے میں آثارِ نبوّت پائے جاتے ہیں۔ اسے واپس لے جاؤ کیونکہ دشمنوں سے خطرہ ہے۔ پوچھا گیا کہ تم نے کس طرح معلوم کیا کہ محمدؐ نبی ہوں گے بحیرہ نے کہا کہ جب آپ لوگ پہاڑی سے اتر کر ادھر آ رہے تھے تو سب درخت اور پتھر سجدے میں گر گئے تھے۔ چنانچہ ابوطالب نے آپؐ کو واپس لوٹا دیا۔

جوانی آنحضرتؐ پندرہ برس کے تھے کہ حدودِ حرم میں قریش کی لڑائی کنانہ اور قیس کے قبائل سے ہوئی۔ آپؐ بھی اس لڑائی میں شریک تھے۔ قریش کے سپہ سالار حرب بن امیہ تھے۔ یہ لڑائی حرب فجار کے نام سے مشہور ہے کیونکہ ایام الحرام میں واقع ہوئی اس لڑائی کے بعد قبائل قریش میں سے بنی ہاشم، بنی تمیم اور بنی اسد تینوں نے مل کر عہد کیا

کہ اب سے مکہ میں ہر مظلوم کی مدد کی جائے گی۔ آنحضرت بھی اس معاہدہ میں شریک تھے۔
چونکہ اس معاہدہ میں جن سرداروں نے اہم حصہ لیا ان کے ناموں میں فضل کا لفظ آتا تھا۔
اس لئے اس معاہدے کا نام حلف الفضول مشہور ہو گیا۔

حضرت خدیجہ سے شادی | آنحضرتؐ اپنی نیکی، سچائی اور ایفائے عہد میں کمال کا درجہ رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ امین کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کی سچائی اور نیک نیتی کی وجہ سے ایک دفعہ قریش کے قبیلہ اسد کے سردار خویلد کی بیٹی خدیجہ کبریٰ نے جو بیوہ تھیں اور بہت مالدار تھیں، آپؐ کو اپنا مال دے کر تجارت کے لئے ملک شام بھیجا۔ یہ آنحضرتؐ کا ملکِ شام میں دوسرا سفر تھا اس تجارت میں آپؐ کو کافی فائدہ ہوا۔ آپؐ کی عمر اس وقت پچیس برس کی تھی اور حضرت خدیجہؓ چالیس برس کے تھے۔ نکاح کے وقت خاندان کے لوگ موجود تھے۔ ابوطالب نے نکاح پڑھایا اور پانچ سو طلائی درہم مہر مقرر ہوا۔

تجدیدِ کعبہ | سیلاب کی وجہ سے خانہ کعبہ کی عمارت خراب ہو چکی تھی۔ چنانچہ دوبارہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ تمام قبائلِ عرب اس کی تعمیر میں شریک تھے۔ سرمایہ کی کمی کی وجہ سے عمارت کا شمالی حصہ بنیادِ ابراہیمی سے کچھ کم کر دیا گیا۔ چنانچہ خانہ کعبہ کی ایک دیوار پر حضرت ابراہیم کے وقت سے ایک جگہ حجرِ اسود (سیاہ پتھر) لگا ہوا تھا جس پر ہاتھ رکھوا کر حضرت ابراہیمؑ لوگوں سے عہد لیا کرتے تھے۔ جب اس پتھر کے دوبارہ نصب ہونے کا وقت آیا تو قبائل میں جھگڑا ہوا کہ کون اسے لگانے کی سعادت حاصل کرے۔ چنانچہ آنحضرتؐ کا فیصلہ تسلیم کر لیا گیا۔ آپؐ نے حجرِ اسود کو ایک چادر میں رکھ کر لوگوں سے کہا کہ اسے اکٹھے اٹھا کر متعین جگہ پر رکھ دیں۔ اس طرح سب لوگ خوش ہو گئے۔

خلوت نشینی | آپؐ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے۔ خود محنت کر کے روزی کماتے۔

بچپن میں تھوڑا عرصہ بکریاں پالیں۔ جوان ہوئے تو تجارت کرنے لگے۔ بُت پرستی سے بچپن سے ہی نفرت کرتے تھے۔ خانۂ کعبہ کا طواف کیا کرتے، اور حج ادا کرتے تھے۔

پینتیس سال کی عمر میں آپؐ تنہائی اور خلوت کی طرف زیادہ مائل ہو گئے اور پہلے سے زیادہ متفکر اور سوچ بچار میں منہمک نظر آنے لگے۔ عبادت کے لئے آپؐ اکثر مکہ سے باہر کوئی تین میل کے فاصلے پر ایک غار میں چلے جاتے جس کا نام غارِ حرا تھا۔ آنحضرتؐ کی عبادت کی تفصیل تو معلوم نہیں۔ گو ابھی تک نبوّت سے سرفراز نہیں ہوئے تھے مگر آپؐ ایک خدا کی یاد میں مشغول رہتے اور گرد و نواح کے لوگوں کے حالات میں غور و خوض کرتے رہتے اور اکثر چند دن رات متواتر غار میں گزار دیتے تھے۔

بعثت

نبوّت سے چھ ماہ پہلے آپؐ کو رویائے صادقہ (سچے خواب) نظر آنے شروع ہوئے۔ رات کو خواب دیکھتے اور اگلے روز وہی کچھ سچا ہو جاتا۔ چالیس برس کی عمر ہوئی تو آپؐ کو نبوّت سے سرفراز کیا گیا۔ ایک دن آپؐ غارِ حرا میں تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک فرشتہ آیا۔ یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے۔ جو تمام انبیاء کرام کے پاس وحی لے کر آیا کرتے تھے۔ فرشتہ نے کہا "پڑھئے"۔ آپؐ نے جواب دیا "میں پڑھنا نہیں جانتا۔" جبرائیلؑ نے آپؐ کو اپنے سینے سے لگایا، اور پھر کہا "پڑھئے"۔ آپؐ نے دوبارہ وہی جواب دیا۔ اس طرح تین بار ہوا، پھر

فرشتے نے کہا۔ "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ ـــ مَا لَمْ يَعْلَمْ"
(اپنے رب کا نام لے کر پڑھئے جس نے مخلوقات کو پیدا کیا جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ قرآن پڑھئے اور آپ کا رب بڑا کرم کرنے والا ہے جس نے قلم کے ساتھ علم سکھایا ہے انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا)

یہ پہلی وحی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اس کے بعد فرشتہ غائب ہو گیا اور آپؐ گھبرائی ہوئی حالت میں گھر واپس آئے اور کپڑا اوڑھ کر لیٹ گئے۔ طبیعت سنبھلنے پر سارا قصہ حضرت خدیجہؓ کو کہہ سنایا ـــ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو اطمینان دلایا کہ آپ اوصاف کے لحاظ سے اعلیٰ انسان ہیں۔ اللہ یقیناً آپ کی مدد کرے گا اور اجر دے گا۔ اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپؐ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو عیسائیت قبول کر چکے تھے اور آسمانی کتب سے بہرہ ور تھے۔ ورقہ بن نوفل نے کہا کہ یہ وہی فرشتہ ہے جو دوسرے انبیاء کے پاس آیا کرتا تھا۔ اطمینان رکھیئے آپؐ ضرور اس زمانہ کے نبی ہوں گے۔ ورقہ بن نوفل بوڑھے تھے۔ انھوں نے کہا' کاش میں زندہ رہوں کہ جب آپؐ کی قوم آپؐ کو جھٹلائے گی تو اس وقت میں آپ کی مدد کرتا۔

جب بھی آنحضرتؐ پر وحی نازل ہوتی' آپؐ سر جھکا لیتے اور چہرۂ مبارک سخت سردی کے باوجود پسینہ سے تر بتر ہو جاتا۔ آپ فرمایا کرتے کہ وحی آنے پر کبھی جرس (گھنٹی) کی سی صدا آنے لگتی ہے۔ میں اس کی جانب متوجہ ہو جاتا ہوں اور جو کچھ سنتا ہوں' یاد کر لیتا ہوں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ خود سامنے حاضر ہو کر وحی سناتا ہے۔ دوسری صورت میں مجھے

آسانی ہوتی ہے اور پہلی قسم کی وحی کچھ تکلیف دہ ہوتی ہے۔

ابتدائے تبلیغ شروع شروع میں آپ نے مخفی طور پر قریبی احباب سے نبوت کا ذکر کیا، کیونکہ قریش مکہ کے لئے اپنے آبائی دین یعنی بت پرستی کی مذمت گوارا نہ تھی۔ چنانچہ حضرت ارقم مخزومی رض کے گھر پر تبلیغ دین ہونے لگی اور وہیں نمازیں ادا ہوتی تھیں

سب سے پہلے ان لوگوں کو ان کے غلط رویہ کی نشان دہی کر کے صحیح رویہ کی طرف بلایا۔ توحید الٰہی کو کھول کھول کر بیان کیا اور ہدایت کے بنیادی اصول اخلاق کو ذہن نشین کرایا تاکہ ان کی پیروی کر کے فلاح و بہبود حاصل کریں۔ شروع شروع کے یہ پیغامات (آیات) ابتدائی دعوت کی مناسبت سے چھوٹے چھوٹے مگر اثر انگیز احکام پر مشتمل تھے جو اسلام کی طرف مائل ذہنوں میں پیوست ہو جاتے۔ چنانچہ پہلے پہلے مسلمان پوری پختگی کے ساتھ ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں ہر تکلیف کو برداشت کرتے، بلکہ جان تک دینے کے لئے تیار تھے۔

پہلے مسلمان سب سے پہلے جو حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لائے، وہ یہ تھے :۔

۱۔ حضرت خدیجہ کبریٰ رض

۲۔ حضرت علی رض

۳۔ حضرت ابوبکر صدیق رض

۴۔ حضرت زید بن حارثہ (یہ زید بن محمد کہلاتے تھے۔ کیونکہ آنحضرت نے ان کو حضرت خدیجہ رض سے غلام کی حیثیت سے لے کر آزاد کر کے اپنا متبنیٰ بنا لیا تھا) اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رض کی وجہ سے ان کے دوست اور احباب اسلام لائے۔ ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں :۔

۵۔ حضرت عثمانؓ بن عفان
۶۔ حضرت زبیرؓ بن عوام
۷۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف
۸۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص
۹۔ حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ
۱۰۔ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح
۱۱۔ حضرت ابوسلمیٰؓ
۱۲۔ حضرت ارقم مخزومیؓ
۱۳۔ حضرت عبیدہؓ بن حارث
۱۴۔ حضرت سعیدؓ بن زید رمعہ اپنی بیوی فاطمہؓ بنت خطاب)

دعوتِ اسلام آنحضرت صلعم ان مسلمانوں کو حضرت ارقم مخزومیؓ کے گھر درس قرآن دیا کرتے تھے تین برس کے عرصہ میں ایک جماعت نے اسلام قبول کر لیا۔ جس کی تعداد چالیس سے کچھ زیادہ تھی پھر آپؐ نے اعلانیہ دعوتِ اسلام کا آغاز کیا۔ کیونکہ حکم الٰہی یہی تھا۔ شرک اور بت پرستی کے خلاف آواز اٹھاتے ہی مکہ کے لوگ سٹ پٹا گئے۔ کیونکہ اس طرح ان کے دین کی مذمت ہوتی تھی۔ اور ان کے آباؤ اجداد سب گمراہ ٹھہرائے جاتے تھے۔ باپ دادا کی تقلید میں وہ جان تک لڑا دینے کو تیار تھے۔ چنانچہ آپؐ سے سخت دشمنی ہونے لگی۔ ابوطالب نے آپؐ کی حفاظت کو اور مستحکم کر دیا۔ اپنے خاندان بنی عبد مناف کے لوگوں کو اکٹھا کر کے جوش دلایا کہ محمدؐ کی حفاظت کا سب ذمہ لیں۔ ان اقدامات کی وجہ سے دشمنوں کے حوصلے اس حد تک پست ہو رہتے کہ حملہ کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

ایک دن قریش کے کچھ لوگ ابوطالب سے ملے کہ اپنے بھتیجے کو منع
کرو وہ ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ نہ کہے اور ہمارے بتوں کی مذمت نہ کرے
ورنہ ہم خود نپٹ لیں گے۔ ابوطالب نے ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر واپس لوٹا دیا
آنحضرت صلعم کی پیہم تبلیغ اسلام سے تنگ آکر دوبارہ ابوطالب کے پاس
ہوئے اور کہا کہ اگر تم نے اپنے بھتیجے کو باز نہ رکھا تو ہم سب تم سے قطع تعلق
لیں گے۔ ابوطالب نے آپؐ کو بلا کر سارا قصہ سنایا کہ اب کیا ہو۔ آپؐ
فرمایا: "اے چچا میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ
اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی لا کر رکھ دیں اور یہ کہیں کہ اسلام چھوڑ دو تو میں
چھوڑوں گا۔ یا دین اسلام پھیل کر رہے گا۔ یا میری جان چلی جائے گی۔" ابوطالب
خاموش ہوگئے اور کہا کہ "جاؤ جو جی چاہے کرو۔ میں تمہاری مدد کرتا رہوں گا"
اس کے بعد قریش مکہ آنحضرتؐ کے قتل کے درپے ہوگئے۔ اور ابوطالب
سے کہا کہ ہم تمہیں ایک تندرست نوجوان آدمی دے دیتے ہیں تم محمدؐ ہمارے
حوالے کر دو۔ ابوطالب نے اپنی قوم کو اکٹھا کر کے حالات سے متنبہ کیا۔
نے آپؐ کی حفاظت کا عہد کیا۔ لیکن صرف آپؐ کے چچا ابولہب نے انکار کیا
جب آنحضرتؐ صلعم نے حرم کعبہ میں کھڑے ہو کر توحید کا اعلان کیا تو
مکہ میں ایک ہنگامہ برپا ہوا۔ حضرتؓ بن ابی حالہ اپنے گھر سے آنحضرت صلعم کی
کے لئے دوڑے لیکن کفار حضرت حارث کو شہید کر دیا۔ یہ اسلام کی خاطر اللہ کی
راہ میں پہلا خون تھا۔

کفار کی مخالفت جب کفار مکہ نے دیکھا کہ آنحضرت صلعم اپنی تبلیغ
سے باز نہیں آتے تو انہوں نے مسلمانوں کو طرح
طرح کی اذیتیں دینی شروع کر دیں۔ نماز پڑھنے سے روکتے۔ گلی کوچوں میں

برساتے۔ تپتی ہوئی ریت پر گھسیٹتے۔ راستے میں کانٹے بچھاتے، سجدہ کی حالت میں غلاظت اور جانوروں کی آنتیں سر پر رکھ دیتے۔ آتے جاتے زمنہ میں گھورتے، کوستے، خورد و نوش کی اشیاء بازار سے خریدنے نہ دیتے غرض ہر ممکن طریقہ سے غریب مسلمانوں کو دکھ پہنچانے لگے۔

ایک دفعہ آنحضرتؐ سجدہ میں تھے کہ ایک شخص عقبہ بن ابی معیط نے آپ کی گردن میں چادر ڈال کر خوب کسا۔ اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیقؓ تشریف لے آئے انہوں نے اس کو ڈانٹا اور مار کر بھگا دیا۔

ایک مرتبہ عقبہ نے اونٹ کی اوجھڑی اٹھا کر آنحضرت صلعم کے سر پر اس حالت میں رکھ دی جبکہ آپؐ سجدہ کر رہے تھے۔ آپؐ کی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراؓ اچانک آگئیں اور اسے ہٹا کر الگ پھینک دیا۔ کفار مکہ آنحضرت صلعم پر جھوٹی تہمتیں لگاتے رہتا کہ لوگوں میں ان کے لئے نفرت پیدا ہو۔ حج کے دنوں میں آنے والے لوگوں کو مکہ سے باہر مل کر کہتے کہ فلاں شخص کاہن، شاعر اور جادوگر ہے۔ اس کی باتوں میں نہ آنا۔ الغرض ہر طرف سے مسلمانوں پر مخالفت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

اسباب مخالفت

کفار مکہ کی مخالفت کے مندرجہ ذیل اسباب تھے۔

(۱) کفار تیز مزاج اور رنا تربیت یافتہ ہونے کی وجہ سے رسوم اجداد اور آبائی عقائد کی توہین برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے مرنے مارنے پر اتر آنا ان کے لئے معمولی کام تھا۔

۲۔ اسلام کی وجہ سے قریش کی بت پرستی کا خاتمہ تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی عظمت و اقتدار کی بھی جڑ کٹتی تھی۔

۳۔ قریش چونکہ عیسائیوں کے دشمن تھے اس لئے وہ یہ سمجھتے تھے آنحضرتؐ

عیسائیت قائم کر دیں گے۔ کیونکہ اس وقت تک مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس
۴۔ بنو امیہ قبائلی نقطۂ نظر سے بنو ہاشم سے دشمنی رکھتے تھے۔ اس لئے
آنحضرت صلعم کی نبوت سے اپنے رقیب کی فتح خیال کرتے ہوئے دشمنی
آمادہ تھے۔

۵۔ آنحضرت صلعم قریش کی بداخلاقیاں مثلاً چوری، جھوٹ وغیرہ پر نکتہ چیں
فرماتے تھے۔ اس لئے وہ اپنی عزت محفوظ کرنے کے لئے آنحضرت صلعم
کے دشمن بن گئے۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا اسلام

حضرت حمزہؓ آنحضرت صلعم کے چچا
تھے۔ عمر میں آپ آنحضرت صلعم سے
دو تین سال بڑے تھے۔ اس لئے
بچپن ایک ساتھ گزرا۔ پھر آنحضور صلعم ان کے رضاعی بھائی بھی تھے کیونکہ دونوں
نے ثوبیہ دائی کا دودھ پیا تھا۔ اسلام لانے سے پہلے بھی حضرت حمزہؓ آنحضرت
سے محبت پیش آتے اور آپ کے ہر کام کو پسند کرتے تھے۔ ایک دن
حضرت حمزہؓ حسب معمول شکار کر کے واپس لوٹے تو ایک کنیز نے جس
نے خود سارا قصہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا آپ کو بتایا کہ آج حضرت
محمد سے ابوجہل نے نہایت سخت کلامی کی ہے اور آپؐ کو بہت برا بھلا کہا
ہے۔ حضرت حمزہؓ طیش میں آگئے۔ تیر کمان ساتھ لے کر حرم کعبہ میں آئے
اور ابوجہل کو چیلنج کے طور پر کہا کہ جو چاہے کر لے "میں مسلمان ہو گیا ہوں"
پھر آنحضور صلعم کی خدمت میں آئے اور اسلام قبول کر لیا۔

حضرت عمر ستائیس برس کے تھے جب آنحضور صلعم نے اعلان نبوت
کیا۔ آپ اس نئی چیز پر ایمان لانے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ بلکہ اس کے دشمن

بن گئے اور جو کوئی اہل مکہ میں سے مسلمان ہوتا۔ اسے سخت ایذا پہنچاتے اور بعض کو تو خوب مارتے تھے۔ اپنے خاندان کی ایک کنیز لبینہؓ کو جو مسلمان ہو چکی تھیں۔ اس قدر مارتے تھے کہ تھک کر بیٹھ جاتے تھے اور تھوڑا دم لے کر پھر مارنا شروع کر دیتے۔ ایک دن آپ نے ارادہ کیا کہ (نعوذ باللہ) آنحضرت صلعم کو ہی قتل کر دیا جائے تاکہ یہ نیا سلسلہ جو قائم ہو رہا ہے اس کا سرے سے خاتمہ ہی ہو جائے۔ چنانچہ آپ تلوار لے کر گھر سے نکلے۔ یہ واقعہ حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کے تین چار روز بعد کا ہے۔ آنحضور صلعم اس وقت حضرت ارقم مخزومیؓ کے مکان میں تشریف فرما تھے۔ جہاں آپؐ مسلمانوں کو درس قرآن دیا کرتے تھے۔ راستہ میں حضرت عمرؓ کو ایک شخص نعیم بن عبد اللہ مل گئے۔ انہوں نے تیور بدلے ہوئے دیکھ کر پوچھا کیا بات ہے؟ آج اتنے غصے میں کدھر کا ارادہ ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ کہ آج میں محمدؐ کو قتل کرنے جا رہا ہوں تاکہ اسلام کا بالکل خاتمہ ہو جائے۔ نعیم بن عبداللہ نے کہا پہلے اپنے گھر کو تو سنبھال لو۔ تمہاری بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سعیدؓ بن زید دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ اور برہم ہوئے اور سیدھے بہن کے گھر پہنچے اتفاق سے اس وقت بہن تلاوت قرآن میں مصروف تھیں اور سورہ حدید کی آیات پڑھ رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے قرآن پڑھنے سن تو لیا لیکن بہن نے انہیں دیکھ کر فوراً اوراقِ قرآن چھپا لئے۔ انہوں نے بہن سے پوچھا تمہیں کیا ہو گیا۔ جو مرتد ہو گئی (یعنی اپنے دین سے پھر گئی) پھر آپ بہنوئی کی طرف بڑھے بہن انہیں بچانے آگے بڑھی۔ انہوں نے دونوں کو مارا۔ بہن کا جسم لہو لہان ہو گیا لیکن بہن ثابت قدم رہی۔ اور بولی "اے عمرؓ! میں بلاشبہ مسلمان ہو چکی ہوں۔ اور خواہ کچھ بھی ہو اسلام سے پھر نہیں سکتی جو جی چاہے کر لو۔" بہن کے یہ الفاظ

سن کر اور اسے خون میں لت پت دیکھ کر جوش ٹھنڈا ہوا اور بولے مجھے وہ
اوراق دکھاؤ جو پڑھ رہی تھی۔ بہن نے اوراق دیئے تو لکھی ہوئی سورۂ حدید
کے یہ الفاظ پڑھنے لگے۔

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○ (سورۂ حدید)	زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے خدا کی تسبیح پڑھتا ہے اور وہ غالب اور حکمت والا ہے

ہدایت کا وقت آ چکا تھا۔ جب آپ پڑھتے پڑھتے ان الفاظ پر پہنچے
آمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ) تو بے اختیار
منہ سے نکلا اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ میں
گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں
فوراً اٹھے اور حضرت ارقم مخزومیؓ کے گھر پہنچے۔ دروازہ پر دستک دی اور تلوار
ابھی ہاتھ میں تھی ایک صحابی نے دروازہ کے سوراخ میں سے جھانک کر دیکھا
اور رسول اللہ صلعم سے عرض کیا کہ عمرؓ شمشیر بکف کھڑے ہیں۔ حضرت
حمزہؓ موجود تھے۔ بولے آنے دو اگر وہ نیک ارادہ سے آئے ہیں تو بہتر ورنہ
انہی کی تلوار سے ان کا سر کاٹ دوں گا۔ لیکن رسول اکرمؐ خود اٹھے اور دروازہ
کھول کر حضرت عمرؓ کا دامن پکڑ لیا اور پوچھا "کیوں عمرؓ! کس ارادہ سے آئے
ہو!" آنحضورؐ کی پرجلال آواز سے حضرت عمرؓ کے جسم میں کپکپی طاری ہو گئی
اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولے "ایمان لانے کے لئے" آنحضور صلعم نے
خوشی سے اللہ اکبر پکارا۔ سب صحابہؓ نے ساتھ ہی زور سے نعرۂ اللہ اکبر
لگایا۔ یہ اسلام کا پہلا نعرہ تھا اور اتنا بلند کہ گرد و نواح کی پہاڑیاں گونج
اٹھیں۔ یہ ۶ سنہ نبوت کے آخر یا ۷ سنہ نبوت کے شروع کا واقعہ ہے۔

حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے پر ایک زبردست ہنگامہ برپا ہوا مسلمانوں کو بہت تقویت ملی لیکن دوسری طرف کفار اپنا ایک بہادر آدمی کھو کر پریشان تھے۔ اس وقت تک مسلمانوں کی تعداد کل چالیس کے قریب تھی۔ اس لئے کفار سے سہمے رہتے۔ چھپ چھپ کر تبلیغ اسلام کرتے اور درس قرآن دیتے۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لاتے ہی مسلمانوں کا نقشہ بدل گیا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں "عمر جب سے مسلمان ہوئے ہم لوگ غالب آتے گئے" حضرت عمرؓ سے پہلے جتنے بھی لوگ مسلمان ہوئے سب خفیہ طور پر اسلام لائے۔ کیونکہ صورت حال یہ تھی کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنا گویا ایک عظیم خطرہ مول لینا تھا۔ کفار مسلمانوں کے دشمن تھے لیکن حضرت عمرؓ اعلانیہ طور پر مسلمان ہوئے۔ کفار کو اس لئے بہت صدمہ پہنچا۔ انہیں ایسا محسوس ہونے لگا جیسے کفر کی بنیادیں ہل گئیں۔ چنانچہ بہت سے کفار جوش و خروش سے حضرت عمرؓ کے گھر پر امڈ آئے۔ شاید اس خیال سے کہ حضرت عمرؓ کو قتل کر دیا جائے۔ لیکن حضرت عمرؓ کسی سے نہ ڈرے اور مانتفاق سے آپ کا ماموں عاص بن وائل وہاں آنکلا جو کہ کافی اثر و رسوخ کا مالک تھا۔ اس نے کہا۔ یہ کیا ہنگامہ برپا ہے؟ لوگوں نے کہا۔ عمرؓ اپنے آبائی دین سے نکل گئے۔ عاص بن وائل نے لوگوں کو ڈانٹ کر کہا۔ "عمر کو میں پناہ دیتا ہوں۔ تم میں سے کس کی مجال ہے کہ اس پر ہاتھ اٹھائے" چنانچہ کفار واپس لوٹ گئے۔

حضرت عمرؓ ایک بہادر اور شجاع انسان تھے وہ اسلام لا کر بھی کفار سے ڈرتے نہیں تھے۔ بلکہ صرف حالات کا جائزہ لے رہے تھے کہ ان کے اسلام لانے سے کفار پر کیا گزرتی ہے۔ ورنہ ڈر والی بات ہوتی تو آپ

اعلانیہ طور پر مسلمان نہ ہوتے ۔ بلکہ دوسرے لوگوں کی طرح چھپکے چھپکے مسلمان جاتے۔ آپ اٹھے اور کفار مکہ کے ایک بڑے اجتماع میں اعلان کر دیا کہ عمرؓ ہو چکا ہے ۔ آج سے مسلمان اعلانیہ طور پر اپنے مذہبی فرائض سر انجام دیں گے اور خانۂ کعبہ میں نماز ادا کیا کریں گے اگر کسی کو ہمت ہو تو آ کر مسلمانوں کو روک لے ۔ پھر آپ مسلمانوں کے پاس آئے اور انہیں ساتھ لے کر خانہ کعبہ پہنچے اور نماز پڑھی ۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تو قریش سے لڑے یہاں تک کہ کعبہ میں نماز پڑھی اور ان کے ساتھ ہم لوگوں نے بھی پڑھی ۔" یہ پہلا موقع تھا کہ حق و باطل میں اعلانیہ فرق ظاہر ہوا تھا ۔ اس لئے آنحضرت صلعم نے حضرت عمرؓ کو فاروق (حق و باطل میں بڑا امتیاز کرنے والا) کا لقب عطا فرمایا ۔

ہجرت حبشہ

جب کفارِ مکہ نے مسلمانوں پر بہت ہی زیادہ ظلم و ستم شروع کر دیئے تو آنحضرت صلعم نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دیا ۔ حبشہ کا بادشاہ نجاشی عیسائی تھا لیکن نہایت رحمدل اور سمجھ دار انسان تھا ۔ چنانچہ ۵ سنہ نبوی میں دس مردوں اور پانچ عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی ۔ ان میں حضرت عثمانؓ بن عفان اور ان کی زوجہ حضرت رقیہؓ (آنحضرتؐ کی بیٹی) حضرت زبیرؓ بن العوام (جو ابھی بچے تھے) حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت جعفرؓ بن ابو طالب شامل تھے یہ لوگ صرف تین دن حبشہ میں ٹھہر کر مکہ واپس آ گئے ۔ کیونکہ وہاں تنہائی محسوس کرتے تھے ۔ دو سال ۶ سنہ نبوی میں دوبارہ مسلمانوں کا ایک بڑا قافلہ حبشہ گیا ۔ جس میں ۸۳ مرد ۱۸ عورتیں شامل تھیں ۔ کفارِ مکہ نے ان لوگوں کا تعاقب کیا لیکن یہ سب بخیر و عافیت اللہ کے راستے حبشہ پہنچ گئے جو سمندر پار افریقہ کا علاقہ تھا نجاشی شاہ حبشہ

ان مسلمانوں کو امان دی اور وہ آرام سے دن گذارنے لگے ادھر قریش مکہ کو غم کھائے جاتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایک وفد جس کے سردار عمرو بن عاص تھے حبشہ روانہ کیا اور بیش بہا تحفے بھی شاہ حبشہ کیلئے ساتھ لے گئے تاکہ اسے خوش کر کے یہ کہیں کہ یہاں آئے ہوئے لوگ ہمارے مجرم ہیں۔ اس لئے انہیں حبشہ سے نکال کر واپس بھیج دیا جائے۔ کفار مکہ کا وفد جب وہاں پہنچا تو انہوں نے حبشہ کے کچھ لوگ بھی اپنے ہم خیال کر لئے اور دربار شاہی میں حاضر ہو کر کہا کہ یہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے ہمارے مجرم ہیں۔ لہٰذا انہیں ہمیں واپس کر دیا جائے۔ نجاشی شاہ نے مسلمانوں کو بھی وہیں بلا لیا اور پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ مسلمانوں میں سے حضرت جعفر رضؓ (حضرت علیؓ کے بھائی) نے شاہ حبشہ کے سامنے یہ تقریر کی۔

"اے بادشاہ! ہم لوگ جاہل قوم تھے۔ بت پرستی ہمارا مذہب تھا۔ مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے۔ اس اثنا میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم سب پہلے سے واقف تھے۔ اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور سکھایا کہ ہم بت پرستی چھوڑ دیں۔ سچ بولیں اور خونریزی سے باز آ جائیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں۔ ہمسایوں کو آرام دیں، پاکیزہ عورتوں پر بدنامی کا دھبہ نہ لگائیں، نمازیں پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں۔ ہم اس پر ایمان لائے شرک اور بت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمال بد سے باز آ گئے۔ اس جرم پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ ہم پھر گمراہی کی طرف لوٹ جائیں۔"

پھر نجاشی نے کہا جو کلام الٰہی تمہارے نبیؐ پر نازل ہوا ہے۔ اس میں سے تھوڑا سا پڑھ کر سناؤ۔ حضرت جعفر رضؓ نے سورۂ مریم کی کچھ آیات سنائیں۔ نجاشی سمجھ گیا کہ یہ کلام الٰہی ہی ہے۔ چنانچہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور بولا "خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے نور ہیں۔" پھر کفار مکہ سے کہا کہ تم چلے جاؤ، یہ لوگ

مظلوم ہیں۔ میں ہرگز ان کو واپس نہیں کر سکتا۔ بہر حال دوسرے دن پھر قریش مکہ دربار شاہی میں حاضر ہوئے اور ایک نئی چال چلی۔ انہوں نے بادشاہ کو کہا اے بادشاہ ان مسلمانوں سے پوچھو کہ یہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہیں۔ کفار کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ (اللہ کا بیٹا) نہیں مانتے اس لئے نجاشی عیسائی ہونیکی حیثیت سے ان سے ناراض ہو جائیگا۔ چنانچہ نجاشی نے پھر مسلمانوں کو بلا کر پوچھا تو حضرت جعفرؓ نے جواب دیا کہ ہمارے نبیؐ نے بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کا بندہ، اس کا پیغمبر اور کلمتہ اللہ ہیں۔ نجاشی نے کہا "خدا کی قسم اس بیان میں اور حضرت عیسےؑ میں ایک تنکے کے برابر فرق نہیں ہے۔" چنانچہ کفار ناکام واپس لوٹے۔

اس کے بعد تھوڑے تھوڑے مسلمان مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرتے رہے حتیٰ کہ وہاں قریب قریب ایک سو مسلمان جمع ہو گئے۔ مکہ سے ایک غلط خبر حبشہ پہنچی کہ کفار مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اس پر بہت سے مسلمان حبشہ سے مکہ کی طرف لوٹنے لگے۔ لیکن جب مکہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ خبر غلط ہے۔ اس لئے چند لوگ تو چھپ چھپ کر مکہ آ گئے باقی واپس چلے گئے۔

سخت مصائب قریش مکہ نے جب اپنی پہلی تدابیر سے کام بنتا نہ دیکھا تو کچھ اور سوچنے لگے انہوں نے بنی ہاشم اور مسلمانوں سے بالکل قطع تعلقی کر لی۔ ان سے خرید و فروخت بند کر دی، رشتہ ناطہ ختم کر دیا۔ اور ہر طرح سے ان کے ساتھ عداوت کرنے لگے۔ مسلمان اور بنی ہاشم مجبور ہو کر پہاڑ کے ایک درہ میں چلے گئے۔ جس کا نام شعب ابو طالب تھا۔ کم و بیش دو سال تک یہ مصائب سہتے رہے۔ کھانا نہ ملنے پر بعض اوقات پتوں پر گزارا کرنا پڑتا۔ اس کے بعد چند امرا مکہ کو ان لوگوں پر رحم آیا۔ اور واپس مکہ بلا لیا۔

وفات ابوطالب و حضرت خدیجہؓ

اسی دوران (سنہ نبوی) میں آنحضرتؐ کے چچا ابوطالب وفات پاگئے اور چند ہی روز بعد حضرت خدیجہ کبریٰ رضؓ کا بھی انتقال ہوگیا۔ آپؐ کو ان دونوں حادثوں کا بڑا رنج ہوا۔ ابوطالب کی وفات کے بعد قریش مکہ کے حوصلے اور بڑھ گئے اور آنحضرت کو پہلے سے زیادہ تنگ کرنے لگے۔

طائف کا سفر

آنحضرت صلعم نے غور و فکر کے بعد طائف چلے جانے کا ارادہ کیا تاکہ وہاں کے لوگوں کے ساتھ مل کر اسلام پھیلایا جائے۔ چنانچہ آپؐ زیدؓ بن حارثہ کو ساتھ لے کر طائف پہنچے اور رؤسا کے سامنے اسلام پیش کیا لیکن وہاں کے امراء نے آپؐ سے بری طرح سلوک کیا اور شہر کے بازاری لوگوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا تاکہ آپؐ کی ہنسی اڑائیں اور گالیاں دیں۔ ان بدبخت لوگوں نے آنحضور صلعم پر پتھر مارے اور جسم مبارک کو زخمی کر دیا خون بہہ بہہ کر آپؐ کی جوتیوں میں آگیا۔ آنحضور صلعم نے ایک باغ میں پناہ لی باغ کا مالک عتبہ بن ربیعہ باوجود کافر ہونے کے شریف النفس انسان تھا چنانچہ اس نے آپؐ کو عمدہ انگور کھانے کے لئے بھیجے۔ چند روز قیام کے بعد آپؐ واپس غار حرا میں آئے اور وہاں سے ایک شخص مطعم بن عدی کی حمایت میں واپس مکہ تشریف لے آئے اور پھر حج کے دنوں مختلف قبائل میں اسلام پیش کیا کرتے۔

اسی زمانے میں جب کہ نبوت کا گیارھواں سال تھا۔ آنحضرت صلعم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلا کر آسمانوں کی سیر کرائی۔ جنت اور دوزخ دکھلائے اور آپ کو نعمتوں سے سرفراز کیا۔ اس واقعہ کو "معراج النبی" کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں پر دن میں پانچ وقتوں کی نماز فرض کر دی گئی۔

یثرب اور دوسرے شہروں میں اسلام

سفر طائف کے بعد

نبی کریم صلعم نے عرب کے مختلف میلوں وغیرہ میں جا جا کر قبائل میں اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ یثرب (مدینہ) میں دو قبائل اوس اور خزرج میں سخت ناچاقی تھی اوس کے لوگ چونکہ کم تھے۔ اس لئے وہ قریش کی مدد کے خواہاں ہوئے۔ چنانچہ قبیلہ اوس کے چند آدمی مکہ پہنچے اور آنحضرت صلعم سے ملے۔ نبی کریمؐ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا ان میں صرف ایک شخص ایاس بن معاذ نے اسلام قبول کیا اور کچھ عرصہ بعد حج کے دنوں میں پھر یثرب سے جو لوگ مکہ آئے ان میں سے چھ اور اشخاص اسلام لائے۔ ان میں سے حضرت اسعد بن زرارہؓ خاص قابل ذکر ہیں ان نئے مسلمانوں کی وجہ سے یثرب میں بھی اسلام پھیلنے لگا اور وہاں کی فضا اسلام کے حق میں بہتر ہونے لگی۔

بیعت عقبہ اولیٰ

اگلے سال (۱۲ نبوی) یثرب سے حج کے لئے بارہ آدمی مکہ آئے۔ اور آنحضرت صلعم کے ہاتھ پر مقام عقبہ میں بیعت (پکا وعدہ) کی کہ وہ اسلام کی خاطر زندگی گذاریں گے۔ ان لوگوں کی واپسی پر یثرب کے چند امراء نے اسلام قبول کیا۔ جن میں حضرت مصعبؓ حضرت اسیدؓ بن حضیر اور حضرت سعدؓ بن معاذ تھے۔ ان لوگوں کی وجہ سے یثرب میں اسلام خوب پھیلنے لگا۔

بیعت عقبہ ثانیہ

دوسرے سال حج کے موقعہ پر یثرب سے کچھ اور لوگ مکہ آئے اور بعض نے عقبہ کے مقام پر رات کے وقت آنحضرتؐ کے سامنے بیعت کی۔ ان لوگوں نے آپؐ کو یثرب چلے جانے کا مشورہ بھی دیا۔ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ بھی جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ پہنچ گئے اور آپؐ کو کہا کہ سوچ سمجھ کر یثرب جانے کا فیصلہ کریں۔ آنحضرت صلعم نے ان مسلمانوں سے عہد لیا کہ یثرب میں سے اگر کوئی آپؐ

حملہ کرے تو وہ لوگ آپؐ کی مدافعت کریں گے سب نے آپؐ کی ہدایات پر عمل کرنے اور اسلام کی خاطر لڑنے کا عہد کیا قریش مکہ میں آپؐ کے یثرب جانے کے ارادہ کا تھوڑا سا چرچا ہوا لیکن سوائے ان مسلمانوں کے دوسرے کسی شخص کو اس واقعہ کا صحیح علم نہ تھا۔ اس لئے معاملہ دبا رہا۔ اس کے بعد جو لوگ مسلمان ہوتے، یثرب چلے جاتے۔ اس کے ساتھ ہی آپؐ نے اہل یثرب کے مسلمانوں کے ہر خاندان کا ایک سردار مقرر کر کے کل بارہ سردار بنا دیئے جو اپنے اپنے خاندان کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے۔

ارادۂ قتل اہل مکہ کو یثرب کے مسلمانوں کے روز افزوں اضافے اور ترقی سے خدشہ ہوا۔ چنانچہ وہ طرح طرح کی تدابیر سوچنے لگے فیصلہ ہوا کہ آنحضرتؐ پر تمام قبائل میں سے ایک ایک نوجوان مل کر اکٹھے حملہ کریں اور قتل کر دیں تاکہ قتل کا ذمہ سب قبائل پر عاید ہو۔

ہجرت مدینہ

آنحضرت صلعم کو اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے ارادہ کی خبر کر دی اور حکم دیا کہ مکہ چھوڑ کر یثرب چلے جائیں۔ آپؐ کے دوست حضرت ابوبکر صدیقؓ آپؐ کے ساتھ ہجرت کرنے پر رضامند ہو گئے چنانچہ آپ دونوں ایک راہنما شخص کو ساتھ لیکر اسی رات مکہ سے چل پڑے جس رات کفار نے قتل کا ارادہ کیا ہوا تھا لیکن جانے سے پیشتر آپؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے گھر سلا دیا کہ وہ بعد میں لوگوں کی امانتیں لوٹا کر یثرب آ جائیں مکہ کے باہر تین میل کے فاصلے پر آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ پہاڑ کی ایک غار میں جس کا نام ثور تھا چھپ گئے۔

رات بھر کفار مکہ آنحضرتؐ کے گھر کے گرد گھومتے رہے کہ صبح کو آپؐ نکلیں تو حملہ کریں لیکن جب صبح کو انہیں ناکامی ہوئی تو فوراً آپؐ کی تلاش شروع ہو گئی۔ آنحضرتؐ کے سراغ کا انعام مقرر کر دیا گیا لیکن کچھ پتہ نہ لگا۔ آپؐ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تین دن تک غار ثور میں رہے۔ عبداللہ بن ابوبکر (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) دن بھر کی خبریں غار میں جا کر بتایا کرتے۔ حضرت اسماءؓ بنت ابوبکرؓ رات کو کھانا پہنچاتیں۔ حضرت ابوبکرؓ کا چرواہا عامر بن فہیرہ بکریاں ادھر لے جا کر دودھ دے آتا۔ تین دن کے بعد آپ راہبر کے ذریعے عام راستہ چھوڑ کر ایک دوسرے راستے سے یثرب روانہ ہوئے اور ۸ ربیع الاول ۱ نبوی مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء کو یثرب سے تین میل کے فاصلے پر مقام قبا میں اترے۔ حضرت عمرو بن عوف کو مہمان نوازی کا شرف حاصل ہوا۔ آنحضرتؐ کی عمر اس وقت ۵۳ سال کی تھی۔ تین دن بعد حضرت علیؓ بھی مکہ سے مدینہ پہنچ گئے۔

مقام قبا میں آپؐ نے پہلا کام ایک مسجد کی تعمیر شروع کی۔ نبی کریمؐ نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے اس مسجد کی بنیاد رکھی اور دوسرے لوگوں کے ساتھ پتھر اٹھا اٹھا کر کام کرتے۔ یہ مسجد اب مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے۔

صحیح بخاری کے مطابق آنحضرتؐ قبا میں چودہ دن ٹھہرے۔ بعض مورخین نے چار دن لکھا ہے لیکن چودہ دن زیادہ معتبر ہے۔ اس کے بعد آپؐ یثرب کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں بنی سالم کے محلہ میں جمعہ کا وقت ہو گیا۔ آپؐ نے خطبہ دیا اور نماز جمعہ ادا کی۔ یہ سب سے پہلا خطبہ نماز اور سب سے پہلی نماز جمعہ تھی۔

یثرب میں آنحضرت صلعم کا بڑے شوق سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ جس جس قبیلہ سے آپ گذرتے۔ لوگ قیام کی درخواست کرتے لیکن آپ دعائے خیر

دیتے ہوئے آگے نکل جاتے۔ یثرب میں داخل ہوئے لوگوں کے ہجوم راستہ کے دونوں طرف کھڑے تھے۔ عورتیں بھی جوش استقبال میں گھروں کی چھتوں پر آ گئیں اور استقبالیہ شعر گانے لگیں۔ ہر شخص مہمان نوازی کا خواہاں تھا۔ لیکن قرعہ اندازی سے حضرت ابوایوبؓ انصاری کو میزبان ہونے کا شرف حاصل ہوا آنحضرتؐ کی اونٹنی بھی خود بخود حضرت ابوایوبؓ کے گھر کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

نبی کریم صلعم کی یثرب میں تشریف آوری سے اس شہر کا نام بدل کر "مدینۃ النبی" کر دیا گیا۔ بعد میں مدینہ منورہ یا صرف مدینہ کہلایا جانے لگا۔ ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں نے اپنے سن کا حساب ہجری کے نام سے شروع کر لیا۔ اس سے پہلے وہاں عام الفیل کے نام سے تاریخ سمجھی جاتی تھی۔

اہمیت ہجرت دعوت اسلام اور تبلیغ دین کے لئے یہ نہایت ضروری تھا کہ مسلمانوں کو کوئی ایسا خطۂ زمین مل جائے جہاں وہ آزادی کے ساتھ دین کی پیروی کر سکیں اور اشاعت مذہب کے لئے کچھ سہولتیں میسر ہو جائیں۔ ہجرت مدینہ سے مسلمانوں کو اپنی ایک سیاسی ریاست بنانے کا موقع مل گیا۔ جہاں انہیں مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی اور یہ طے ہو گیا کہ مسلمان بلا تمیز نسل و خون ایک الگ قوم ہیں۔

ہجرت سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ دین اسلام کو ہر دنیاوی تعلق پر فوقیت حاصل ہے۔ مذہب کے راستے میں اگر رشتہ دار بھی حائل ہوں تو انہیں چھوڑا جا سکتا ہے وطنیت اور قومیت کے درمیان جو فرق ہے۔ وہ مکمل طور پر واضح ہو گیا اور یہ ثابت کر دیا گیا کہ مذہب و ملت کی خاطر ہر بڑی سے بڑی قربانی کی جا سکتی ہے۔

یہ بات بھی ہجرت کے بعد بڑی اچھی طرح ثابت ہو گئی کہ اسلام کا منشاء

انفرادیت کی بجائے اجتماعیت قائم کرنا ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں میں اجتماعی مفاد بہر حال بالاتر سمجھا جائیگا کیونکہ دنیا و آخرت کی کامیابی درحقیقت اسی بات میں مضمر ہے ہجرت کے بعد مدینہ میں اجتماعی اصولوں پر ایک اسلامی معاشرہ قائم ہوگیا۔ جو ہر مسلمان کی ضروریات اور مفاد کا ذمہ دار ہونے کی وجہ سے غیر مسلموں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کا موجب بنا۔

ہجرت نے ابتدائی مسلمانوں کے ایمان پرکھنے میں کسوٹی کا بھی کام دیا اور جو لوگ اس امتحان میں پورے اترے۔ ان کے لئے ایمان کو اور زیادہ مستحکم کرنے کا باعث بنی۔ یعنی ہجرت سے ایمان اور کفر کے درمیان فرق واضح ہوگیا۔

مدینہ میں مختلف جماعتیں

مدینہ میں ہجرت کے وقت تین قسم کے لوگ موجود تھے۔

۱۔ مہاجرین:۔ یہ لوگ مسلمان ہو کر مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں ئے تھے۔

۲۔ انصار:۔ یہ مدینہ کے رہنے والے تھے اور اسلام لا چکے تھے لوگ قبیلہ اوس اور خزرج میں منقسم تھے۔

۳۔ یہود:۔ یہ لوگ حضرت موسیٰؑ کے پیرو تھے۔ تجارت میں پیش پیش ہونے کی وجہ سے بہت مالدار تھے۔ مسلمانوں کی ترقی کی وجہ سے ان سے عداوت رکھتے تھے۔

مسجد نبوی کی تعمیر

سرورِ کائنات حضرت محمد صلعم سات ماہ تک حضرت ابوایوبؓ انصاری کے ہاں مہمان رہے۔ اس دوران میں آپ نے ایک مسجد بنوائی جو مسجد نبوی کے

ے مشہور ہے۔ مسجد سے بالکل متصل ازواج مطہرات کے لئے حجرے تعمیر
ِرائے۔ مسجد کی زمین وہی تھی۔ جہاں آنحضرتؐ کی اونٹنی آکر ٹھہری تھی۔ یہ
مین دو بچوں کی ملکیت تھی۔ ان سے خرید لی گئی۔ قیمت حضرت ابوایوبؓ
نے ادا کی۔

مسجد نبوی کے ایک طرف کونے میں ایک چبوترہ بنایا گیا جو سائبان کی
کل کا تھا اور صفہ رؓ (صفہ = سائبان) کہلاتا تھا۔ اس چبوترے پر چند غیر شادی
دہ اور بے گھر لوگ رہتے تھے۔ جنہوں نے اپنی زندگی اسلامی تربیت کے
ئے وقف کر رکھی تھی۔ یہ لوگ اصحاب صفہ کہلاتے تھے حضرت ابوہریرہؓ مشہور
ی بھی انہی لوگوں میں سے تھے۔ اصحاب صفہ غریب لوگ تھے۔ جنگل کی
ڑیاں لاکر بیچتے اور کھانا کھاتے یا دوسرے مسلمان ان کی مدد کرتے۔

شروع شروع میں مسجد نبوی میں لوگ نماز کے وقت خود بخود جمع ہو جایا
رتے تھے۔ لیکن وقت پر بغیر منادی کے سب کا پہنچ جانا مشکل ہوتا۔ اس
ئے آنحضرتؐ نے نماز کے وقت کی پابندی کے لئے مشورہ کیا۔ بہت سی
اویز میں سے حضرت عمرؓ کی تجویز منظور ہو گئی کہ لوگوں کو اونچی آواز کے ساتھ
سجد سے پکارا جائے۔ حضرت بلالؓ کی آواز بہت بلند تھی۔ اس لئے وہ اذان
ینے کی سعادت سے سرفراز کئے گئے۔ اس طرح اذان کی ابتدا ہوئی۔

واخات

مدینہ میں مہاجرین چونکہ بے سروسامان تھے اور نئے لوگوں سے
واسطہ تھا اس لئے آنحضرت صلعم نے ایک ایک مہاجر کو
ب ایک انصار کا بھائی بنا دیا۔ چنانچہ انصار نے ان نئے بھائیوں کے ساتھ
یقی بھائیوں کا سا سلوک کیا۔ انہوں نے ہر قسم کا مال آدھا آدھا تقسیم کر دیا بعض
نصار نے تو اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو اپنے مہاجر بھائی کو دے دینے کی

خواہش ظاہر کی۔ اس بھائی چارے کو مواخات کہتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود
مہاجرین نے بڑے حوصلے اور خود داری سے کام لیا۔ انہوں نے انصار بھائیوں
کی دوستی اور مدد سے خود محنت مزدوری اور جانفشانی سے کام کرنا شروع کر دیا
تھوڑے ہی عرصہ بعد مہاجرین بھی خوش حال ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن
عوف، حضرت عثمانؓ، حضرت ابوبکرؓ، اور حضرت ابوبکرؓ، اور حضرت عمرؓ کی
تجارت بہت بڑی پھولی۔

معاہدۂ مدینہ مدینہ کے یہودی بڑے دولت مند تھے۔ انہوں نے
اپنی حفاظت کے لئے مدینہ کے اطراف میں چھوٹے
چھوٹے مضبوط قلعے بنائے ہوئے تھے گو خود یہودی بڑے بزدل اور کم ہمت
تھے لیکن دوسروں کو لڑانا اور سازشیں کرنا ان کا فطری رجحان تھا۔ ان کا مقصد
ہمیشہ یہی رہا کہ مدینہ کے انصار آپس میں لڑتے جھگڑتے رہیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ
نے اپنی دوررس اور معاملہ فہم نگاہوں سے مدینہ کے حالات کا جائزہ لیا اور
سیاسی نقطۂ نظر سے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مدینہ کے یہودیوں سے تحفظ امن کی خاطر
ایک معاہدہ لکھوا لیا۔ اس معاہدہ میں کئی شرائط تھیں مثلاً۔

۱۔ یہود اور مسلمان آپس میں دوست رہیں گے۔
۲۔ یہود کو مذہبی آزادی ہو گی۔
۳۔ دشمن سے لڑائی کے وقت دونوں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔
۴۔ قریش مکہ کو کوئی فریق امان نہیں دے گا۔
۵۔ مدینہ پر بیرونی حملہ کی صورت میں دونوں فریق اکٹھے مدافعت کریں گے۔
۶۔ ہر جھگڑے کا فیصلہ آنحضرت صلعم فرمائیں گے جو دونوں فریقوں کو قبول ہوگا۔

اس معاہدہ کا بہت فائدہ ہوا۔ مسلمان بلا تمیز نسل و خون ایک علیحدہ قوم

...ثیت سے رہنے لگے۔ دین اسلام کو ہر دنیاوی تعلق پر ترجیح دی گئی۔ انفرادت
...بجائے اجتماعی مفاد بالاتر سمجھا جانے لگا۔ شہری آزادی سب کے لئے
...سال ہو گئی۔ مسلمان اطمینان سے تبلیغ اسلام کرنے لگے۔ آنحضرت صلعم کو
...م معاملات میں منصف مان لینے سے مدینہ میں امن وسکون زیادہ ہو گیا۔ یہ
...ت کے پہلے سال کے واقعات ہیں۔

...یل قبلہ
مسلمان تقریباً سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے رہے۔ ۲ھ ہجری میں اچانک آیات
...ہونے پر مسلمانوں کا قبلہ (تعظیم) بیت المقدس کی بجائے کعبہ بدل دیا ہے
...دیوں نے اس پر شور مچایا کہ محمدؐ نے ہم سے عداوت کی بنا پر قبلہ بدل دیا ہے
...آنحضرت صلعم کی نبوت پر اعتراض کرنے لگے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آیات نازل
...ر واضح کر دیا کہ تحویل قبلہ سے یہ دیکھنا مقصود ہے کہ اسلام پر پختہ دل کون
...ے اور اس سے پھر جانے والا کون ہے۔ ورنہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر
...لو کوئی نیکی نہیں۔ نیکی تو دراصل یہ ہے کہ انسان اللہ پر، روز قیامت پر فرشتوں
...خدا کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔

غزوۂ بدر

...سباب بدر
ہجرت مدینہ کے وقت سے ہی قریش مکہ مسلمانوں کو ختم
...نے کے لئے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگے تھے۔ انہوں نے مدینہ کے سب سے
...ے سردار عبداللہ بن ابی کو لکھا کہ محمد کو ہمارے حوالے کر دو۔ ورنہ ہم تم سے
...ں گے۔ لیکن مدینے میں مسلمانوں کی اکثریت کی وجہ سے عبداللہ بن ابی بے بس
...قریش مکہ بہ دلیل کو برابر اکساتے رہے اور طرح طرح کی سازشوں پر آمادہ کرتے

رہے۔ ان حالات کی وجہ سے مدینہ کے مسلمانوں کو قریش مکہ سے ہر وقت خدشہ رہنے لگا۔
قریش مکہ کا ذریعہ معاش زیادہ تر شام کی تجارت پر تھا چنانچہ وہ بڑے بڑے قافلے ملک شام بھیجتے رہتے تھے۔ مدینہ کے مسلمان جب کبھی کسی ایسے قافلے کا پتہ پاتے اسے روکنے کی کوشش کرتے کیونکہ دفاعی نقطۂ نظر سے قریش کا مالی اور معاشی حالت میں کمزور رہنا مدینہ کے مسلمانوں کے حق میں اچھا تھا مدینہ پر حملے کے لئے چونکہ کافی سرمایہ کی ضرورت تھی اس لئے مکہ کے ہر مرد اور عورت نے رقم دے کر ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ تیار کیا جو ابوسفیان کی قیادت میں ملکِ شام روانہ ہوا۔

اسی اثنا میں چند مسلمان مدینہ سے مکہ کی طرف بھیجے گئے۔ تاکہ وہاں حالات کا جائزہ لے کر رسول صلعم کو اطلاع دیں۔ عمرو بن حضری جو قریش کا حلیف تھا۔ چند آدمیوں سمیت تجارت کی غرض سے وہاں آنکلا۔ مسلمانوں نے عمرو بن حضری کو مار ڈالا۔ اور دوسرے دو آدمیوں کو پکڑ کر کے مدینہ لے آئے۔ آنحضرتؐ کو یہ پسند نہ آیا۔ قیدیوں کو رہا کر دیا اور حضری کے خون بہا کا حکم دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے آیات نازل فرما کر واضح کر دیا کہ کفار نے بھی تو مسلمانوں پر بہت ظلم ڈھائے ہیں۔ اس لئے اس غلطی کا کوئی حرج نہیں۔ دوسری طرف قریش مکہ اس واقعہ سے بہت برہم ہوئے اور مدینہ پر حملہ کے لئے جوش و خروش سے تیاری کرنے لگے۔ مکہ میں یہ غلط خبر پہنچ گئی کہ مسلمان ابوسفیان والے قافلے کو لوٹنے کے لئے مدینہ سے نکل پڑے ہیں اس سے قریش اور بھی غصہ میں آگئے۔

واقعاتِ بدر

آنحضرت صلعم نے ان حالات کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ اور صحابہ سے مشورہ کیا۔ تمام مہاجرین جان نثار کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ انصار نے بھی اللہ کی راہ میں جان دینے کا عہد کیا۔ چنانچہ آپؐ نے مدینہ میں قائم مقام حاکم مقرر فرما کر ۳۱۳ اشخاص کی فوج لے کر

لی طرف روانگی کی۔ دو اشخاص کو دشمن کی حرکات سے آگاہ کرنے کے لئے آگے
روانہ کر دیا گیا۔ ۱۷ ر رمضان ۲ھ کو اسلامی فوج مقام بدر کے قریب پہنچ گئی۔ اور
یہیں ڈیرے ڈال دیے۔

بدر ایک بستی کا نام ہے۔ جو ایک کھلے میدان میں واقع ہے۔ یہ جگہ مدینہ سے
قریباً اسی میل مکہ کی جانب ہے۔ مکہ سے ملک شام جانے کے لئے بدر سے گذر
جانا پڑتا ہے۔ بدر اس لئے بھی مشہور تھا کہ یہاں ہر سال میلہ لگتا تھا۔ اور چاروں
طرف سے لوگ وہاں جمع ہوتے تھے۔

حضرت حباب بن منذر کی رائے سے آنحضرت صلعم تھوڑا اور آگے بڑھے
اور بدر کے مقام پر پہنچ کر تمام چشموں اور کنوؤں پر قبضہ کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں
کی امداد دی۔ اچانک بادل امڈ آئے اور ان کی طرف خوب بارش ہوئی۔ جس سے ریت
بیٹھ گئی اور چلنا پھرنا کافی آسان ہو گیا۔ مسلمانوں نے بارش کے پانی کو روک کر جا بجا
حوض بنا لئے۔ جن سے وضو اور غسل کا کام لیا جاتا۔

ادھر قریشِ مکہ ایک ہزار سے زائد فوج لے کر بدر کے قریب پہاڑی کے
دوسری طرف پہنچ گئے۔ دشمن آلاتِ حرب سے لدے ہوئے تھے اور سامانِ
رسد بھی بروقت پہنچ رہا تھا۔ پانی پر قبضے کے باوجود آنحضرت صلعم کے حکم سے
دشمنوں کو پانی پینے کی اجازت دے دی گئی۔ رات کا وقت تھا۔ مسلمانوں نے
اطمینان سے رات گذاری۔

صبح ہوتے ہی آنحضور صلعم نے نماز کے بعد جہاد پر تقریر فرمائی جس سے
مسلمانوں کے حوصلے اور زیادہ بلند ہو گئے۔ دونوں طرف صف آرائی کے بعد انہیں
ضروری ہدایات فرمائیں۔ پھر نہایت خشوع کی حالت میں عرض کیا "اے اللہ!
اگر یہ چند اشخاص آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تیرا کوئی نام لیوا نہ ہوگا۔"

اللہ تعالیٰ نے مدد اور فتح کی بشارت دی۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا ؛ اللہ
اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔
دشمن کی فوج اور قریب آگئی۔ جنگ کا آغاز ہوا۔ پہلے ایک ایک کرکے
میں آئے۔ عامر حضرمی اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لینے کیلئے آگے بڑھا۔ حضر
عمرؓ کے غلام نے مقابلہ کیا۔ غلام مارا گیا۔ طیر عتبہ سردار لشکر نکلا اور حضر
حمزہؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔ ولید آیا تو حضرت علیؓ کی تلوار سے کٹ گیا۔ شیبہ
عبیدہؓ کے مقابلہ میں نکلا۔ حضرت عبیدہؓ زخمی ہوئے۔ حضرت علیؓ نے فوراً
بڑھ کر شیبہ کے ٹکڑے کر دیئے۔ حضرت عبیدہؓ کو آنحضرتؐ کے پاس پہنچا
پھر دونوں طرف سے فوجیں بڑھیں اور گھمسان کی لڑائی ہونے لگی مسلمان گو
تعداد میں تھے۔ لیکن اللہ کی نصرت ان کے شامل حال تھی۔ قرآن کے مطابق
انفال) ایک ہزار فرشتے مسلمانوں کی مدد کر رہے تھے اور یہی وجہ تھی کہ
مسلمان اپنے سے دوگنا نظر آ رہے تھے (آل عمران)
تھوڑی دیر بعد لڑائی بند ہو گئی۔ کفار کو منہ کی کھانی پڑی۔ مسلمانوں کو فتح
حاصل ہوئی۔ مسلمانوں میں شہداء کی تعداد چودہ تھی۔ جن میں چھ مہاجر
کے تقریباً سارے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ ابوجہل کا سر قلم کر
آنحضرتؐ کے سامنے پیش کیا گیا۔ تقریباً ستر دشمن مارے گئے۔ اور ا
ہی گرفتار ہوئے۔ آنحضرتؐ نے کفار کی لاشوں کو ایک بند کنویں میں
دیا کیونکہ الگ الگ دفن کرنا مشکل تھا۔
مسلمان مال غنیمت اور قیدیوں سمیت مدینہ روانہ ہوئے۔ قیدیوں
آنحضرتؐ کے چچا حضرت عباسؓ آپ کے داماد ابوالعاص اور حضر
کے بھائی عقیل بن ابی طالب بھی تھے۔ مسلمانوں نے قیدیوں کے سات

عمدہ سلوک کیا۔ انہیں پہلے کھانا کھلاتے۔ پھر خود کھاتے۔ ان کے لئے کپڑے مہیا کیے گئے۔ تمام قیدی صحابہ میں تقسیم کر دیے گئے تھے۔ پھر فیصلہ کے مطابق حسب استطاعت قیدیوں سے فدیہ لیکر رہا کر دیا گیا۔ جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کے سپرد دس بچوں کی پڑھائی بطور فدیہ کی گئی۔ باقیوں کو بلا معاوضہ چھوڑ دیا۔

بدر کے نتائج اور اہمیت

(۱) یہ معرکہ اسلام کی شوکت، ہیبت اور دبدبہ کا سنگِ بنیاد بنا۔ اللہ کے نزدیک بدر کی اہمیت اتنی تھی کہ جن اشخاص نے اس لڑائی میں حصہ لیا تھا وہ قطعی طور پر جنتی قرار دیے گئے اور جن کو صرف زخم لگے اور بچ گئے وہ شہدار کی فہرست میں شامل کیے گئے۔

۲۔ واقعہ بدر اسلام کی ترقی اور قوت کا موجب بنا۔ کفار کے تمام بڑے بڑے اور نامور سردار ختم ہو گئے۔

۳۔ یہ ثابت ہو گیا کہ فتح و کامیابی کے لئے سازوسامان اور فوج کی تعداد ہی ضروری نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں عزم راسخ اور یقین محکم ہی اصل کامیابی ہے۔

۴۔ قریش مکہ کے علاوہ کئی دوسرے قبائل کے لوگ اور ان کے سردار اسلام کی اٹھتی ہوئی طاقت سے سہم گئے۔

۵۔ دوسری طرف یہ بھی ہوا کہ یہودی اور زیادہ حاسد ہو گئے۔ اور ان کی سازشوں اور بدعہدیوں کی وجہ سے ہر وقت خدشہ رہنے لگا۔

حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی شادی

ذی الحجہ ۲ھ میں آنحضرتؐ نے اپنی سب سے چھوٹی بیٹی حضرت

فاطمۃ الزہرا کی شادی حضرت علیؓ سے کر دی۔ حضرت فاطمۃ الزہرا کی
اس وقت اٹھارہ برس کی تھی۔ حضرت علیؓ کے پاس ایک زرہ تھی۔ جس کی قیمت
سوا سو روپے تھی۔ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک پرانی چادر بھی تھی۔ سب
یں حضرت فاطمہؓ کو دے دیں۔

غزوۂ اُحد

قریش مکہ جنگ بدر کے مقتولین کا بدلہ لینے کے لئے بڑے پیمانے
تیاریاں کرنے لگے۔ سال بھر کی تجارت کا منافع جمع کیا گیا۔ گرد و نواح کے
قبیلے اور حلیف سب ساتھ مل گئے۔ شعراء نے اشعار کے ذریعے لوگوں
خوب ابھارا اور جوشِ انتقام کو بھڑکایا۔ بہت سی عورتیں لڑائی میں شریک
ہونے کے لئے تیار ہو گئیں۔ تاکہ اپنے مردوں کے جوش کو مشتعل رکھیں
وہ ثابت قدمی سے لڑتے رہیں۔ جنگ بدر میں حضرت حمزہؓ نے عتبہ کو قتل
کیا تھا۔ عتبہ کی بیٹی ہندہ نے ایک وحشی نامی غلام کو تیار کیا کہ اگر وہ حضرت حمزہؓ
کو قتل کرے۔ تو اسے صلہ میں آزاد کر دیا جائیگا۔

قریش بھاری لشکر لے کر مکہ سے روانہ ہوئے اور مدینہ کے قریب کوہ احد
پر آ اترے۔ آنحضرتؐ کو آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے جو مسلمان ہو چکے
تھے۔ اور تا حال مکہ ہی میں مقیم تھے۔ اطلاع دے دی ہوئی تھی۔ کہ قریش
حملہ کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔ مدینہ کے تمام دفاعی انتظامات مستحکم کئے
گئے اور صحابہ سے مشورہ کے بعد آنحضرتؐ سم ا ہ شوال ۳ھ کو بعد نماز
جمعہ ایک ہزار آدمیوں کا لشکر لے کر مدینہ سے نکل پڑے۔ عبداللہ بن ابی

(سردار منافقین) بھی اپنے ساتھیوں کو واپس مدینہ لے آیا۔ اب مسلمانوں کی تعداد سات سو تھی۔ ان میں سے بھی کچھ بچوں کو واپس کر دیا گیا۔

آنحضرتؐ نے کوہِ احد کے دوسری طرف صف آرائی کی۔ احد کی پہاڑی اسلامی فوج کی پشت پر تھی۔ حضرت مصعبؓ کے ہاتھ میں اسلامی علم تھا۔ پشت کی پہاڑی پر پچاس تیرانداز حضرت عبداللہؓ بن جبیرؓ کی راہنمائی میں متعین کر دیئے اور انہیں حکم دیا کہ فتح کی صورت میں بھی اس جگہ سے بالکل نہ ہلیں۔ دوسری طرف کفار بھی صف آرا ہوئے۔ طلحہ کے ہاتھ میں علم تھا۔ سواروں کا دایاں دستہ خالد بن ولید کی سرکردگی میں تھا اور بایاں دستہ عکرمہ بن ابی جہل کے تحت تھا تیرانداز عبداللہ بن ربیعہ کے نیچے تھے۔

قریش کی عورتیں دف (ڈھول) کے ساتھ ساتھ اشعار پڑھتی ہوئی آگے بڑھیں پھر لڑائی کا آغاز ہوا۔ مسلمانوں نے نہایت بہادری اور شجاعت سے مقابلہ کیا خصوصاً حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابودجانہؓ نے خوب جوہر دکھائے۔ حضرت ابودجانہ کے ہاتھ میں آنحضرت صلعم کی تلوار تھی۔ جدھر چلتی تھی۔ دشمنوں کو صاف کئے جاتی۔ حضرت حمزہؓ دشمنوں کی صفیں چیرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے وحشی نامی غلام تاک میں تھا۔ قریب آتے ہی (حربہ) چھوٹا نیزہ مارا۔ جو حضرت حمزہؓ کے پیٹ کے پار نکل گیا اور وہ شہید ہو گئے۔ کفار پیچھے ہٹتے تھے۔ علم گرتا تھا۔ پھر اٹھا لیتے تھے۔ لیکن حضرت علیؓ اور حضرت ابودجانہؓ کے منہ توڑ حملوں کی تاب نہ لا سکے اور شکست کھا کر رخ پھیر لیا۔

مسلمانوں نے کفار کے مال کو لوٹنا شروع کر دیا۔ پیچھے کی پہاڑی سے تیرانداز مسلمان بھی مال غنیمت کے لالچ میں دوڑے۔ عبداللہ بن جبیرؓ نے

روکا لیکن انہوں نے ایک نہ سنی۔ کفار نے موقع دیکھا۔ اور خالد نے سوارو[ں]
کے ساتھ اسی پہاڑی کے پیچھے کی طرف سے حملہ کر دیا۔ عبداللہؓ بن جبیرؓ اور[ان]
ساتھیوں نے حملہ روکا۔ لیکن سب شہید ہو گئے۔ پیچھے سے اچانک حملہ ک[ی]
صورت میں مسلمانوں میں بدحواسی پھیل گئی اور کئی مسلمان ایک دوسر[ے]
کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ حضرت مصعبؓ کو ایک شخص کافر ابن قمیہ [نے]
شہید کر دیا۔ حضرت مصعب آنحضرتؐ کے ہم شکل تھے۔ اس لئے کفار [نے]
شور مچایا کہ محمدؐ شہید ہو گئے۔ اکثر مسلمانوں نے ہمت ہار دی۔ یہاں تک
کہ حضرت عمرؓ جیسے قوی ہمت ہتھیار پھینک کر بیٹھ گئے۔ حضرت عل[یؓ]
حضرت انسؓ کے چچا ابن نضرؓ اور چند دوسرے جاں نثار برابر لڑتے ر[ہے]
ابن نضر نے اسی سے زیادہ زخم کھا کر شہادت پائی۔

آنحضرت صلعم کو چند جاں نثاروں نے حفاظت میں لیا ہوا تھا۔ حضرت
کعب بن مالک کی نگاہ آنحضرتؐ پر پڑی۔ آپؐ کے چہرہ پر مغفر (آہنی جنگی
ٹوپی) تھی۔ لیکن آنکھیں ننگی تھیں۔ فوراً پہچان لیا اور پکارا "مسلمانو! رسول اللہ
صلعم زندہ ہیں۔" پھر کیا تھا، جب مسلمانوں میں ہمت آ گئی۔ حوصلے بڑھ
گئے، دوبارہ دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ ادھر کفار نے بھی آنحضرت صلعم کی طر[ف]
زیادہ طاقت سے رخ کیا۔ حضرت زیاد بن مسکنؓ اور چند دوسرے صحابہ [نے]
بڑھ کر حملہ روکا۔ لیکن ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ عبداللہ بن قمیہ نے
آنحضرت صلعم پر وار کیا۔ مغفر کے دو حلقے چہرہ مبارک میں چبھ گئے۔ حضر[ت]
ابو عبیدہؓ نے اپنے دانتوں سے حلقے کھینچے چہرہ مبارک سے خون بہنے لگا
ایک کافر کے پتھر سے آپ کے نیچے کے دانتوں میں سے ایک دانت
بھی شہید ہو گیا۔ آنحضرتؐ اپنے جاں نثاروں کے ساتھ پہاڑی پر چڑھ[ے]

گئے۔ دشمنوں نے بڑھنا چاہا لیکن حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ نے پتھر برسائے اور انہیں روک دیا۔

مدینہ میں آنحضور صلعم کی وفات کی غلط خبر پہنچی۔ بہت سے مرد اور عورتیں احد کی طرف دوڑے۔ حضرت فاطمۃ الزہرؓا نے آکر دیکھا تو آپ کے چہرۂ مبارک سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا انہوں نے زخم دھویا اور چٹائی جلا کر اوپر باندھ دی۔ حضرت صفیہؓ (حضرت حمزہؓ کی بہن) آنحضرتؐ سے اجازت لے کر میدانِ جنگ میں گئیں اور اپنے بھائی کے ٹکڑے پڑے ہوئے دیکھے اور دعائے مغفرت مانگی۔

ابوسفیان نے دوسری طرف پہاڑی سے پکارا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ ہم سب زندہ ہیں۔ ابوسفیان نے کہا۔ آج کا دن بدر کے مقتولین کا بدلہ ہے۔ آئندہ سال پھر لڑائی ہوگی۔ آنحضرتؐ کے حکم سے جواب دیا گیا کہ ہمیں منظور ہے۔ پھر کفار نے واپسی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ قریش کی عورتوں نے خوب دل کھول کر مقتولین بدر کا بدلہ لیا۔ شہدار کی لاشوں سے ناک کان کاٹ ڈالے اور ہار بنا کر گلے میں ڈال لئے۔ اس ناک کان کاٹنے کی رسم کو مثلہ کہا جاتا تھا۔ (عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہؓ کی ماں) ہندہ نے حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کیا اور جگر نکال کر دانتوں سے چبایا۔

جنگ احد میں بہت سی مسلمان عورتیں بھی شامل تھیں۔ حضرت عائشہؓ حضرت اُمِّ سلیمؓ (حضرت انسؓ کی ماں) اور حضرت اُمِّ سلیطؓ (حضرت ابوسعید خدریؓ کی ماں) زخمیوں کی دیکھ بھال اور پانی پلانے کا کام کرتی تھیں۔ حضرت اُمِّ عمارہؓ آنحضرتؐ کے مخصوص جاںنثاروں میں شریک تھیں۔ اور آپ پر تیر اور تلوار کے حملے روک رہی تھیں۔ اسی دوران میں انہوں نے کندھے پر ایک

گہرا زخم کھایا۔

اس لڑائی میں ستر مسلمان شہید ہوئے جن میں چار مہاجر تھے۔مقتولین کفار صرف بائیس تھے۔مسلمانوں نے شہدا کو دفن کیا۔اور مدینہ کو روانہ ہوئے راستے میں عورتیں ملتیں۔اپنے اپنے عزیزوں کی شہادت سن سن کر انا للہ پڑھتیں اور واپس لوٹ جاتیں۔حمنہ بنت جحش کو ان کے ماموں حضرت حمزہؓ اور بھائی عبداللہ بن جحش کی شہادت کا علم ہوا تو مغفرت کی دعا کی پھر ان کے شوہر حضرت مصعب کی اطلاع دی گئی تو زور سے چیخ اٹھیں۔آنحضرتؐ نے فرمایا۔کہ عورت کو اپنے شوہر سے بہت زیادہ محبت ہوتی ہے۔ایک اور عورت کو باپ، بھائی اور شوہر کی شہادت کی ایک ایک کر کے خبر ملی۔ہر بار یہی کہتی کہ آنحضرت صلعم کیسے ہیں؟ جواب ملا کہ زندہ ہیں۔بولیں کہ میں خود دیکھنا چاہتی ہوں۔صحابہ نے اشارہ کیا۔خود دیکھا تو اطمینان ہوا اور کہا کہ آپ زندہ ہیں تو کوئی غم نہیں۔

مدینہ پہنچے تو آنحضرتؐ دوسرے دن کچھ مجاہدین کے ہمراہ تقریباً آٹھ میل کے فاصلے پر مقام حمرا الاسد تک گئے تاکہ دشمن پھر حملہ نہ کر دے۔آپ کا اندیشہ صحیح نکلا۔لیکن ابوسفیان نے مسلمانوں کو دیکھ کر ارادہ بدل دیا۔اور مکہ لوٹ گیا۔آنحضرت صلعم واپس ہوئے۔راستے میں عمرو حجمی شاعر مکہ مل گیا جس نے قریش کو لڑائی کے لئے ابھارا تھا۔چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا۔ان لوگوں کی جو باوجود زخموں اور چوٹوں سے نڈھال ہونے کے بعد دشمن کے پیچھے مقام حمرا الاسد تک گئے۔قرآن نے سورۃ آل عمران میں تعریف کی ہے۔

یہود کا مدینہ سے اخراج

یہود بڑی مدت سے مدینہ پر قابض تھے ان کے تین مشہور قبیلے قینقاع، نضیر

اور قریظہ مدینہ اور گردونواح میں آباد تھے۔ مذہبی، معاشی اور سیاسی لحاظ سے یہ لوگ اپنے اوپر۔۔ فخر کرتے تھے۔ ہجرت مدینہ کے بعد آنحضرتؐ نے مدینہ کے حالات کا جائزہ لے کر یہودیوں سے معاہدہ لکھوایا تھا۔ تاکہ مسلمانوں کو ان کی طرف سے شرارتوں اور سازشوں کا خدشہ نہ رہے۔ لیکن اپنے اقتدار کا زوال ہوتے دیکھ کر اندر ہی اندر سازشیں کرنے لگے۔ مسلمانوں سے دشمنی کے وجوہ یہ تھے۔

مذہبی:۔

یہودی اپنے مذہب شریعت موسوی کو سب مذاہب پر فوقیت دیتے تھے لیکن عملی طور پر جھوٹے، حرام مال کھانے والے طرح طرح کے گناہ کرنے والے، سود خور اور لوگوں کا مال خورد برد کرنیوالے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آیات نازل فرما کر (سورۃ نساء - ۲۲) ان کے اخلاق کا راز فاش کر دیا۔ چنانچہ یہودی مسلمانوں سے سخت دشمنی کرنے لگے۔

اقتصادی:۔

ہجرت کے بعد مسلمان مہاجروں نے تجارت میں خوب محنت سے کام کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں بڑے مالدار ہو گئے۔ چنانچہ غریب انصار یہودیوں کے سودی قرضوں سے بچ گئے۔ خود یہودیوں کی تجارت بھی بہت کم ہو گئی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مسلمانوں سے کینہ رکھنے لگے۔

سیاسی:۔

ہجرت سے پہلے یہودیوں کو سیاسی فوقیت حاصل تھی۔ وہ اُوس

اور خزرج کے قبائل کو لڑا لڑا کر اپنا مطلب حل کیا کرتے تھے لیکن
اسلام کی وجہ سے یہ دونوں قبیلے متحد ہو گئے اور یہودیوں کی سیاست
کا خاتمہ ہونے لگا۔ معاہدہ مدینہ کی وجہ سے بھی مدینہ کی سیاست
آنحضرت صلعم کے ہاتھ میں تھی چنانچہ یہودی مسلمانوں سے عداوت رکھنے لگے
ان وجوہ کی بنا پر یہودی ناقابل اعتبار ہو گئے تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلعم
سے کھلے طور پر دشمنی شروع کر دی اور قتل کے منصوبے باندھنے لگے۔ شوال ۲ھ کا واقعہ
ہے کہ ایک دفعہ ایک انصار عورت بنی قینقاع کے بازار میں آئی ایک یہودی نے
اس خاتون کی بے عزتی کی۔ چنانچہ ایک غیرت مند مسلمان نے اس یہودی کو قتل
کر ڈالا۔ یہودیوں نے اس مسلمان کو مار ڈالا۔ اطلاع ہوئی تو آنحضرت صلعم تشریف
لائے اور یہودیوں کو سمجھانے لگے کہ ان حرکتوں سے باز آجاؤ۔ ورنہ تم پر بھی
بدر کی طرح عذاب نازل ہوگا۔ یہودیوں نے کہا کہ ہم بتا دینگے کہ عذاب کس پر نازل ہوگا۔
چونکہ یہودیوں کی طرف سے بد عہدی اور اعلان جنگ تھا۔ اس لئے آنحضرتؐ نے
ان پر حملہ کا حکم دیا۔ یہودی قلعہ میں گھس گئے۔ پندرہ دن تک محاصرہ رہا۔ بالآخر تنگ آکر یہودیوں
نے ہتھیار ڈال دیئے اور کہا کہ ہمیں آنحضرتؐ کا فیصلہ منظور ہے آپ نے سردار منافقین عبداللہ بن اُبیّ
کی درخواست پر بنی قینقاع کے تمام یہودیوں کو جن کی تعداد سات سو تھی۔ جلاوطن کر دیا۔
یہودیوں کا دوسرا قبیلہ بنو نضیر بھی آنحضرتؐ سے دشمنی پر تلا ہوا تھا۔ ایک دفعہ
آنحضرتؐ اسی قبیلہ میں یہودیوں سے ایک خون بہا کی رقم کا حصہ وصول کرنے کیلئے گئے
آپ ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یہودی دوسری طرف آپؐ کے قتل کی
سازشیں کرنے لگے کہ ایک شخص کو مکان کی چھت پر چڑھا کر اوپر سے پتھر گرایا جائے۔ اللہ
تعالیٰ نے آپ کو خبر کر دی چنانچہ آپؐ واپس تشریف لے آئے اور صحابہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی
آنحضرت صلعم نے بنو قریضہ اور بنو نضیر دونوں کو نیا عہد نامہ لکھنے کے لئے کہا بنو نضیر

نے انکار کر دیا لیکن بنو قریظہ رضامند ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے ربیع الاول سکۃ کو بنو نضیر پر چڑھائی کی سردار منافقین عبداللہ بن ابی نے بنو نضیر کو سرکشی پر اکسایا تھا اور مدد کا وعدہ بھی کیا تھا لیکن وقت پر پیچھے ہٹ رہا۔ پندرہ دن تک بنو نضیر قلعہ بند رہے۔ آخر تنگ آکر جان بخشی کی درخواست کی۔ آنحضرتؐ نے انہیں بھی جلاوطنی کا حکم دیا چنانچہ وہ تمام مال و متاع لاد کر خیبر اور شام کی طرف چلے گئے۔ اسی طرح بنو قریظہ کو بھی اپنی سازشوں کی سزا ملی جس کی تفصیل غزوہ احزاب میں آئے گی۔

غزوہ خندق (احزاب)

(ذی قعدہ ۵ھ)

بنی نضیر کے جو یہودی خیبر جا بسے تھے۔ انہوں نے وسیع پیمانے پر سازشیں شروع کر دیں۔ انہوں نے قریش مکہ کو ساتھ ملا لیا۔ پھر قبیلہ غطفان کو بھی شریک کر لیا۔ اور اس طرح چند دوسرے قبائل کو رضامند کر کے ایک بڑے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کو ختم کرنے کی غرض سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ قریش کا سردار ابوسفیان تھا اور قبیلہ غطفان کا سپہ سالار علینیہ بن حصن تھا۔ چونکہ بہت سے گروہوں نے مل کر یہ حملہ کیا تھا اس لئے اسی نسبت سے اس لڑائی کو جنگ احزاب (گروہ جتھے) بھی کہتے ہیں۔

آنحضرتؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا حضرت سلمان فارسیؓ چونکہ ایرانی طریق جنگ سے خوب واقف تھے اس لئے انہوں نے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ تاکہ مورچہ بندی کر کے محفوظ مقام میں حملہ روکا جائے۔ آنحضرتؐ اور صحابہ کو یہ مشورہ پسند آیا۔ اور بڑی تیزی سے خندق کھودنے کا کام شروع ہو گیا۔ سخت جاڑے کا موسم اور تین تین دن کی فاقہ کشی کے باوجود بیس دن کے عرصہ میں تین ہزار مسلمانوں

نے خندق تیار کر لی، یہ خندق مدینہ کے شمال مشرقی جانب بنائی گئی کیونکہ باقی اطراف مکانات اور نخلستان کی وجہ سے بالکل محفوظ تھے۔ خواتین کو محفوظ قلعوں میں بھیجدیا گیا۔ اور کچھ مرد وہاں متعین کر دیے گئے۔

بنی قریظہ کا رئیس کعب بن سعد پہلے تو بنی نضیر سے الگ رہا لیکن زیادہ اصرار سے وہ بھی ان کے ساتھ مل گیا اور مسلمانوں کے ساتھ جو معاہدہ تھا اسے توڑ دیا۔ آنحضرتؐ نے حضرت سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ کو بنی قریظہ کی طرف بھیجا کہ حالات کا جائزہ لیں۔ چنانچہ انہوں نے معلوم کر کے بتایا کہ بنی قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے اور لڑائی کیلئے تیار ہیں۔ آنحضرتؐ کو صدمہ ہوا۔ ادھر مسلمان جاڑے کے دنوں میں تین تین دن سے فاقے میں تھے۔ ادھر دشمنوں نے مدینہ کے تین طرف گھیرا ڈالا تھا۔ مدینہ کے لوگ بہت پریشان تھے۔ مسلمانوں میں منافقین بھی موجود تھے وہ یہ حالات دیکھ کر اپنے گھروں کی حفاظت کا بہانہ کر کے فوج سے واپس جانے لگے۔

ایک ماہ تک سخت محاصرہ رہا۔ کفار اس قدر زیادہ اور اس طرح سامانِ حرب سے لیس ہو کر آ چڑھے تھے کہ مدینہ کی زمین دہل گئی تھی۔ مسلمانوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے۔ منافق طرح طرح کے گمان کرنے لگے اور مسلمانوں کو سخت امتحان میں ڈال دیا گیا (سورۂ احزاب) بہرحال مسلمان پختہ ایمان سے ڈٹے رہے۔ اور اللہ پر پورا بھروسہ رکھا۔

دشمن دوسری طرف سے تیر برساتے اور پتھر پھینکتے رہے لیکن خندق عبور نہ کر سکتے تھے۔ ایک جگہ سے خندق کچھ کم چوڑی تھی۔ اس جگہ سے دشمن نے حملہ کی کوشش شروع کی چنانچہ ان کے کچھ سرداروں نے گھوڑے دوڑائے اور خندق پار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان میں عمرو بن عبدود آگے بڑھا۔ اور مقابلہ کے لیے پکارا۔ حضرت علیؓ نے مقابلہ کیا اور اسے قتل کر دیا گیا

اسی دوران میں پتھر اور تیر برس رہے تھے۔ اور مقابلہ جاری رہا۔
دوسری طرف بنو قریظہ نے موقع دیکھکر اس قلعہ پر حملہ کر دیا جہاں خواتین تھیں۔ ایک یہودی قلعہ کے بڑے دروازے تک پہنچ گیا حضرت صفیہؓ (آنحضرت کی پھوپھی) نے حسان بن ثابتؓ کو جو ایک شاعر تھے۔ مقابلہ کے لئے کہا وہ معذرت کرنے لگے۔ پھر حضرت صفیہؓ نے خود خیمہ کی چوب سے یہودی کے سر پہ وار کیا اور اسے مار ڈالا۔ یہودی کا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دیا گیا۔ یہودیوں نے سمجھا کہ قلعہ میں مرد بھی ہوں گے چنانچہ وہ سہم گئے اور دوبارہ حملہ کرنے سے رک گئے۔

محاصرہ لمبا ہوتا جا رہا تھا اللہ تعالے نے زور کی آندھی بھیجی۔ دشمنوں کے خیمے اکھڑ گئے۔ اور وہ بہت ہراساں ہوئے۔ دوسری طرف نعیم بن مسعود نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور قبیلہ غطفان اور یہودیوں میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ انہوں نے قریش اور یہودیوں میں متضاد قسم کی باتیں پھیلا کر ان میں پھوٹ ڈال دی۔ یہودی قریش سے علیحدہ ہونے لگے۔ ادھر قریش کی رسد ختم ہو چکی تھی۔ چنانچہ ان حالات سے مجبور ہو کر کفار نے محاصرہ اٹھا لیا۔ اور واپس روانہ ہو گئے۔

حضرت سعدؓ بن معاذ جو انصاری تھے۔ سخت زخمی ہو گئے تھے۔ انہیں مسجد نبوی کے قریب ایک خیمے (علاج گاہ) میں رکھا گیا۔ جہاں رفیدہ ایک مسلمان خاتون زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ زخم چونکہ گہرا تھا۔ کچھ عرصہ بیمار رہ کر حضرت سعدؓ بن معاذ فوت ہو گئے۔ اس لڑائی میں کل چھ مسلمان شہید ہوئے۔

یہود کو سزا بنی قریظہ کی بدعہدی کی وجہ سے مسلمانوں کو جنگ احزاب میں بہت زیادہ پریشانی ہوئی تھی۔ قریش کے واپس

لوٹتے ہی آنحضرت نے بنی قریظہ کا رخ کیا۔ یہودیوں نے بجائے ندامت اور معذرت کے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرنا چاہا اور آنحضرت صلعم کو گالیاں بھی دیں۔ مسلمانوں نے تقریباً ایک ماہ تک قلعہ کا محاصرہ کیا۔ آخر تنگ آکر یہودیوں نے درخواست کی کہ محاصرہ اٹھا لیا جائے اور جو فیصلہ حضرت سعد بن معاذ کریں گے ہمیں منظور ہوگا۔ آنحضرت صلعم نے ان کی درخواست منظور فرمائی اور حضرت سعد بن معاذ نے فیصلہ دیا کہ لڑنے والے قتل کیے جائیں، عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا جائے اور ان کا سامان مال غنیمت قرار دے دیا جائے۔ یہ فیصلہ یہودیوں کی اپنی الہامی کتاب تورات کے مطابق تھا۔ چنانچہ چار سو مردوں کو قتل کیا گیا۔ مقتولین میں ایک عورت بھی تھی جس نے ایک مسلمان پہ پتھر گرا کے مار ڈالا تھا۔

پردہ کے احکام سنہ ۵ ہجری میں ہی پردہ کے احکام نازل ہوئے اس وقت تک مسلمان خواتین عام رواج کے مطابق رہتی سہتی تھیں۔ چنانچہ ان احکام سے لازم ہوا کہ ان کی جائے قرار گھر ہے۔ گھر کے اندر بھی احکام کے مطابق حجاب کا لحاظ رکھیں اور اگر اشد ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلیں تو چادر اوڑھ لیں اور گھونگھٹ نکال لیا کریں۔ جس سے پہچانی نہ جا سکیں اور ظاہری زینت بھی چھپ جائے۔ اتنے زور سے نہ چلیں کہ پاؤں کے زیوروں کی جھنکار سے راہ چلتے مرد مخل ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔

صلح حدیبیہ

(ذی قعدہ سنہ ۶ھ)

اسباب و واقعات حضرت ابراہیم کے وقت سے خانہ کعبہ اسلام

کا اصلی مرکز چلا آرہا تھا۔ اس لئے آنحضرتؐ کو کعبہ کی زیارت کا بہت شوق رہتا۔ چنانچہ آپؐ نے چودہ سو مسلمانوں کو ساتھ لے کر مکہ کا رخ لیا۔ چونکہ آپ جنگ کے ارادہ سے روانہ نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے عمرہ (چھوٹا حج) کا احرام باندھ لیا۔ اور قربانی کے اونٹ ساتھ لے لئے ادھر قریش نے سمجھا کہ شاید مسلمان مکہ پر حملہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ انہوں نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ مسلمان مقام حُدیبیہ تک پہنچ گئے۔ حُدیبیہ ایک گاؤں کا نام ہے اور گاؤں کے ایک کنوئیں کو بھی حُدیبیہ کہتے ہیں۔ جو مکہ سے ایک منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔ قریش نے قاصد بھیج کر مسلمانوں کی آمد کا مقصد پوچھا۔ آنحضرت صلعم نے جواب دیا کہ ہم زیارت کعبہ کے لئے آئے ہیں۔ لڑائی کے لئے نہیں آئے۔ لیکن قریش نے کہا کہ ہمیں منظور نہیں۔ آنحضرت نے حضرت عثمانؓ کو قریش کے پاس بھیجا کہ وہ انہیں مسلمانوں کے ارادہ سے آگاہ کریں۔ قریش نے حضرت عثمانؓ کو کہا کہ اگر تم کعبہ کا طواف کرنا چاہو تو کر لو۔ ہم محمدؐ اور مسلمانوں کو ایسا نہیں کرنے دیں گے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ قریش نے حضرت عثمانؓ کو واپس آنحضرت صلعم کے پاس جانے سے روک دیا۔ اور یہ خبر پھیل گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ مسلمان غصہ میں آ گئے۔ آنحضرت صلعم نے مسلمانوں سے ایک درخت کے نیچے بیعت لی کہ وہ حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لیں۔ تمام مسلمانوں نے جانثاری کا عہد کیا۔ اس واقعہ کو **بیعت رضوان** کہتے ہیں۔

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر غلط تھی۔ مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ زندہ ہیں۔ چنانچہ پھر سے صلح کی

کوششیں شروع ہوگئیں۔ قریش نے سہیل بن عمرو کو آنحضرت صلعم کے پاس بھیجا۔ طویل گفتگو کے بعد صلح کی شرائط طے ہوگئیں۔

حضرت علیؓ نے صلح نامے پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا سہیل بن عمرو نے کہا کہ اس کے بجائے عربوں کے قدیم طریقے پر باسمک اللھم لکھا جائے۔ آنحضرت صلعم نے منظور فرمایا۔ دوسرے فقرے میں محمد رسول اللہ کے الفاظ تھے۔ سہیل نے کہا ہم تو آپ کو رسول اللہ نہیں مانتے لہذا اس کی بجائے محمد ابن عبداللہ لکھا جائے۔ حضرت علیؓ نے یہ الفاظ کاٹنے سے انکار کر دیا۔ آنحضرتؐ نے اپنے ہاتھ سے پہلے الفاظ مٹا کر محمد ابن عبداللہ لکھ دیا گو آپ اُمّی (ناخواندہ) تھے آپ نے الفاظ پوچھ کر ایسا کر دیا۔ صلح نامے کی شرائط مندرجہ ذیل تھیں۔

۱۔ مسلمان اس سال واپس لوٹ جائیں۔
۲۔ اگلے سال آئیں اور صرف تین دن مکہ ٹھہریں۔
۳۔ صرف تلوار ساتھ لائیں اور وہ بھی نیام میں ڈھکی ہوئی ہو۔
۴۔ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے رہتے ہوں، ان میں سے کسی کو ساتھ نہ لے جائیں۔ اور اگر کوئی مسلمان مکہ رہنا چاہے تو اسے نہ روکیں۔
۵۔ کفار میں سے اگر کوئی مرد مدینہ جائے تو اسے واپس کر دیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مرد مکہ جائے تو واپس نہیں کیا جائے گا۔
۶۔ مسلمان قبائل عرب میں سے جس سے چاہیں معاہدہ کرلیں۔ اور قریش جن کو چاہیں۔ اپنا حلیف بنالیں۔ دونوں فریقوں کو اس معاملے میں آزادی ہوگی۔

معاہدہ کی پانچویں شرط مسلمانوں کے لئے بہت سخت تھی اور اتفا

یہ ہوا کہ معاہدہ ابھی لکھا ہی گیا تھا کہ سہیل بن عمرو کے بیٹے حضرت ابوجندلؓ جو مسلمان ہو چکے تھے اور مکہ میں کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آکر بھاگ آئے تھے۔ وہاں آنحضرت صلعم کے پاس پہنچ گئے۔ ان کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور زخموں سے نڈھال تھے۔ آنحضرت نے سہیل بن عمرو کو سمجھایا کہ انہیں ہمارے ساتھ مدینہ چلے جانے دو۔ لیکن وہ نہ مانا چونکہ معاہدہ کے مطابق مسلمان مجبور تھے اس لئے آنحضرتؐ نے حضرت ابوجندلؓ کو صبر و ضبط کی نصیحت کی اور واپس کر دیا۔ مسلمان اس منظر سے سخت برہم ہوئے۔ حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے اور آنحضرت سے کہا کہ "کیا آپ نبی برحق ہیں؟" آپ نے جواب دیا "ہاں" حضرت عمرؓ نے پھر پوچھا "پھر ہم دین کے معاملہ میں یہ ذلت کیوں برداشت کریں؟" رسول اللہ صلعم نے فرمایا "میں اللہ کا پیغمبر ہوں - اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ وہ میری مدد ضرور کرے گا۔"

حضرت عمرؓ اپنے گستاخانہ اور بے ادب الفاظ پر بعد میں نہایت نادم ہوئے اور اس کے کفارہ میں تمام عمر استغفار کرتے رہے۔ روزے رکھے، صدقے، خیرات کئے اور غلام آزاد کئے۔ مسلمانوں نے پھر اسی مقام پر سر منڈوائے۔ قربانیاں کیں اور واپس مدینہ لوٹ آئے۔

نتائج جس صلح کو تمام مسلمان اپنی شکست اور توہین سمجھ رہے تھے اللہ تعالٰے نے سورۃ فتح نازل فرما کر پہلی ہی آیت میں فرمایا "ہم نے تجھے کھلی ہوئی فتح عنایت کی۔" مسلمان کو اس سے اطمینان ہو گیا۔

۔ کفار اور مسلمان آپس میں ملتے جلتے نہ تھے لیکن صلح کے بعد

خاندانی تعلقات کی وجہ سے ملنے جلنے لگے۔ ایک دوسرے کے ہاں مہمانوں ٹھہرتے اور دوران گفتگو میں اسلامی تعلیم کا تذکرہ ہوتا رہتا۔ کفار پر مسلمانوں کے حسن اخلاق کا وہ اثر پڑتا کہ ان کے دل نرم ہو جاتے اور اسلام کی قبولیت کی طرف مائل ہو جاتے۔ چنانچہ اسی میل جول اور آمد و رفت بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس زمانہ میں جتنے لوگ مسلمان ہوئے۔ کسی اور وقت میں نہیں ہوئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید جیسے بہادر اور حضرت عمرو بن عاصؓ جیسے فاتح السان اسی زمانے میں مسلمان ہوئے۔ چنانچہ مسلمانوں کو بعد میں معلوم ہوا کہ یہ صلح واقعی ایک عظیم فتح تھی۔ کفار کو اس کے مقابلے میں جو رعایت دی گئی تھی اس کے مقابلہ میں بہت سے لوگ اسلام لائے اور دوسرے ممالک تک تبلیغ اسلام کا راستہ بالکل صاف ہو گیا۔

صلح کے بعد ایک دفعہ مکہ سے ایک مسلمان ابو بصیر کفار کے مظالم سے تنگ آکر مدینہ بھاگ آیا۔ مکہ سے دو کافر مدینہ آئے اور اسے طلب کیا آنحضرت صلعم نے ابو بصیر کو معاہدہ کے مطابق واپس کر دیا۔ راستہ میں ابو بصیر نے ایک کافر کو قتل کر دیا اور دوسرا خوف سے بھاگ گیا۔ مدینہ واپس آکر ابو بصیر نے آنحضرت صلعم سے کہا کہ آپ نے صلح نامے کا پاس رکھا اور بالکل ٹھیک عمل کیا اب جو ہوا ہے اس کا ذمہ دار میں خود ہوں پھر وہ مقام عیص میں جا کر رہنے لگا۔ مکہ سے بھی ستم زدہ مسلمان بھاگ کر ابو بصیر کے پاس پہنچ گئے اور اس طرح وہاں ان کی ایک خاصی جماعت بن گئی یہ دیکھ کر کفار مکہ نے مجبوراً صلح نامے کی پانچویں شرط خود ہی ختم کر دی اور کہا کہ اب سے جو مسلمان مکہ سے مدینہ جائے ہم اسے واپس نہیں لیں گے چنانچہ مسلمانوں کے لئے راستہ صاف ہو گیا۔

ہمعصر بادشاہوں کو تبلیغی فرمان

(۶ھ آخر)

صلح حدیبیہ کے بعد دعوت تبلیغ اسلام کی سرگرمیاں تیز تر ہو گئیں آنحضرت صلعم نے مختلف بادشاہوں کے نام دعوت اسلام کے سلسلے میں خطوط روانہ کئے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

قیصر روم کو دعوت

آنحضرت نے ہرقل قیصر روم کے پاس حضرت دحیہ کلبی کو خط دے کر بھیجا۔ ہرقل نے خط لیا اور کہا کہ کوئی عرب ہو تو پیش کیا جائے۔ اتفاق سے ابوسفیان سردار قریش تجارت کے سلسلے میں وہاں گیا ہوا تھا وہ حاضر ہوا۔ ہرقل نے ابوسفیان سے گفتگو شروع کی۔

قیصر :۔ مدعی نبوت کا خاندان بتاؤ؟

ابوسفیان :۔ شریف خاندان ہے۔

قیصر :۔ اس خاندان میں سے کبھی کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا؟

ابوسفیان :۔ نہیں۔

قیصر :۔ اس خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے۔

ابوسفیان :۔ نہیں۔

قیصر :۔ جو لوگ مسلمان ہوئے ہیں وہ کمزور ہیں یا صاحب اثر؟

ابوسفیان :۔ کمزور لوگ ہیں۔

قیصر :۔ اسلام کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا کمی ہو رہی ہے؟

ابوسفیان :۔ بڑھتے جا رہے ہیں۔

قیصر:- کبھی اس شخص نے جھوٹ بولا ہے؟
ابوسفیان:- نہیں
قیصر:- کبھی اس نے عہد کی خلاف ورزی کی ہے؟
ابوسفیان:- ابھی تک نہیں
قیصر:- کبھی تم لوگ اس سے نبرد آزما ہوئے؟
ابوسفیان:- ہاں۔
قیصر:- جنگ کا نتیجہ کیا رہا؟
ابوسفیان:- کبھی وہ غالب، کبھی ہم غالب
قیصر:- اس کی تعلیم کیا ہے؟
ابوسفیان:- ایک خدا کی عبادت کرو۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ نماز پڑھو، پاک دامن رہو، سچ بولو، صلہ رحم کرو۔

اس گفتگو کے بعد ہرقل نے کہا کہ خط پڑھا جائے۔ خط کے مندرجات یہ تھے
"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔"
محمدؐ کی طرف سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے۔
ہرقل کے نام جو روم کا بادشاہ ہے۔
جو ہدایت پر چلا اس کے لئے سلامتی ہے۔ اس کے بعد میں تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لا تو سلامت رہے گا۔ خدا تجھ کو دگنا اجر دے گا۔ اگر تو نے نہ مانا تو اہل ملک کا گناہ تیرے اوپر ہوگا اے اہل ملک ایک ایسی بات کی طرف آؤ۔ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے۔ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں۔ اور ہم میں سے کوئی کسی اور کو خدا نہ بنائے۔ اور اگر تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم تو یہ عقیدہ رکھتے ہیں

شاہ ایران کو دعوت

خسرو پرویز ایران کا بادشاہ تھا۔ اس کے نام ایک فرمان حضرت عبداللہ بن حذافہ کے ہاتھ روانہ کیا، خط کے مندرجات یہ تھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔
محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ شاہ فارس کے نام۔
جو شخص ہدایت پر چلا اور خدا اور خدا کے رسول پر ایمان لایا۔ اور گواہی دے کہ خدا صرف ایک خدا ہے۔ اور یہ کہ خدا نے مجھ (محمدؐ) کو تمام دنیا کا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تا کہ میں ہر زندہ شخص کو خدا کا خوف دلا ڈں۔ تو اسلام لا تا کہ سلامت رہے ورنہ مجوسیوں کا وبال تیرے اوپر ہوگا۔

خسرو پرویز کو اپنی شان و شوکت پر ناز تھا۔ غرور و تکبر نے عقل پر پردہ ڈالا ہوا تھا۔ اپنی توہین سمجھ کر خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور یمن کے حاکم کو لکھا کہ نبی (صلعم) کو میرے دربار میں حاضر کرو۔ یمن سے دو اشخاص مدینہ آئے۔ آنحضرت صلعم نے ان اشخاص سے کہا کہ کسریٰ سے جا کر کہہ دو کہ اسلام کی حکومت کسریٰ تک پہنچ کر رہے گی۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں بعد خسرو پرویز کے اپنے بیٹے نے اسے قتل کر ڈالا اور اس کی سلطنت کے بھی ٹکڑے ہو گئے۔

نجاشی شاہِ حبشہ کو دعوت

عمروؓ بن امیہ کو نجاشی شاہِ حبشہ کے پاس آنحضرتؐ نے خط دے کر بھیجا۔ نجاشی نے جواب میں لکھا کہ آپ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں۔ نجاشی نے حضرت جعفر طیار رضؓ کے ہاتھ پر جو وہاں موجود تھے، بیعت کی۔ نجاشی نے آنحضرت کی خدمت میں اپنے بیٹے کو

ساٹھ آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا یہ لوگ سمندر کے راستہ آرہے تھے راستے میں کشتی ڈوب گئی اور تمام آدمی سمندر میں ہلاک ہو گئے۔
آنحضرت کے خط کے الفاظ یہ تھے :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم !
محمدؐ الرسول اللہ کی طرف سے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے نام :-
تم محفوظ رہو۔ میں تمہارے سامنے اس خدا کی تعریف کرتا ہوں جو تمام کائنات کا حاکم ہے، پاک ہے، امان وسلامتی دینے والا ہے میں شہادت دیتا ہوں کہ عیسےٰ بن مریم اللہ کی روح اور اس کا کلمہ تھے جسے خدا نے نیک، پاک اور عفیفہ مریم کو عطا کیا۔ اللہ نے عیسیٰؑ کو اپنی روح سے اس طرح پیدا کیا جس طرح آدمؑ کو پیدا کیا تھا۔ میں تم کو اس خدا کی طرف بلاتا ہوں جو صرف ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس پر ایمان لا اور میری پیروی کر اور میری رسالت کو مان کیونکہ میں اللہ کا رسول ہو میں نے اپنے چچا زاد بھائی جعفرؓ کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ تمہارے ہاں بھیجا ہے۔ ان کی تواضع کرنا اور حکومت کے گھمنڈ اور غرور میں نہ آنا۔ میں تم کو اور تمہاری رعایا کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے خلوص کے ساتھ اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ نصیحت قبول کر کیونکہ جو راہ راست پر چلتا ہے اس پر سلامتی ہے۔"

نجاشی نے جب ۹ھ میں وفات پائی تو آنحضرت نے مدینہ میں غائبانہ طور پر اس کی نماز جنازہ ادا کی۔

مقوقس حاکم مصر کو دعوت آنحضرتؐ نے حاکم مصر کے پاس حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو خط

دے کر بھیجا جس میں اُسے دعوت اسلام دی گئی۔ حاکم مصر مقوقس اسلام تو نہ لایا۔ لیکن آپ کے قاصد اور خط کی عزت کی۔ قاصد کے ہمراہ اپنی طرف سے دو عورتیں بھیجیں جن میں ایک ماریہ قبطیہؓ (قبطی مصر کی قوم ہے) بھی تھیں۔ ایک خچر اور کچھ کپڑے تحفتہً بھیجے۔ یہ دونوں خواتین آنحضرتؐ کے پاس پہنچنے سے پہلے اسلام لاچکی تھیں۔ آنحضرتؐ نے حضرت ماریہ قبطیہ سے نکاح کر لیا۔

حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت عمروؓ بن العاص کا اسلام

اسی دوران میں ۸ھ میں حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت عمروؓ بن عاص اکٹھے اسلام لائے ان حضرات کے مسلمان ہونے سے اسلام کو بہت مدد ملی۔ دونوں اعلیٰ درجہ کے فاتح اور بہادر سپہ سالار تھے۔ فتح و کامرانی ان کی قسمت میں لکھی تھی۔

غزوۂ خیبر

(۷ھ شروع)

بنو نضیر اور بنو قریظہ کے یہودی مدینہ سے جلاوطن ہو کر خیبر میں جا بسے تھے۔ خیبر ایک مقام ہے جو مدینہ سے دو سو میل شمال کی طرف واقع ہے۔ یہودیوں نے وہاں بڑے مضبوط قلعے بنا رکھے تھے اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں سوچتے رہتے تھے بنی غطفان اور مدینہ کے منافقین کے بل بوتے پر وہ سرکش ہوتے جا رہے تھے۔ صلح حدیبیہ کی وجہ سے مسلمانوں کو کفار مکہ سے تو اطمینان ہو گیا تھا۔ لیکن خیبر کے یہودیوں سے ہر وقت خطرہ رہنے لگا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے،

محرم ۷ھ میں ڈیڑھ ہزار اسلامی فوج کے ساتھ خیبر پہ چڑھائی کی۔ مسلمانوں نے ایک ایک کرکے تمام قلعے فتح کر لئے۔ سب سے مضبوط قلعہ قموص بیس دن کے محاصرے کے بعد حضرت علیؓ نے فتح کیا۔ یہود کی درخواست پر آنحضرت نے ان سے معاہدہ کر لیا کہ یہودی اپنی پیداوار سالانہ کا نصف حصہ مسلمانوں کو ادا کیا کریں۔ اور مسلمانوں کو حق حاصل ہوگا جب چاہیں یہود کو خیبر سے نکال دیں۔ خیبر کی جنگ میں ۹۳ یہودی مارے گئے اور پندرہ مسلمان شہید ہو گئے۔

جنگ مُوتَہ

(جمادی الاولیٰ ۸ھ)

عرب اور شام کی سرحد پہ ایک عیسائی حکمران شرجیل بن عمرو غسانی تھا۔ اس کے نام آنحضرتؐ نے دعوتِ اسلام کے سلسلے میں ایک خط بھیجا۔ شرجیل نے آپ کے قاصد حارث بن عمیر کو قتل کر دیا۔ اور خط پھاڑ ڈالا۔ آنحضرت صلعم نے حارثؓ کے قصاص کے لئے تین ہزار مسلمانوں کی فوج تیار کی اور زیدؓ بن حارث کی سرکردگی میں مدینہ سے روانہ کر دی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر زیدؓ بن حارثؓ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب سپہ سالار بنیں۔ اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ سردار بنیں۔ شرجیل ایک لاکھ آدمیوں کی فوج لے کر مقابلہ کے لئے نکلا۔ قیصر روم ہرقل بھی تقریباً ایک لاکھ کی فوج کے ساتھ شام کی سرحد پر بلقاء کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ غسانی کو ہرقل سے بھی کافی مدد مل گئی۔ مسلمان ملک شام میں موتہ کے مقام پہ فروکش ہوئے۔ دونوں طرف سے فوجیں بڑھیں اور مقابلہ ہوا۔ حضرت زیدؓ شہید ہو گئے حضرت جعفرؓ نے علم سنبھالا اور

ڈٹ کر لڑنے لگے۔ تقریباً ایک سو زخم سامنے کے حصہ پہ کھا کر وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر عبداللہ بن رواحہ نے قیادت سنبھالی اور بے جگری سے لڑتے ہوئے وہ بھی شہید ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید سردار بنے اور نہایت دلیری سے لڑنے لگے۔ لڑتے لڑتے آٹھ تلواریں توڑ دیں، حضرت خالدؓ جنگی مہارت سے خوب واقف تھے۔ ادھر مسلمان دشمن کے مقابلہ میں بہت تھوڑے تھے۔ دشمن ایک لاکھ کی تعداد میں تھا۔ اور مسلمان صرف تین ہزار یہاں یہ بھی بہت کامیابی تھی کہ مسلمانوں کو دشمن کی زد سے بچا لیا جائے بہرحال حضرت خالدؓ نے اس جنگ میں اپنے پورے کمالاتِ فن دکھائے اور تھوڑے سے مسلمانوں کو اس طرح ترتیب دے کر لڑایا کہ دشمن نے یہ سمجھا کہ شاید مسلمانوں کو مزید کمک پہنچ گئی ہے۔ جو اس دلیری اور جانفشانی سے لڑ رہے ہیں۔ مسلمانوں نے دشمن کے ایک دستہ پہ فتح بھی پائی جس سے کچھ مال غنیمت بھی ملا اور باقی دشمن فوجوں کو حسن تدبیر سے پیچھے ہٹا کر خود مسلمانوں کو بچا کر واپس مدینہ لوٹ آئے۔ صحیح بخاری غزوۂ موتہ میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے وحی کے ذریعے فرمایا۔ "پھر اللہ کی ایک تلوار یعنی خالد بن ولید سیف اللہ نے مسلمانوں کے علم کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دشمن پہ غلبہ دیا۔" چنانچہ اس موقعہ پہ آنحضور صلعم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو "سیف اللہ" (اللہ کی تلوار) کا لقب دیا۔

اس جنگ میں حضرت جعفرؓ کی شہادت کا آنحضور صلعم کو بہت صدمہ ہوا۔

فتح مکہ

(رمضان ۸ھ ہجری)

صلح حدیبیہ کی وجہ سے بنو خزاعہ آنحضرت کے حلیف (ہم عہد) ہو گئے

تھے اور بنو بکر قریش مکہ کے حلیف بن گئے۔ ان دونوں قبائل میں قدیم باہمی تنازعہ چلا آتا تھا۔ چنانچہ بنو بکر نے قریش کے بل بوتے پر خزاعہ سے لڑائی شروع کر دی۔ خزاعہ نے شکست کھائی اور حرم کعبہ میں پناہ گزین ہوئے بنو بکر نے موقع دیکھا اور خزاعہ کے پناہ گزینوں کو حرم میں ہی قتل کر ڈالا حالانکہ حدود حرم میں خون ریزی حرام تھی۔

خزاعہ کا ایک شخص عمرو بن سالم کچھ آدمیوں سمیت آنحضرتؐ کے پاس آیا اور فریاد کی کہ ان کے ساتھ ظلم وستم ہوا ہے۔ آپ نے ماجرا سنا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔ خفیہ طور پر تیاری شروع ہو گئی۔ ادھر قریش اپنی غلطی محسوس کر رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ابو سفیان کو مدینے بھیجا کہ معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کر لی جائے لیکن آنحضرت نے قبول نہ فرمایا۔

مناسب تیاری کے بعد ۱۰ رمضان ۸ھ دیکم جنوری ۶۳۰ء کو آنحضرت دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور مکہ کے قریب ایک مقام مرالظہران پر قیام کیا۔ رات کو جب مسلمانوں نے آگ روشن کی تو کفار مکہ ہر طرف آگ جلتی دیکھکر سہم گئے۔

آنحضرتؐ کے چچا حضرت عباس چاہتے تھے کہ ان کی قوم کو امان مل جائے چنانچہ وہ رات کو سواری پر مکہ کی طرف نکلے۔ راستے میں ابو سفیان مل گیا۔ اسے ساتھ لاکر آنحضرتؐ کے سامنے پیش کیا۔ مسلمان ابو سفیان کو قتل کر دینا چاہتے تھے لیکن آپ نے روک دیا۔ دوسرے دن صبح ابو سفیان آنحضرتؐ کے پاس آئے اور اسلام قبول کیا۔

اس کے بعد اعلان کر دیا گیا کہ قریش مکہ میں سے جو شخص خانہ کعبہ یا ابو سفیان کے گھر پناہ لے گا۔ اس سے جنگ نہیں کی جائے گی۔ جو اپنے

گھر کے دروازے بند کر لے یا اپنی تلوار نیام میں رکھے گا، اسے بھی امان دی جائے گی۔ ابوسفیان اپنے گھر کی اس قدر و منزلت سے بہت خوش ہوئے اور مکہ جا کر کفار کو مسلمانوں کی ہیبت دلا کر ڈرایا اور آپ کا اعلان سنا دیا۔

حرم کی وجہ سے آنحضرت نے مسلمانوں کو ہدایت کر دی تھی کہ خون ریزی بالکل نہ ہو۔ چنانچہ مسلمان مختلف گروہوں میں بلا مزاحمت مکہ میں داخل ہو گئے۔ کعبہ پہنچ کر سواری پر ہی طواف کیا اور بتوں کو باہر نکال کر توڑ دیا۔ کعبہ کے اندر نماز ادا کی اور پھر لوگوں کے سامنے ایک تقریر کی جس میں لوگوں کو اللہ کی وحدت سمجھائی اور بتایا کہ خدا نے وعدہ کے مطابق مسلمانوں کی مدد کی ہے۔ فخر و غرور کسی شخص کو زیبا نہیں اور تمام انسان برابر ہیں۔

کفار سہمے ہوئے سامنے کھڑے تھے۔ آنحضور صلعم چاہتے تو تمام پچھلے بدلے لیتے لیکن آپ رحمتہ للعالمین تھے۔ آپ نے سب کو معاف کر دیا۔ آپ کی مہربانی اور فراخدلی دیکھ کر کفار بہت متاثر ہوئے چنانچہ بہت بڑی تعداد مسلمان ہو گئی اور باقی بعد میں مسلمان ہو گئے۔

غزوۂ حنین

(شوال ۸ھ)

حنین ایک وادی ہے جو مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ یہاں کے دو قبائل ثقیف اور ہوازن بڑے جنگجو تھے۔ اسلام کا غلبہ ہوتے دیکھ کر یہ لوگ گھبرائے اور اپنی ریاست کو خطرہ محسوس کرتے ہوئے انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور فیصلہ کیا کہ مکہ کے مسلمانوں پر حملہ کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ

مالک بن عوف کی سرکردگی میں جنگ کے لیئے نکلے۔ ادھر مسلمان اپنی بارہ ہزار فوج پر نازاں تھے۔ لیکن اللہ کو کبھی تکبر اور غرور پسند نہیں معرکہ ہوا اور دشمن کی فوج نے خوب تیر برسائے مسلمانوں کی صفیں بکھر گئیں اور ادھر ادھر بھاگنے لگے صرف آنحضرتؐ اور چند صحابہؓ ثابت قدم رہے آپؐ کے حکم سے حضرت عباسؓ نے لوگوں کو پکارا۔ کچھ مسلمان لوٹے اور جب ایک سو کے قریب ہو گئے تو بڑھکر پھر حملہ کیا۔ یہ دیکھکر باقی مسلمان بھی آ گئے اور گھمسان کی لڑائی ہونے لگی۔ دشمن بھاگ گیا اور ان کے کچھ لوگوں نے طائف کے مضبوط قلعے میں پناہ لی۔ مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور قلعہ شکن آلات دبابہ اور منجنیق وغیرہ استعمال کیئے۔ بیس دن کے بعد محاصرہ اٹھا لیا گیا۔

مسلمان کو مال غنیمت میں چھ ہزار عورتیں مع بچے چوبیس ہزار اونٹ چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی ملی۔ قیدیوں میں حضرت شیماء بنت حلیمہ بھی تھیں۔ جو آنحضرتؐ کی رضاعی بہن تھیں۔ گرفتاری کے وقت انہوں نے کہا کہ میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں۔ چنانچہ وہ آنحضرتؐ کے پاس لائی گئیں حضرت شیماء نے آنحضرتؐ کو اپنے جسم کا ایک نشان دکھایا اور کہا کہ ایک دفعہ بچپن میں آپؐ نے دانت سے کاٹا تھا۔ فرطِ محبت سے آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے آپ نے چادر بچھائی اور اس پر حضرت شیماء کو بٹھایا پھر آپؐ نے پوچھا کہ دل چاہے تو میرے گھر چل کر رہیں۔ اور اگر واپس جانا چاہیں تو پہنچا دیا جائے حضرت شیماء نے اپنے خاندان کی محبت میں واپسی کا اظہار کیا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے عزت و احترام کے ساتھ واپس پہنچا دیا۔

اس کے بعد قبیلہ ہوازن کے کچھ لوگ آنحضرتؐ کے حضور میں پیش ہوئے

اور عرض کی کہ ہم آپ کے رشتہ دار ہیں۔ آپ کی رضاعی والدہ حلیمہ ہمارے قبیلہ سے ہیں۔ اس لئے آپ سے ہمیں بہت امیدیں وابستہ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میرے اور بنی مطلب کے حصے میں جو کچھ ہے وہ آپ کا ہے۔ باقی کے لئے آپ لوگ مسلمانوں سے عرضِ مدعا کریں۔ میں بھی آپ کی سفارش کر دوں گا۔ چنانچہ مسلمانوں نے بھی اپنا اپنا حق آپ کے سپرد کر دیا۔ اسی وقت چھ ہزار قیدی رہا کر دیئے گئے۔ مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم ہوا۔ زیادہ مال قریش کے روساء کو دیا گیا! انصار کے بعض لوگ اس تقسیم پر خوش نہ تھے۔ لیکن آنحضرتؐ نے انہیں سمجھایا کہ نئے نئے مسلمانوں کی دلشکنی نہ ہونی چاہیئے۔ انہیں تو صرف اونٹ اور بکریاں ملی ہیں۔ لیکن تمہارے ساتھ محمدؐ رسول اللہ ہیں چنانچہ اس وضاحت سے انصار مطمئن ہو گئے۔

غزوۂ تبوک

(رجب سنہ ۹ھ)

سرحد شام کے غسانی بادشاہ نے جنگ موتہ کا بدلہ لینے کی غرض سے خوب تیاری کر رکھی تھی۔ مدینہ کے لوگ فکرمند تھے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے اطلاع پا کر کہ غسانی بادشاہ مدینہ پر حملہ آور ہو رہا ہے جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔ لوگوں کو بتا دیا گیا کہ سرحد شام پر مہم بھیجنے کی غرض سے تیاری کے لئے کہا گیا ہے۔ گرمی سخت تھی اور قحط کا زمانہ تھا۔ اس کے باوجود مسلمانوں نے ہمت نہ ہاری۔ اور وقت اور دشواری کو برداشت کیا۔ منافقین مدینہ مسلمانوں کو بہکانے میں مصروف تھے کہ قحط پڑا ہے۔ گرمی کی شدت ہے جنگ مناسب نہیں۔ لیکن آنحضرتؐ کی حوصلہ افزائی سے مسلمان برابر تیاری میں مصروف رہے۔ صحابہؓ میں سے حضرت عثمانؓ نے سب سے زیادہ مدد کی۔

رجب ۹ھ میں آنحضرتؐ تیس ہزار کا لشکر لے کر جس میں دس ہزار گھوڑے تھے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ازواج مطہرات میں سے کوئی بھی ساتھ نہیں گئی تھیں۔ اسلئے مدینہ کی حفاظت کے لئے حضرت علیؓ کو پیچھے چھوڑا۔ دمشق کی جانب مدینہ سے ۱۴ منزل کے فاصلے پر تبوک کے مقام پر قیام کیا۔ دشمن کے حملے کی افواہ غلط نکلی اور غسانی بادشاہ مقابلے کے لئے نہ آیا۔ سرحدی علاقہ کی چھوٹی چھوٹی حکومتوں نے جن میں ایلہ کا حکمران یوحنا بھی تھا مصالحت کر لی اور سب نے جزیہ دینا قبول کیا۔ دمشق کے قریب دومۃ الجندل کے علاقہ کے رئیس اکیدر کو حضرت خالدؓ نے چار سو مسلمانوں کے ساتھ جا کر گرفتار کیا۔ آنحضرتؐ نے اکیدر کی جان بخشی کی اور اس نے جزیہ دینا قبول کیا اور واپس چلا گیا۔ دس دن قیام کے بعد آنحضرتؐ واپس مدینہ پہنچ گئے۔

حج اکبر اور اعلانِ براءت

۹ھ میں پہلی بار مسلمانوں نے پورے اہتمام سے حج ادا کیا۔ قرآن نے اس حج کو حجِ اکبر کہا ہے۔ آنحضرتؐ خود اس حج میں موجود تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس فریضہ کی ادائیگی میں مسلمانوں کی قیادت کی۔ اعلان کر دیا گیا کہ اب سے کوئی مشرک اور کوئی برہنہ شخص خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو۔ اس کے علاوہ سورہ براءت (سورہ توبہ) کی ابتدائی آیات بھی پڑھ کر سنا دی گئیں کہ عہد کی وجہ سے مشرکین کو صرف چار ماہ کی مہلت ہے۔ اس کے بعد خدا اور اس کا رسولؐ ان سے بری الذمہ ہو گئے۔

حجۃ الوداع
(ذیقعدہ ۱۰ھ)

اگلے سال آنحضرت نے خود حج کرنے کا ارادہ کیا۔ تمام قبائل عرب کو مطلع کر دیا گیا۔ ۲۵ ذیقعدہ ۱۰ھ کو آپ صحابہؓ کے ہمراہ مدینہ سے روانہ ہوئے مکہ

ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان جمع ہو گئے۔ آپ نے فریضہ حج ادا کیا اور یہ آپ کا آخری حج تھا۔ لوگوں کو ایک جامع اور مؤثر خطبہ دیا جو مختصراً حسب ذیل ہے آپ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا

اے لوگو غور سے سنو اور یاد رکھو ممکن ہے کہ آئندہ اس مقام پر مجھے تم سے ملنے کا موقع نہ مل سکے۔ جس طرح تم اس دن، اس مہینہ اور اس مقام کی حرمت کرتے ہو، اسی طرح ایک مسلمان کا خون، مال اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے اللہ تعالیٰ تمہارے ہر ایک کام کا حساب لے گا۔ میں نے اس کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ جس کے پاس کوئی امانت ہو تو واپس کر دے۔ ہر قسم کا سود قطعی ساقط ہے۔ صرف اصل رقم لی جا سکتی ہو۔

دیکھو میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا۔ کہ باہم ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو جس طرح تمہارے حقوق عورتوں پر ہیں۔ اسی طرح عورتوں کے حقوق تمہارے اوپر ہیں۔ عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ کسی غیر کو تمہارے گھر نہ آنے دیں اور بدکاری نہ کریں۔ اسی طرح عورتوں کے حقوق تم پر یہ ہیں کہ ان کے ساتھ نرمی کرو اور مہربانی سے پیش آؤ۔ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے ساتھ اپنے نکاح میں لیا ہے۔ اور وہ تمہاری دست نگر ہیں۔ اسلئے اللہ سے ڈرتے ہوئے ان کے حقوق کا لحاظ رکھو۔

غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ جو خود کھاؤ۔ وہی ان کو کھلانا اور جو خود پہنو وہی ان کو پہنانا۔ ان سے کوئی خطا ہو تو در گزر کرنا یا ان کو جدا کر دینا۔ وہ بھی اللہ کے بندے ہیں۔ ان کے اوپر سختی روا نہ رکھنا۔ نہ عربی کو عجمی (غیر عربی) پر فضیلت ہے۔ نہ عجمی کو عربی پر۔ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں تمہارے کسی بھائی کو کوئی چیز تمہارے لئے اس وقت تک حلال نہیں بنے۔ جب تک وہ رضامندی سے بخشش نہ دے۔ دیکھو ناانصافی نہ کرنا۔ میں نے تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑ دی ہے جس کو اگر تم مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ یاد رکھو وہ قرآن ہے

لوگو! عمل میں خلوص، مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی اور جماعت میں اتحاد تین باتیں ایسی ہیں جو سینہ پاک رکھتی ہیں۔

تم کو لازم ہے کہ میرا کلام ان لوگوں کو پہنچا دو جو یہاں موجود نہیں ہیں کیونکہ بہت سے لوگ روایتاً کلام سُن کر ان سے زیادہ یاد رکھتے ہیں جو خود اپنے کانوں سے سنتے ہیں۔"

اس الوداعی خطبہ کے بعد آپ نے لوگوں کو مخاطب کیا اور فرمایا کہ قیامت کے روز خدا تم سے پوچھے گا کہ میں نے تم کو اس کے احکام پہنچا دیئے ہیں کہ نہیں بتاؤ کیا جواب دو گے؟ تمام لوگ بیک زبان بول اُٹھے کہ آپ نے اللہ کے احکام ہم کو پہنچا دیئے۔ اور اپنا فرض ادا کر دیا۔ اس پر آپ نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھا کر اور تین بار کہا کہ اے اللہ تو شاہد ہے۔

اسی دن حجۃ الوداع کے بعد قرآن کی آخری آیت نازل ہوئی:۔
اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط (آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا) یہ ختم قرآن کا اعلان تھا۔ اس کے بعد احکام الہیٰ کا نزول بند ہو

علالت اور وفات

حجۃ الوداع کے بعد آپ واپس مدینہ تشریف لے گئے۔ صفر ۱۱ھ میں آپ بخار ہو جانے سے بیمار ہو گئے۔ چنانچہ سب بیویوں سے اجازت لے کر آپ حضرت عائشہ رضہ کے گھر آ گئے۔ جو مسجد نبوی کے ساتھ بالکل ملا ہوا تھا۔ آپ کے سر میں شدید درد تھا جس سے کبھی کبھی آپ کو غشی سی طاری ہو

جاتی تھی۔ درد کو کم کرنے کے لئے آپ نے سر پہ پٹی باندھ رکھی تھی۔

اسی حالت میں آپ لوگوں کو نصیحتیں کرتے رہے۔ درد میں ذرا کمی محسوس ہوئی تو آپ سہارا لے کر مسجد نبوی کے منبر پہ آ گئے اور لوگوں کو بلا کر کہا کہ اے لوگو! اگر کسی کا مجھ پہ کوئی حق ہے تو مجھ سے لے لے۔ اگر میں نے کسی پہ ظلم کیا ہو تو مجھ سے بدلہ لے لے۔ میں تم سے اُس شخص کو پسند کروں گا جو اپنا حق مجھ سے لے لے یا معاف کر دے تاکہ میں اپنے رب سے بالکل پاک ہو کر ملوں ایک شخص نے آپ سے تین درہم کا مطالبہ کیا۔ اسے ادا کر دیئے گئے۔ ایک دوسرے شخص کے ذمے آپ کے تین درہم تھے۔ اس نے آپ کو ادا کر دیئے۔ پھر آپ نے بعض لوگوں کی درخواست پہ ان کے حق میں دعا کی کہ اللہ ان سے برائیاں دور کرے اور نیک بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ ایک شخص نے آپ سے عرض کیا یارسول اللہ! مجھ میں فلاں فلاں عیب ہیں میرے لئے بھی دعا کریں۔ حضرت عمرؓ نے کہا اے شخص تو نے اپنی رسوائی کی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے عمرؓ اس دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے اچھی ہے۔ پھر آپ نے اُس شخص کے لئے دعا کی حضرت عمرؓ نے اس شخص سے کہا اب تم رسول اللہ صلعم سے جو مرضی ہو کہہ لو۔ آنحضرتؐ اس پہ ہنس پڑے اور فرمایا کہ عمرؓ میرے ساتھ ہے میں عمرؓ کے ساتھ ہوں۔ میرے بعد حق اس طرف ہوگا جدھر عمرؓ ہوں گے۔"

دورانِ مرض آنحضرتؐ کے حکم سے حضرت ابوبکر صدیقؓ مسجد نبوی میں نماز پڑھاتے رہے۔ اک دن آپؐ نے بھی حضرت ابوبکرؓ کی امامت میں نماز ادا کی۔ اچانک مرض نے شدت اختیار کر لی اور ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ یوم دوشنبہ، بمطابق ۸ رجون ۶۳۲ء کو ۶۳ سال کی عمر میں آپؐ اپنے آقا و مالک سے جا ملے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس وقت مدینہ کی ایک بستی سنخ میں گئے ہوئے تھے۔

حضرت عمرؓ کو یقین نہیں آتا تھا کہ آنحضرتؐ فوت ہو گئے ہیں وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلعم بھی اللہ کے پاس گئے ہیں۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ چالیس راتوں کے لیے اپنی قوم سے غائب ہو کر اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے تھے۔ اور ان کی قوم کہتی تھی کہ وہ مر گئے ہیں۔ جو شخص یہ کہے گا کہ رسول اللہ صلعم فوت ہو گئے ہیں۔ میں اس کو قتل کر دوں گا۔ حضرت عمرؓ اسی جوش اور بے تابی میں تھے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ آپہنچے۔ انہوں نے رسول اللہ صلعم کو دیکھا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "اے لوگو! جو شخص محمد کی پرستش کرتا تھا وہ سمجھ لے کہ آپؐ فوت ہو چکے ہیں۔ اور جو اللہ کو پوجتا ہے تو وہ زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا۔" پھر آپ نے قرآن کی ایک آیت پڑھ کر لوگوں کو ثابت قدم رہنے کی نصیحت کی اور اللہ کا شکر ادا کرنے کی تلقین کی۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ کو آنحضرتؐ کی وفات کا یقین آگیا۔ اور وہ شدتِ غم سے گر پڑے۔

اس کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں لوگ اکٹھے ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی۔ دوسرے روز آدھی رات کے وقت آنحضرتؐ کو حضرت عائشہؓ کے حجرے میں جہاں آپؐ نے وفات پائی دفن کیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات

حضرت محمد صلعم کے اخلاق و عادات کمال درجہ کے تھے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ کہ آنحضرتؐ کا خلق قرآن مجید ہے۔ آپ کی ناراضگی اور خوشی قرآن کے مطابق ہوتی تھی۔

صفائی جسم آپ صفائی اور پاکیزگی کو بہت پسند کرتے تھے دوسروں کو بھی حتی الامکان صاف ستھرا رہنے کی تلقین کرتے جو شخص

آپؐ کو بہت مرغوب تھی۔ سفر میں بھی آپؐ تیل، سرمہ، کنگھی، آئینہ، قینچی، مسواک اور سوئی دھاگہ ساتھ رکھتے تھے۔

حیا آپ لوگوں کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اور کوئی بات ایسی نہیں کہتے تھے جو کسی شخص کے لئے شرمندگی کا باعث ہے۔ کسی کی ناپسندیدہ بات سُنکر آپ فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے۔ کہ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ آپؐ کی حیا ایک کنواری پردہ نشین لڑکی سے بھی زیادہ تھی۔ نگاہ نیچی رکھتے تھے اور گوشہ چشم سے دوسروں کی طرف دیکھتے تھے۔

حُسنِ معاشرت مجالس اور دوسری صحبتوں میں آپ بہت خوش خلقی ظاہر کرتے تھے۔ بلا تمیز نسل و رنگ سب سے ایک جیسا سلوک کرتے۔ اپنے کام خود کرتے تھے بلکہ دوسروں کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹاتے تھے۔ ملاقات کے وقت سلام کہنے میں پیش دستی کرتے۔ تحمل سے دوسروں کی بات سنتے اور نہایت شفقت اور ہمدردی سے دلجوئی کرتے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ شخص کی بھی دعوت قبول کر لیتے تھے۔ بیماروں کی عیادت کرتے یہاں تک کہ دشمن کی بیمار پرسی سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔ احسان کرنے والوں کو اُن کا صلہ دیتے اور برائی کرنے والوں سے درگذر کرتے اور ان کے لئے دعائے خیر مانگتے۔ الغرض لوگوں کے لئے مجسمۂ رحمت تھے۔ اس شفقت کے باوجود آپ کے چہرۂ مبارک سے رعب و جلال ٹپکتا تھا۔

سخاوت حاجتمندوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ سائل کے آجانے سے نماز میں کمی کر دیتے تھے۔ بہت زیادہ ضرورت مند کے لئے اگر اپنے پاس کچھ نہ ہوتا تو قرض لے کر دیتے تھے خود فاقہ کر لیتے لیکن بھوکے کو کھانا کھلا دیتے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی نے سوال کیا ہو اور آپؐ نے رد کیا ہو۔

تحمل آپ دوسروں کی سختیاں برداشت کرتے اور بہت جلد غلطی معاف کر دیتے تھے۔ دنیاوی معاملات میں بھی لوگوں سے بدلہ نہیں لیتے تھے۔ جنگ اُحد میں چہرہ مبارک زخمی ہو جانے پر بھی دشمن کی ہدایت کے لئے دعا کی۔ آپ غصہ کو پسند نہیں کرتے تھے۔ بہت دیر سے غصہ آتا اور جلد ہی راضی ہو جاتے تھے۔

رحم وکرم آپ کے رحم وکرم کا یہ حال تھا کہ خود اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعریف کی اور رحمۃ للعالمین کا خطاب عطا کیا ہے۔ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ ہر ایک کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے۔ راہ چلتے بچے ملتے تو ان سے پیار کرتے اور انہیں اٹھا لیتے۔ خادموں سے غلطی بھی ہو جاتی تو کچھ نہ کہتے بلکہ اکثر کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتے ذاتی معاملات میں بدلہ نہ لیتے تھے۔

عدل وانصاف راست گوئی اور عدل وانصاف میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ دشمن تک آپ کو امین کے لقب سے پکارتے تھے اور اپنے جھگڑوں کا فیصلہ آپ سے کرواتے تھے۔ ایک دفعہ کسی یہودی اور ایک منافق کے درمیان جھگڑا ہوا۔ دونوں آپ کے پاس آئے۔ آپ نے معاملہ سنا اور فیصلہ یہودی کے حق میں دے دیا کیونکہ یہودی سچا تھا۔

ایفائے عہد آپ عہد و پیمان کا بہت خیال رکھتے تھے۔ بڑے سے بڑے نقصان میں بھی عہد کا پاس رکھتے۔ معاہدہ حدیبیہ کے وقت جب ابو جندل؄ (جو مسلمان ہو چکے تھے) کفار مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آکر زخموں سے نڈھال بھاگ کر آنحضرت ؐ کے سامنے آ گرے تھے آپ نے انہیں واپس مکہ بھیج دیا کیونکہ معاہدہ لکھا جا چکا تھا اور اس کی رُو سے آپ ؐ ابو جندل؄ کو روک نہیں سکتے تھے۔ مسلمانوں کے سخت غم و غصہ کے باوجود آپ نے معاہدہ کا پاس رکھا۔

پاسِ مروّت

لوگوں سے تعلقات کا آپ کو بڑا لحاظ رہتا۔ جنگ حنین کے موقع پر جب حضرت شیما بنت حلیمہ (آپ کی رضاعی بہن گرفتار ہو کر آپ کے سامنے پیش ہوئیں تو آپ نے اپنی چادر بچھا کر بٹھایا اور عزت و احترام کے ساتھ واپس ان کے خاندان میں پہنچا دیا۔ ابو لہب کی لونڈی ثوبیہ نے بھی آپ کو کچھ دیر دودھ پلایا تھا۔ چنانچہ آپ اس کی زندگی تک ہر سال کپڑے اور تحفے بھیجتے۔ نجاشی شاہ حبشہ نے ان مسلمانوں کی بہت عزت کی تھی۔ جنہیں آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ جب نجاشی کی طرف سے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے تو آپ نے خود اپنے ہاتھوں سے ان لوگوں کی خدمت کی۔

تواضع

غرباء اور مساکین کی دلجوئی کے لئے ان میں مل جل کر رہتے تھے مجالس میں امتیازی جگہ کو پسند نہ کرتے تھے جہاں جگہ ملتی، بیٹھ جاتے اور اکثر اجنبی لوگوں کے لئے پہچانتا مشکل ہو جاتا کہ مجلس میں رسول اللہ صلعم کون ہیں۔ جو ملنے آتا، جب تک بیٹھا رہتا، آپ بھی بیٹھے رہتے اور اگر ضرورت ہوتی تو مہمان سے اجازت لے کر اٹھتے۔

وقار

سادہ طبیعت کے باوجود آپ ہمیشہ باوقار رہتے۔ ضرورت سے زائد بات نہ کرتے اور بے جا اور نازیبا باتوں سے پرہیز کرتے۔ اگر کوئی شخص ناپسندیدہ بات کرتا تو آپ منہ پھیر لیتے۔ نہ کسی کی برائی کرتے اور نہ کسی کی برائی سنتے تھے۔

شجاعت

آپ بڑے بہادر اور شجاع تھے۔ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ میدان جنگ میں آپ ہمیشہ ثابت قدم رہتے جنگ حنین میں جب مسلمان بکھرنے لگے تو آپ نہایت ثابت قدمی اور حوصلے سے اپنی جگہ پر قائم رہے یہ دیکھ کر مسلمان پھر اکٹھے ہونے لگے۔ اور دشمن پر فتح پالی

ایکدفعہ مدینے میں رات کے وقت ایک خوفناک آواز سنائی دی۔ سب لوگ پریشان ہوئے کہ شاید کسی (غسانی) نے حملہ کر دیا ہے۔ آپ نے جلدی سے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سواری کی اور مدینہ کے گرد چکر لگا کر دیکھا اور واپس آکر لوگوں کو تسلی دی کہ کوئی خدشہ نہیں۔

ہجرت کے بعد تبلیغ دین اور اس کے نتائج

ہجرت کے بعد مدینہ میں آنحضرتؐ نے امن اور دفاعی نقطۂ نظر سے سب سے پہلا یہ کام کیا کہ مدینہ کے یہودیوں سے معاہدہ لکھوایا جس کی رو سے آپ کا مقام صدر ریاست کا ہو گیا اور مسلمانوں کو مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی۔ چنانچہ تبلیغ دین کے لئے سہولتیں پیدا ہو گئیں۔

مدینہ اور گرد و نواح میں مسلمانوں کا حسن سلوک، انصاف پسندی اور دیانتداری تبلیغ اسلام کے لئے بڑی مددگار ثابت ہوئیں۔ لوگ مسلمانوں سے متاثر ہوتے اور اسلام قبول کر لیتے۔ لیکن مدینہ کے بعض لوگ مسلمانوں کی اکثریت کی وجہ سے گو بظاہر مسلمان ہو گئے تھے۔ مگر دلی طور پر اپنی سرداری کے زوال کے خوف سے یا اسلام کی روح کو نہ سمجھتے ہوئے مخالف تھے۔ ایسے لوگوں کو منافق کہا گیا ہے۔ پھر بھی آنحضرت ایسے لوگوں کے ساتھ نہایت رحم دلی اور مہربانی سے پیش آتے تھے۔

آنحضرتؐ مختلف قبائل میں قاصد اور خطوط بھیجتے اور دعوت اسلام دیتے کچھ لوگ اسلام قبول کرتے لیکن بہت سے قبائل قریش مکہ کی پیروی کرنا چاہتے تھے اس لیے کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلتا۔

صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی رو سے کافی امن ہو گیا تھا۔ خاندانی اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے مسلمان اور کفار مکہ کا میل جول شروع ہو گیا۔ دونوں ایک دوسرے کے

پاس ٹھہرتے اور تبادلہ خیالات میں اسلام کا تذکرہ ہوتا ۔ مسلمانوں کا حسن اخلاق کفار کو موہ لیتا ، روح اسلام ان کے دلوں کو نرم کر دیتی ۔ اور وہ اسلام کی قبولیت کی طرف مائل ہو جاتے چنانچہ اس زمانے میں بہت زیادہ لوگ مسلمان ہوئے ۔ خالدؓ بن ولید اور عمروؓ بن عاص جیسے بہادر اشخاص اسی زمانے میں اسلام لائے ۔

فتح مکہ ۸ھ کے دن جب آنحضرتؐ نے کفار کو عام معافی دیدی ۔ تو وہ بہت متاثر ہوئے چنانچہ اسی دن قریش کی اکثریت نے اسلام قبول کیا ۔ قریش مکہ کا اسلام لانا تھا کہ قبائل عرب نے ان کی پیروی شروع کی اور وفود کی شکل میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا ۔

عرب سے باہر آنحضرتؐ نے مختلف بادشاہوں کے نام مراسلات (خطوط) بھیجے ۔ قیصر روم ہرقل کے پاس حضرت وحیہ کلبیؓ خط لے کر گئے ۔ ہرقل خود تو اسلام کی حقیقت پا گیا لیکن اپنے لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے اسلام قبول نہ کیا ۔

ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کے پاس حضرت عبداللہ بن حذافہ خط لے کر گئے اس نے خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور حاکم یمن کو کہا کہ مدعی نبوت کو پکڑ کر میرے پاس بھیجو ۔ حاکم یمن نے دو آدمی بھیجے ۔ جب وہ مدینہ پہنچے تو اسی رات خسرو پرویز کا بیٹا اپنے باپ کو قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا ۔ آنحضرتؐ کو وحی کے ذریعے معلوم ہو گیا آپ نے یمن کے سپاہیوں کو کہا جاؤ خسرو پرویز قتل ہو چکا ہے ۔ اور اس کی حکومت تک میرے دین کا غلبہ ہو کر رہے گا ۔

نجاشی شاہِ حبشہ کے پاس آنحضرتؐ نے حضرت عمروؓ بن امیہؓ کو خط دے کر بھیجا نجاشی شاہ حبشہ نے اسلام قبول کیا اور آنحضرتؐ کو اطلاع دی ۔ چنانچہ جب نجاشی فوت ہوا تو آنحضرتؐ نے مدینہ میں اس کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی ۔

مصر کے حاکم مقوقس کے پاس حضرت حاطبؓ بن ابی خط لے کر پہنچے ۔ مقوقس

مسلمان تو نہ ہوا لیکن ایک عمدہ خچر جس کا نام دلدل تھا۔ اور دو عورتیں جو مسلمان ہو چکی تھیں آنحضرتؐ کو تحفتہً بھیجیں۔ ان عورتوں میں سے ایک حضرت ماریہؓ قبطیہ تھیں جن سے آپ نے نکاح کیا اور ان سے آنحضرتؐ کے بیٹے حضرت ابراہیم پیدا ہو

اسی طرح اور کئی سرداروں اور حاکموں کے پاس خطوط بھیجے گئے جن میں سے بعض اسلام لائے اور بعض کے ملکوں میں اسلام کا چرچا ہونے لگا۔

غزوات نبویؐ پر تبصرہ

عہد رسالت میں جنگیں مندرجہ ذیل اغراض کے لئے لڑی گئیں :۔

تفتیش دشمن ہجرت مدینہ کے بعد قریش مکہ نے مسلمانوں کو ختم کرنے کا تہیہ کر لیا۔ کیونکہ اسلام کے فروغ کے ساتھ ان کے آبائی مذہب کو نقصان پہنچتا تھا اور ان کی توہین ہوتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے تمام عربی قبائل کو بھی اسلام کے خلاف بھڑکایا تاکہ اکٹھے مل کر مدینہ پر حملہ کیا جائے۔ قریش نے مدینہ کے رئیس عبداللہ بن ابی کو بھی پیغام بھیجا کہ محمدؐ کو مدینہ سے نکال دو۔ ورنہ ہم خود وہاں پہنچکر تمہارا اور اس کا فیصلہ کر دیں گے۔ دشمنوں سے خطرہ اس حد تک ہو گیا تھا کہ مدینہ کے مسلمان رات کو ہتھیار ساتھ باندھ کر سوتے تھے۔ ان حالات کی وجہ سے بہت ضروری تھا کہ حفاظتی تدابیر اختیار کی جائیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے محکمہ تفتیش قائم کیا اور مختلف مقامات کی طرف دس دس بارہ بارہ آدمیوں کے دستے خبر رسانی کے لئے بھیجنے شروع کئے۔ یہ دستے اپنی حفاظت کے لئے مسلح ہو کر نکلتے اور ان کا مقصد قافلے لوٹنا یا بے خبری میں کسی جماعت پر حملہ کرنا قطعاً نہ تھا کیوں کہ اتنی قلیل تعداد ایسا کرنے کے لئے نہیں بھیجی جاتی۔ سلمہ ھ میں آنحضرت

صلعم نے حضرت عبداللہ بن حجش کو بارہ آدمیوں کے ساتھ مکہ کی جانب روانہ کیا اور ایک بند خط ساتھ دیا کہ اُسے دو دن کی مسافت کے بعد کھولا جائے چنانچہ جب دو دن کے سفر کے بعد خط کھولا گیا تو اس میں لکھا تھا کہ چلتے جاؤ حتیٰ کہ مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ میں ٹھہر و اور قریش کی نقل و حرکت سے آگاہ کرو۔

مُدافعت محکمۂ تفتیش قائم ہونے کے بعد جب کوئی دشمن مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتا تو مسلمانوں کو خبر ہو جاتی چنانچہ مدافعت کی غرض سے پیشقدمی کر کے فوجیں روانہ کر دی جاتیں۔ مثال کے طور پر غزوۂ بدر کے موقعہ پر آنحضرت م کو جب یہ خبر ملی کہ کفار مکہ ایک ہزار سے زائد مسلح فوج لے کر مدینہ پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ تو آنحضور م نے صحابہ رض سے مشورہ کر کے انصار سے جانثاری کا عہد لے کر مدافعت کی غرض سے ۳۱۳ آدمیوں کی قلیل تعداد کے ساتھ فوراً پیشقدمی کی تاکہ بہتر مقام پر پہلے قبضہ جما کر دشمن کے حملہ کو روکا جائے۔

غزوۂ اُحد میں قریش مکہ بدر کے مقتولین کا بدلہ لینے کے لئے بڑے پیمانے پر تیاری کر کے آئے۔ مسلمانوں کو آنحضرت صلعم کے چچا حضرت عباس رض نے مکہ سے پہلے ہی خبر دے دی تھی۔ چنانچہ مدافعت کے لئے چھ سات سو مسلمان مدینہ سے باہر نکلے اور اُحد کے مقام پر صف آراء ہوئے۔ یہ جنگ بھی بحیثیت مدافعانہ تھی کیونکہ مسلمان قلیل تعداد کی وجہ سے حملہ کرنے کے قابل نہ تھے۔

غزوۂ احزاب (خندق) میں بھی کفار کے بہت سے گروہ مل کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے۔ اور چونکہ اس دفعہ زیادہ لشکر اور ساز و سامان کے ساتھ آئے تھے اس لئے مسلمانوں نے پہلے خبر پا کر مشورہ کیا اور حضرت سلمان فارسی رض کی رائے پر مدینہ کے گرد خندق کھود لی گئی تاکہ میدان میں نکلنے

کی بجائے محفوظ مورچہ میں بیٹھکر مدینہ کی حفاظت کی جائے۔ صاف ظاہر ہے۔ کہ یہ جنگ بھی محض مدافعانہ تھی۔ ورنہ مسلمان باہر نکل کر میدان میں لڑتے۔

تحفظِ امن عرب بھر میں قبائلی خانہ جنگی عام تھی جس کی وجہ سے تجارتی قافلے اور دوسرے مسافر غیر محفوظ تھے۔ آنحضرتؐ دنیا میں امن امان قائم کرنے کے لیئے بھیجے گئے تھے۔ چنانچہ اس سلسلے میں بھی آپ کی کوششیں کامیاب ہوئیں۔

ایک دفعہ ۵ھ میں آپ کو اطلاع ملی کہ مقام دُومتہ الجندل میں ایک گروہ جمع ہے۔ جو تاجران کو تنگ کرتا ہے چنانچہ آپ خود فوج لے کر وہاں پہنچے۔ گروہ بھاگ چکا تھا لیکن آپ نے وہاں چند روز قیام کیا اور ادھر اُدھر تحفظ امن کے لیئے چھوٹے دستے روانہ کیئے۔

ایک دفعہ ۶ھ میں حضرت زید رضؓ تجارت کے لئے ملک شام گئے۔ واپسی پر وادئ قری کے پاس بنو خزارہ کے لوگوں نے انہیں مارا اور سارا مال لوٹ لیا۔ آنحضرتؐ نے ایک فوجی دستہ بھیج کر بنو خزارہ کو سزا دی۔

۸ھ میں ایک دفعہ قریش کا تجارتی قافلہ شام سے واپس آرہا تھا۔ راستے میں قبیلہ جہنیہ کے لوگوں سے خوف تھا کہ وہ انہیں لوٹ نہ لیں۔ آنحضرت کو اطلاع ملی۔ آپ نے حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کی قیادت میں تین سو مسلمانوں کا فوجی دستہ روانہ کیا اس دستہ میں حضرت عمر رضؓ بھی شامل تھے۔ مسلمانوں کی حفاظت میں قریش کا قافلہ سلامتی کے ساتھ مکہ پہنچ گیا۔ مسلمانوں کو اس فرض کی ادائیگی میں فاقہ کشی بھی برداشت کرنی پڑی۔ بعض لوگ اس

واقعہ کو بھی لوٹنے کی غرض سمجھتے ہیں جو صریحاً غلطی ہے۔ کیونکہ یہ زمانہ صلح حدیبیہؓ کا تھا۔ جس میں کفارِ مکہ سے معاہدہ ہو چکا تھا

اسی طرح اور بھی کئی واقعات ہیں جن میں محض امن کی خاطر فوج کشی کی گئی۔

اشاعتِ دین

تبلیغ دین کی غرض سے بھی بہت سے فوجی دستے باہر بھیجے جاتے تھے۔ ان دستوں کو حکم ہوتا کہ صرف اشاعتِ دین کریں لڑائی کی اجازت نہیں مگر یہ کہ تم پر کوئی دشمن حملہ کرے تو اپنی حفاظت کریں صفر سنہ ۳ھ میں ستر مسلمانوں کی ایک جماعت قبیلہ کلاب کی طرف ان کے اپنے رئیس کی دعوت پر بھیجی گئی۔ راستے میں مقام بیرِ معونہ کے قریب چند دوسرے قبائل نے حملہ کر دیا۔ اور ۶۹ مسلمان شہید ہو گئے ایک جو بچ گیا اس نے مدینے آ کر اطلاع دی۔

انہی دنوں قبیلہ عضل و قارہ کی طرف بھی دس صحابہ تبلیغ دین کی غرض سے بھیجے گئے۔ راستے میں مقام رجیع پر بنو لحیان نے ان پر حملہ کر دیا اور نو مسلمان شہید کر دیئے۔

اسی طرح سنہ [illegible]ھ میں پچاس مسلمانوں کی ایک جماعت قبیلہ بنو سلیم کی طرف روانہ ہوئی۔ وہاں پہنچے تو بنو سلیم کے لوگوں نے حملہ روکا لیکن مسلمانوں بہت تھوڑے تھے۔ اس لئے سخت نقصان ہوا اور سوائے امیر فوج ابن ابی العوجاء کے سب شہید ہو گئے۔

فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلعم نے حضرت خالدؓ بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف ۳۰۰ آدمیوں کی فوج دے کر اشاعتِ دین کے لئے بھیجا۔ اور لڑائی وغیرہ سے منع فرمایا۔ لیکن حضرت خالدؓ نے وہاں پہنچکر تلوار استعمال کی۔ آنحضرتؐ کو سخت صدمہ ہوا اور کہا اے اللہ! خالدؓ نے جو کیا ہے۔

میں اس سے بری ہوں۔" پھر آپؐ نے حضرت علیؓ کو بھیج کر ایک ایک آدمی کا خون بہا ادا کیا۔ یہاں تک کہ کتوں کی بھی رقم ادا کی گئی۔

اسی طرح اور بھی کئی دستے مختلف اطراف میں بھیجے گئے جن کا مقصد محض اشاعت دین تھا۔

باب سوم

خلافتِ راشدہ

سنہ ۱۱ھ سے سنہ ۴۰ھ

مفہوم

خلافت: کسی کی جگہ پر بیٹھنا، مراد جانشینی۔ خلافت راشدہ سے مراد وہ خلفاء اربعہ (چار خلیفے) ہیں۔ جنہوں نے آنحضرت صلعم کے بعد آپ کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں پر حکومت کی۔ خلیفہ، امام یا امیر یا سلطان ایک ہی مفہوم ادا کرتے ہیں۔

لیکن اصولی اور بنیادی بات یہ ہے کہ صحیح اسلامی ریاست نظریۂ خلافت پر قائم کی گئی ہو، اور اس میں خدا کی حاکمیت تسلیم کی گئی ہو، خدا اور اس کے رسول کی شریعت قانونِ برتر کی حیثیت رکھے تمام کاموں میں حدود اللہ سے تجاوز نہ ہو، اقتدار کی اصل غرض خدا کے احکام کا اجرا۔ اور اللہ کی منشاء کے مطابق برائیوں کا استیصال ہو۔ یہ ہے خلافت کا صحیح مفہوم۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

عہد خلافت ۱۱-۱۳ھ

نام و نسب اسلام لانے سے پہلے آپ کا نام عبد الکعبہ تھا۔ آنحضرت صلعم نے بدل کر عبد اللہ کر دیا۔ آپ کی کنیت (خاندانی نام) ابوبکر تھی۔ اور اسی نام سے زیادہ مشہور ہوئے۔ صدیق آپ کا لقب تھا جو آنحضرت صلعم نے آپ کو عطا کیا تھا۔ آپ کے والد کا نام ابو قحافہ عثمان بن عامر تھا۔ جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔ والدہ کا نام سلمیٰ ام الخیر تھا۔ جو ہجرت سے پہلے اُس وقت مسلمان ہو چکی تھیں۔ جب ابھی مسلمان قلیل تعداد میں تھے۔ چھٹی یا ساتویں پشت میں آپ کا نسب آنحضرت صلعم کے نسب سے مل جاتا ہے۔

قبل از اسلام زندگی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلعم سے اڑھائی سال بعد پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں آپ عمدہ اخلاق کے حامل تھے۔ اور چھوٹی عمر ہی سے آنحضرت صلعم سے محبت اور اُنس تھا۔ جوان ہوئے تو تجارت کرنے لگے۔ اور اپنی سچائی اور دیانت کی بنا پر بہت زیادہ مشہور و معروف ہو گئے۔ اکثر لوگ امانتیں آپ کے پاس رکھا کرتے تھے آپ شراب اور قمار بازی سے سخت نفرت کرتے تھے۔

قبول اسلام اللہ تعالیٰ نے جب آنحضرت صلعم کو نبوت سے سرفراز کیا تو آپؐ نے اپنے قریب ترین عزیزوں اور دوستوں میں اس کا ذکر کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بلا تامل آپؐ کی نبوت کی تصدیق کی۔ چنانچہ مردوں میں سے آپ پہلے شخص تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ حضرت ابوبکرؓ کو

چونکہ بچپن سے آنحضرت صلعم سے پیار، محبت اور دلی لگاؤ تھا۔ اس لئے مسلمان ہوتے ہی اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کیلئے وقف کر دیا انہوں نے مال و دولت کی پرواہ نہ کی، جو کچھ تھا اشاعت اسلام میں خرچ کر ڈالا۔ خود ان کی ذات کی وجہ سے ان کے بہت سے احباب بھی اسلام لے آئے جن میں حضرت عثمانؓ بن عفانؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعدؓ بن وقاص، حضرت زبیرؓ بن العو اور حضرت بلالؓ خاص قابل ذکر ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے اسلام لانے سے دین اسلام کو بہت تقویت پہنچی۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ آنحضرت صلعم کے جانثار دوست تھے، ہر وقت آپؐ کے ساتھ رہتے اور اگر کوئی دشمن آپ سے سختی کرتا تو اُسے ڈانٹتے یا مار کر بھگا دیتے۔ کچھ عرصہ بعد کفارِ مکہ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ بھی سختیاں کرنے لگے ہجرت حبشہ سے پہلے ایک دفعہ حضرت ابو بکرؓ کو کفار نے بہت تنگ کیا آپ نے آنحضرت صلعم سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے مسلمانوں کے ساتھ جانے کی اجازت لے لی اور روانہ ہوئے، لیکن راستہ ہی سے واپس لوٹ آئے۔ اور ڈٹ کر کفار کی سختیوں کا مقابلہ کرنے لگے۔

ہجرت مدینہ کے وقت حضرت ابو بکرؓ آنحضرت صلعم کے ساتھ تھے تین دن غارِ ثور میں آپؐ کے ساتھ رہے اور طرح طرح کی تکالیف برداشت کیں چوتھے روز مدینہ کی طرف آگے بڑھے۔ مدینہ میں لوگوں نے دونوں بزرگوں کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ وہاں پہنچتے ہی حضرت ابو بکرؓ سخت بیمار ہو گئے۔ شاید دوسری جگہ کی آب و ہوا آپ کو موافق نہ آئی۔ حالت تشویش ناک ہو گئی چنانچہ آنحضرت صلعم نے صحت یابی کے لئے دعا کی۔ بارگاہ الٰہی میں قبولیت کا شرف حاصل ہوا۔ اور حضرت ابو بکرؓ چند یوم میں بالکل ٹھیک ہو گئے۔

ہجرت کے بعد سلسلۂ غزوات شروع ہوگیا۔ اور فتح مکہ تک خوں ریزی خوب گرم رہی۔ ہر لڑائی میں حضرت ابوبکرؓ آنحضرت صلعم کے ساتھ رہے۔ آپ کی تدابیر اور مشورے نہایت کارآمد ثابت ہوتے تھے۔ غزوہ بدر میں آنحضرت صلعم کفار کی کثرت سے قدرے عمزدہ تھے۔ اور نہایت رقت اور خشوع کی حالت میں دعائیں مانگ رہے تھے۔ اس وقت آپ کے غمگسار اور ہمدرد دوست حضرت ابوبکرؓ ہی آپ کو تشفی دیتے اور یقین دلاتے کہ اللہ تعالیٰ ضرور مسلمانوں کی مدد کرے گا۔ اسی طرح دوسری جنگوں میں بھی آپؓ آنحضرت کے شانہ بشانہ خدمت کرتے رہے۔ بعض چھوٹی جنگوں میں حضرت ابوبکرؓ سپہ سالار کی حیثیت سے مقرر ہونے اور کامیابی کے ساتھ یہ خدمت سرانجام دی۔ جنگ خیبر میں پہلے حضرت ابوبکرؓ ہی سپہ سالار بناکر بھیجے گئے۔ بعد میں حضرت علیؓ مقرر کئے گئے اور انہی کے ہاتھوں فتح ہوئی۔ جنگ حنین میں جب مسلمان دشمن کی تاب نہ لاکر بھاگنے لگے تو حضرت ابوبکرؓ آنحضرت صلعم کے ساتھ برابر ثابت قدم رہے۔ حتیٰ کہ ان کی ثابت قدمی دیکھ کر آہستہ آہستہ تمام مسلمان واپس لوٹ آئے۔ اور دوبارہ جمعیت کے ساتھ حملہ کیا اور فتح حاصل کی۔

سنہ ۹ ھ میں آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکرؓ کو امیر حج بناکر مکہ روانہ کیا۔ آپ نے ہدایت کے مطابق لوگوں کو مناسک حج سکھائے، مشرک اور برہنہ لوگوں کو حج کرنے سے منع کیا۔ اور نہایت خوش اسلوبی سے فریضہ حج ادا کرکے واپس آئے۔

سنہ ۱۰ ھ میں رسول اللہ صلعم خود حج کے لئے مکہ تشریف لے گئے حضرت ابوبکرؓ بھی ساتھ تھے۔ واپسی پر آنحضور صلعم بیمار ہوگئے۔ مرض بڑھتا گیا۔ آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکرؓ کو مسجد میں امامت کے لئے

مقرر فرما دیا۔ ایک روز جب آپ کی طبیعت قدرے سنبھلی تو اٹھ کر آپ بستر سے مسجد میں تشریف لائے۔ اُس وقت حضرت ابوبکر رض نماز پڑھانے لگے تھے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر آپ پیچھے ہٹنے لگے۔ لیکن آنحضرت صلعم نے انہیں روکا اور خود ان کے پیچھے نماز ادا کی۔

آنحضرت صلعم کا مرض زیادہ بڑھتا گیا۔ آخر ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ (پیر) کے روز آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مالک حقیقی کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکر رض اس وقت مقام سنح (مدینہ سے باہر ایک بستی) میں اپنی زوجہ حضرت خارجہ بنت زبیر رض کے پاس گئے ہوئے تھے۔ واپس آئے تو مسجد کے دروازہ پر لوگوں کا ہجوم کھڑا تھا۔ اور حضرت عمر رض پر عجیب حالت طاری تھی۔ وہ جوش اضطراب میں لوگوں سے کہہ رہے تھے کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ رسول اللہ صلعم فوت ہو گئے ہیں۔ تو میں قتل کر دوں گا۔ حضرت ابوبکر رض سیدھے مکان پر پہنچے۔ رسول اللہ صلعم کو دیکھا اور واپس باہر تشریف لا کر حضرت عمر رض کو روکا لیکن وہ اپنی دھن میں لگے رہے حضرت ابوبکر رض علیحدہ کھڑے ہو گئے۔ اور کہا کہ "اے لوگو! اگر تم محمدؐ کی پرستش کرتے تھے تو بیشک وہ فوت ہو چکے ہیں۔ اور اگر تم خدا کو پوجتے تھے تو بیشک وہ زندہ ہے۔ اور کبھی نہیں مرے گا۔" آپ نے مزید فرمایا: "محمدؐ صرف ایک رسول ہیں۔ جن سے پہلے بہت سے رسول ہو گزرے ہیں۔ (قرآن) چنانچہ لوگ مطمئن ہو گئے۔ حضرت عمر رض کو بھی آپ کی وفات کا یقین ہو گیا۔ اور وہ شدت غم سے نیچے گر پڑے۔

سقیفۂ بنی ساعدہ

رسول اللہ صلعم کی وفات کی خبر مشہور ہوتے ہی انصار مدینہ کے رؤساء سقیفۂ بنی ساعدہ میں

جمع ہوئے سقیفہ بنی ساعدہ سائبان جیسی ایک جگہ تھی جو خزرج کے رئیس حضرت سعد بن عبادہؓ کے مکان کے متصل بنی ہوئی تھی۔ انصار نے فیصلہ کیا کہ رسول اللہ صلعم کا خلیفہ ہم میں سے ہو۔ کیونکہ اسلام کے لئے ہماری خدمات بے شمار ہیں۔ اس لئے خلافت کا حق ہمارا ہے۔ اور اگر مہاجرین نے یہ بات نہ مانی تو پھر ایک امیر ہمارا ہوگا اور ایک مہاجرین میں سے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بر وقت پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بڑے تحمل اور بردباری سے تقریر کی اور انصار کی خدمات اور فضائل کی تعریف کی اور فرمایا کہ صورتِ حال یہ ہے۔ کہ تمام عرب قریش کے سوا کسی کو امام تسلیم نہیں کرتا خود انصار میں دو قبائل اوس اور خزرج ایک دوسرے کی امارت قبول نہیں کریں گے۔ اس کے علاوہ مہاجرین اوّلین مسلمان ہیں۔ اور رسول اللہ صلعم سے خاندانی تعلقات رکھتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ خلیفہ رسولؐ مہاجرین میں سے ہو اور کہا کہ یہ حضرت عمرؓ ابو عبیدہ بن الجراحؓ کھڑے ہیں۔ ان میں سے کسی کو اپنا امیر چن لو۔ حضرت عمرؓ نے معاملہ سنبھلتے دیکھا اور جلدی سے بڑھکر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور کہا کہ آپ ہی ہم سب میں بزرگ ہیں۔ اور رسول اللہ صلعم کو بہت عزیز تھے۔ دوسرے لوگ بھی بڑھکر بیعت کرنے لگے۔ اور آہستہ آہستہ تمام لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ اوّل تسلیم کر لیا۔ اس طرح حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی فہم و فراست سے ایک بہت بڑا شور و غل ختم ہو گیا۔ اور ایک خطرہ جو نظر آ رہا تھا۔ صاف ٹل گیا۔ حضرت علیؓ نے تقریباً چھ ماہ بعد بیعت کی جس کی وجہ آگے ان کے اپنے حالات زندگی میں آئے گی۔

زمانۂ خلافت

دوسرے روز خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسجد میں تقریر کرتے ہوئے واضح الفاظ میں فرما دیا کہ :۔

"اے لوگو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں، حالانکہ میں تم میں سے سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرنا اور اگر برائی کروں تو میری اصلاح کرنا، سچائی، امانت ہے۔ اور جھوٹ خیانت ہے۔ انشاء اللہ تمہارا کمزور فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کا حق دلا دوں۔ اور انشاء اللہ قوی فرد بھی میرے نزدیک کمزور ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق دلا دوں۔

جو قوم اللہ کی راہ میں جہاد چھوڑ دیتی ہے۔ اللہ اس کو ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔ اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے خدا اس کو مصیبتوں میں پھنسا دیتا ہے۔ میں اللہ اور اس کے رسول صلعم کی اطاعت کروں۔ تو میری اطاعت کرنا اور اگر اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں۔ تو تم بھی میری اطاعت نہ کرنا۔"

مشکلات حضرت ابوبکرؓ صدیق خلیفہ بنے تو بہت سی مشکلات و مہمات امتحان کی صورت میں درپیش تھیں۔ خلیفہ اول نے ایک ایک کر کے اس طرح مشکلات کو دور کیا کہ پھر کبھی ایسی بدامنی اور پریشانی پیدا نہیں ہوئی۔ اور یہ حقیقتاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کا وہ کارنامہ تھا جو تاریخ اسلام میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کے سامنے مندرجہ ذیل مہمات تھیں:-

(۱) آنحضور صلعم کی زندگی کے آخری زمانہ میں ہی بعض جھوٹے لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا جو وقتی طور پہ تو دب گئے۔ لیکن آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد فوراً پھر زور پکڑا اور بدامنی سی پھیلا دی۔

(۲) بعض منافقین اور ضعیف الاعتقاد لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسلام سے پھر گئے۔ اور مرتد ہو کر بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔

(۳) کچھ لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی سے منکر ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے علیحدہ فساد برپا کر رکھا تھا۔

(۴) آنحضرت صلعم نے اپنی زندگی میں ہی جنگ موتہ کے شہدین کے انتقام کے لئے ایک مہم تیار کر رکھی تھی۔ جس کے سپہ سالار حضرت اُسامہ بن زیدؓ مقرر فرما دیتے تھے۔ لیکن یہ لشکر ابھی روانہ نہ ہوا تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ کے ذمے یہ کام بھی تھا۔

لشکرِ اُسامہ بن زیدؓ اگرچہ ہر طرف مشکلات اور خطرات نظر آ رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے سب سے پہلے وہ کام کرنے کا فیصلہ کیا جو آنحضرت صلعم کا آخری کام تھا۔ اور پایہ تکمیل تک پہنچنے سے رہ گیا تھا۔ اس کام کو آپ نے اتنی اہمیت دی کہ باوجودیکہ دوسرے صحابہ کرامؓ نے مخالفت کی اور کہا کہ ہر طرف مخالفت پھیلی ہوئی ہے۔ فوج کو باہر نہیں بھیجنا چاہیئے حضرت ابوبکرؓ نے ایک نہ سنی اور کہا کہ رسول اللہ کا شروع کیا ہوا کام میں ہرگز نہیں روک سکتا۔ اس میں ضرور کوئی مصلحت ہی ہو گی۔ اسامہؓ، حضرت زید بن حارثؓ کے فرزند تھے جو

آنحضرت صلعم کے غلام تھے۔ اسامہؓ کی عمر اس وقت سترہ برس کی تھی حضرت عمرؓ نے اس پر اعتراض کیا کہ اگر یہ مہم بھیجنی ہی ہے۔ تو کم از کم کسی بڑی عمر کے مرد کو سپہ سالار بنا دیا جائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کو بڑی سختی سے جواب دیا۔ کہ کیا میں آنحضرت صلعم کے مقرر کردہ سردار کو ہٹا کر خود اپنی یا تمہاری سمجھ سے نیا سردار مقرر کروں؟

پھر حضرت ابو بکرؓ لشکر کو روانہ کرنے کی غرض سے نکلے۔ حضرت اسامہؓ گھوڑے پر سوار تھے۔ اور حضرت ابو بکرؓ پیدل چل رہے تھے۔ حضرت اسامہؓ نے عرض کیا۔ "یا حضرت! یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا میں بھی نیچے اتر آتا ہوں۔ یہ میرے لئے مناسب نہیں کہ خود سوار ہوں اور آپ پیدل چل رہے ہوں۔" حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، تم سوار ہی رہو اور مجھے، پیدل چلنے دو۔ میرے لئے یہ سعادت ہے۔ کہ میں اس لشکر کے ساتھ پیدل چل رہا ہوں۔" اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے لشکر ذرا روکا اور مندرجہ ذیل ہدایات فرمائیں۔

"خیانت نہ کرنا، مال نہ چھپانا، بے وفائی نہ کرنا، کسی کے اعضاء (ناک کان وغیرہ) نہ کاٹنا۔ بوڑھوں بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، پھلدار درختوں کو مت کاٹنا، کھانے کے علاوہ کسی غرض سے جانوروں کو ذبح نہ کرنا، تارک الدنیا جو خانقاہوں میں بیٹھے ہوں انہیں اپنی حالت پر رہنے دینا، جب لوگ طرح طرح کے کھانے تمہارے سامنے لاکر رکھیں تو اللہ کا نام لے کر شروع کرنا۔ کچھ لوگ ایسے بھی ملیں گے۔ جن کے سروں پر شیطان سوار ہوگا۔ انہیں ختم کر دینا۔"

چنانچہ ۱۱ ربیع الثانی ۱۱ھ کو یہ لشکر مدینہ سے روانہ ہو گیا۔

چالیس روز کے بعد فتح و کامرانی کے ساتھ یہ لوگ واپس مدینہ پہنچ گئے۔ مسلمانوں نے اس لشکر کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ غیر مسلموں کو معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں میں اتنی طاقت ہے کہ عیسائیوں جیسی طاقت ور قوم کو مغلوب کر سکتے ہیں چنانچہ بہت سے قبائل اس فتح کے بعد سہم گئے۔ جو لوگ اس لشکر کو بھیجنے میں تامل کر رہے تھے۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ حضرت ابوبکرؓ کی فراست دور رس نتائج کی حامل تھی۔

فتنۂ ارتداد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی بعض جھوٹے لوگوں نے شرارتیں شروع کر دیں اور کئی لوگ ان کے پیچھے لگ کر مرتد (اسلام سے پھرے ہوئے) ہو گئے۔ بنو اسد کے سردار طلیحہ، بنو تمیم کی ایک عورت سجاح بنت حارث، قبیلہ یمامہ کا سردار مسیلمہ کذاب اور یمن کے قبیلہ قحطان کا سردار اسود عنسی وغیرہ لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اسود عنسی تو رسول اللہ صلعم کی زندگی میں ہی قتل کر دیا گیا اور باقی مدعیانِ نبوت (نبوت کا دعویٰ کرنے والے) بھی کسی نہ کسی حد تک اسلام کی طاقت سے دبے رہے۔

مدعیان نبوت کا خاتمہ

آنحضور صلعم کی وفات کے بعد مدعیانِ نبوت نے پھر زور پکڑا اور بہت سے منافقین اور ضعیف الاعتقاد لوگ ان کے پیچھے ہو گئے۔ یہ فتنہ ارتداد (ترک اسلام) ایک بہت بڑی شورش اور بدامنی کی شکل میں رونما ہوا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے اس طرف سب سے زیادہ توجہ دی۔ آپ نے ان لوگوں سے جہاد کا فیصلہ کر لیا۔ اور سب سے پہلے خود فوجی

دستہ لے کر اُن لوگوں کی سرکوبی کے لئے نکلے۔ مقام ابرق میں بنو عبس کو شکست دی اور اُنہیں وہاں سے بھگا دیا۔ اس کے بعد مقام ذوالقصہ (مدینہ سے بارہ میل نجد کی طرف) میں پہنچ کر قیام کیا اور گیارہ سپہ سالار مقرر فرمائے تاکہ انہیں مختلف مقامات میں مرتدین کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا جائے آپ نے سب سرداروں کو ایک عام حکم نامہ دے دیا جس میں مرتدین کے لیئے اعلان تھا۔ کہ اگر وہ اپنی غلطی اور نادانی سے باز آجائیں اور نشانی کے طور پر یہ کریں کہ جب اسلامی فوج اُن تک پہنچے تو اپنی بستی یا قبیلہ میں اذان دیں۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ مسلمان ہیں ورنہ اگر وہ شیطان کے فریب میں پھنسے رہیں اور راہ راست پر نہ آئیں تو اُن کے اوپر تلوار چلائی جائے چنانچہ مناسب ہدایات کے ساتھ مندرجہ ذیل مدعیان نبوت کی طرف مختلف فوجی دستے روانہ کئے گئے۔

طُلَیحہ بن خُوَیلَد:۔

رسول اللہ صلعم کی وفات کے فوراً بعد بنو اسد کے سردار طُلَیحہ بن خویلد نے موقع دیکھتے ہوئے اپنی نبوت کا اعلان کر دیا۔ قرب وجوار کے قبائل مثلاً بنی طے اور بنی غطفان بھی اس کے ساتھ مل گئے۔ اور اس طرح اس نے خاصہ زور پکڑ لیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے خالد بن ولیدؓ کو فوجی دستے دے کر اس جھوٹے نبی کی سرکوبی کیلیئے روانہ کیا۔ اُدھر حضرت عدیؓ بن حاتم جو مدینہ میں مقیم تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے۔ اور اجازت لیکر اپنے قبیلے بنی طے میں پہنچے اور لوگوں کو سمجھایا کہ اس فتنہ سے باز آئیں۔ طلیحہ اس وقت تک بھی طے کے کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر مقام براخہ میں پہنچ چکا تھا حضرت خالد بھی فوج کے ساتھ بنی طے کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت عدی

نے حضرت خالدؓ سے کہا کہ آپ چند روز ٹھہر جائیں میں نے ان لوگوں کو سمجھایا ہے اور انہوں نے بات مان لی ہے۔ چنانچہ قبیلہ طے کے لوگ اپنے باقی بھائیوں کو جو بزاخہ چلے گئے تھے واپس لے آئے اور تجدید اسلام (دوبارہ اسلام لانا) کر لیا۔ اسی طرح حضرت عدیؓ نے قبیلہ جدیلہ کو بھی دوبارہ مسلمان کر لیا۔ ان دونوں قبائل کے تقریباً ایک ہزار لوگ حضرت خالد کی فوج میں شامل ہو گئے اس کے بعد حضرت خالدؓ بھاری فوج کے ساتھ بزاخہ کی طرف بڑھے اور طلیحہ کو شکست فاش دی۔ طلیحہ ملک شام بھاگ گیا۔ لیکن کچھ عرصے بعد خود ہی شرمندہ ہو کر مدینہ آیا اور مسلمان ہو گیا۔ دیکھ کر بنو اسد کے تمام لوگ پھر اسلام لے آئے۔ اور ان کے قرب وجوار کے لوگ جو مرتد ہو گئے تھے حلقۂ اسلام میں داخل ہونے لگے۔

سجاح بنت حارث:۔

بنو تمیم کی ایک عورت سجاح بنت حارث نے جو نبوت کا دعویٰ کئے بیٹھی تھی۔ اپنے قبیلہ کے ایک شخص مالک بن نویرہ کی مدد سے بنی تغلب کے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور بنو تمیم کے ان لوگوں سے جنگ شروع کر دی جو اس کی نبوت کے قائل نہ تھے۔ لیکن جب نتیجہ کچھ نہ نکلا تو خود بھاگ کر یمامہ کی طرف چلی گئی اور وہاں کے ایک شخص مسیلمہ کذاب سے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہوا تھا شادی کر لی۔ اس وقت تک حضرت خالدؓ بنو تمیم میں پہنچ چکے تھے۔ بنو تمیم کے لوگ اپنی نادانی پر نادم ہوئے۔ اور دوبارہ مسلمان ہو گئے۔ حضرت خالدؓ نے مالک بن نویرہ کی تلاش شروع کر دی۔ بالآخر وہ پکڑا گیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔

مالک بن نویرہ کے قتل کی خبر جب مدینہ پہنچی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کو

یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت خالدؓ نے مالک بن نویرہ کو اُس وقت قتل کیا تھا

جب کہ اُس نے اذان دیدی تھی۔ اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ بعد میں حضرت خالدؓ نے مالک بن نویرہ کی بیوی

سے نکاح بھی کر لیا۔ جواب طلبی پر حضرت خالدؓ نے کہا کہ مالک بن نویرہ نے

قتل کے ڈر سے اذان دی تھی حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا کہ حضرت خالد

کو گرفتار کر لیا جائے لیکن حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ خالد سے غلطی ہو

گئی ہے۔ لہذا اُس کا خون بہا ادا کیا جائے چنانچہ مالک بن نویرہ کا خون بہا ادا کر دیا گیا۔

اس کے بعد بنو تمیم کے سب لوگ اسلام لے آئے اور اُن کے ساتھی
اور حلیف (ہم عہد) لوگ بھی تجدید اسلام کرنے لگے۔

مسیلمہ کذاب:۔

مسیلمہ کذاب بنو حنیفہ کا سردار تھا۔ یمامہ، یہ قبیلہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی زندگی میں ہی مسلمان ہو چکا تھا۔ آپ کی بیماری کے دنوں میں مسیلمہ نے اپنی نبوت

کا اعلان کیا اور آپ کی وفات کے فوراً بعد یہ بھی مشہور کر دیا کہ آنحضرت صلعم نے

مجھے اپنا شریک نبوت بنا لیا تھا۔ اس لئے نصف عرب کا امام میں ہوں۔

حضرت ابو بکرؓ صدیق نے پہلے حضرت عکرمہؓ اور پھر حضرت شرجیلؓ کو

فوجی دستے دے کر مسیلمہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ مسیلمہ کے پاس چالیس

ہزار کی فوج تھی۔ اس لئے مسلمانوں کے یہ دونوں دستے ناکام رہے۔ چنانچہ

حضرت خالد کو فوج دے کر بھیجا گیا۔ خالدؓ پہنچے تو بڑی خونریز جنگ ہوئی لیکن

حضرت خالدؓ کے سامنے مرتدین ٹھہر نہ سکے۔ مسیلمہ کذاب کو وحشی نامی غلام (حضرت حمزہؓ کا قاتل) نے حربہ (چھوٹا نیزہ) پھینک کر گرا دیا اور ایک دوسرے مسلمان نے بڑھکر ٹکڑے کر دیا۔ اسی لڑائی میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہوئے۔

بنو حنیفہ بھاگ کر قلعوں میں پناہ گزین ہو گئے۔ بالآخر جب بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ تو حضرت خالد نے ان شرائط پہ صلح کر لی کہ انہیں قتل نہ کیا جائے اور جو جنگی ہتھیار اُن کے قبضے میں ہیں لے لئے جائیں اور ایک چہارم جنگی قیدی رکھکر باقی چھوڑ دیئے جائیں۔ صلح کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے ایک حکم نامہ حضرت خالدؓ کو ملا کہ بنو حنیفہ کے لڑنے والوں کو قتل کر دیا جائے۔ لیکن حضرت خالدؓ چونکہ پہلے ہی صلح کر چکے تھے۔ اس لئے اپنے عہد پر قائم رہے۔ اس کے بعد بنو حنیفہ راہ راست پر آ گئے۔ اور تجدید اسلام کر لیا۔

اَسوَد عنسی :۔

یمن میں قحطانی لوگ آباد تھے۔ انہی لوگوں کے ایک قبیلہ عنسی کے سردار اسود نے آنحضور صلعم کی زندگی میں (وفات سے تھوڑا پہلے) ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا اور آس پاس کے دیہاتیوں کو پیچھے لگا لیا۔ اسود نے چند ایک قبائل کو بھی شکست دے کر اور زیادہ شہرت حاصل کر لی تھی۔

آنحضرت صلعم نے یمن کے لوگوں کو خط لکھا کہ دین اسلام کو مت چھوڑیں اسود جھوٹا ہے اس لئے اُسے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک شخص فیروز نے رات کے وقت اسود کو قتل کر دیا اور صبح اسی کے مکان پر کھڑے

ہو کر اذان دے دی ۔ اس طرح یمن کا علاقہ اس فتنے سے بچ گیا۔ اور لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کی اطلاع کے لئے قاصد مدینہ کی طرف روانہ کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ جس صبح یہ قاصد مدینہ پہنچا اسی شام کو آنحضرت صلعم نے وفات پائی۔

آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کی خبر سنتے ہی اسود کے بعض حامیوں نے پھر بغاوت کا شوشہ چھیڑنا چاہا لیکن حضرت ابوبکرؓ نے فوراً فوجی دستے بھیج کر اس شورش کا قلع قمع کر دیا اور صنعاء پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ صنعاء کے بعد مسلمان فوج حضرموت کے علاقہ کی طرف بھی گئی۔ اور وہاں کے مرتدین کا خاتمہ کیا۔ حضرموت میں حضرت عکرمہؓ بھی مدینہ سے مزید فوج لے کر پہنچ گئے۔ اس لئے بڑی سختی کے ساتھ مرتدین کا سر دبا دیا گیا۔

مرتدین کی سرکوبی

آنحضور صلعم کی وفات کے بعد کئی علاقوں میں دین اسلام سے پھر گئے ان مرتدین نے اپنے علاقے میں بغاوت اور شورش برپا کر دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں کی سرکوبی کے لئے بھی فوجی دستے بھیجے۔ اور ان کا قلع قمع کیا۔ بحرین کے علاقہ میں نعمان بن منذر نے بغاوت کی مدینہ سے حضرت علاء بن حضرمیؓ فوجی دستے کے ساتھ بحرین پہنچے۔ مرتدین نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ اس معرکہ میں مسلمانوں کے ہاتھ بہت سا مال غنیمت آیا۔

عمان کے علاقہ میں بھی ایسی ہی شورش برپا تھی اور مرتدین کا سردار لقیط بن مالک وہاں کا بادشاہ بن بیٹھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے مدینہ سے حضرت حذیفہ بن محصنؓ اور حضرت عرفجہؓ کو فوجی دستے دے کر روانہ کیا۔ یمامہ سے حضرت عکرمہؓ بھی مدد کے لئے آ پہنچے۔ مرتدین عمان سے جنگ ہوئی

دورانِ جنگ بحرین سے بھی مسلمانوں کو کمک پہنچ گئی۔ چنانچہ مسلمانوں کو فتح ہوئی اور مرتدین کو سختی سے دبا دیا گیا۔

کندہ حضرموت اور ملحقہ علاقوں میں بھی بہت سے لوگ مرتد ہو گئے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں کی سرکوبی کے لئے حضرت عکرمہؓ اور حضرت زیادؓ بن لبید کو بھیجا۔ مرتدین ان بہادر سپہ سالاروں کے سامنے ٹھہر نہ سکے اور شکست کھا کر بھاگے۔

اسی طرح اور کئی علاقوں میں مرتدین نے علم بغاوت بلند کیا لیکن مسلمانوں نے ایک ایک کر کے سب کا خاتمہ کر دیا اور پھر سے اسلام کا دَور دورہ ہو گیا۔

منکرین زکوٰۃ کا قلع قمع!

اس شورش میں مدعیان نبوت کے پیرو تھے اور نہ ہی مرتد تھے۔ بلکہ اُن کا مطالبہ صرف یہ تھا کہ ہم سے زکوٰۃ وصول نہ کی جائے۔ شروع میں تو بعض قبائل نے جو زکوٰۃ دینے سے انکار کر رہے تھے۔ مدینہ میں پہنچ کر حضرت ابوبکرؓ سے درخواست بھی کی کہ ان سے زکوٰۃ نہ لی جائے صرف نماز پڑھوائی جائے ان لوگوں کا خیال تھا۔ کہ اگر خلیفہ اوّل نہ ملنے تو مدینہ پر چڑھائی کر دی جائے اور اسے اپنے قبضہ میں لے لیا جائے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ کی نگاہ بڑی دُور تک پہنچتی تھی انہوں نے معاملہ سمجھ لیا اور مدینہ کی حفاظت کا خوب اچھی طرح بند و بست کر دیا۔ اور پھر خود فوجی دستے لے کر بعض قبائل کو شکست دی اور بعض کی طرف فوجی دستے بھیجے۔ حضرت عمرؓ اور کئی دوسرے صحابہ کرامؓ نے مشورہ دیا کہ منکرین زکوٰۃ کے ساتھ سختی نہ کی جائے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ جو کوئی بھی زکوٰۃ سے منہ موڑے گا میں اُس کے خلاف جہاد کروں گا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ صدیق کی فراست نے یہاں بھی خوب کام کیا اور اس فتنے کو ختم کر دیا۔

فتوحات

عرب کے ہمسایہ ملک ایران، عراق اور روم میں مدت سے بڑی بڑی حکومتیں چلی آرہی تھیں۔ اسلام سے قبل ان حکومتوں نے عرب کی خانہ جنگی سے فائدہ اُٹھایا اور کئی بار عرب کے مختلف علاقوں پر حملے کرکے اپنی حکومتیں قائم کیں۔ ایران اس سلسلے میں سب سے پیش پیش تھا۔ چنانچہ ایران میں اُردشیر قائم کردہ ساسانی سلطنت (۲۲۶ء) کے دوسرے فرمانروا شاپور بن اُر... نے کئی بار عرب میں مہمیں بھیجیں اور حجاز اور یمن کے علاقوں کو ماتحت کرلیا۔ ایرانی حکمران عربوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور ان سے سخت دشمنی رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلعم نے جب دعوت اسلام کے سلسلے میں ایک خط ایران میں نوشیرواں کے پوتے خسرو پرویز کو بھیجا، تو اُس نے خط پھاڑ ڈالا اور غصے کی حالت میں کہا کہ ہمارے تحت ملک کا ایک شخص مجھے ایسا لکھتا ہے۔ اور اپنے حاکم یمن میں کہلا بھیجا کہ فلاں شخص کو پکڑ کر میرے پاس ...

عرب جنگجو تو تھے ہی، کئی بار بغاوت کرتے اور مختلف علاقوں میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کرلیتے گو بعد میں بڑے بڑے عجمی حاکم یہ ریاستیں اُن سے چھین لیتے یا باجگذار (ماتحت) رہنے دیتے۔ عراق میں عربوں نے کئی بار حملہ کیا اور ریاستیں قائم کیں۔

روم کی حکومت بھی ایران کی طرح ایک وسیع اور قوی حکومت تھی اور عربوں سے دیرینہ تعلقات رکھتے تھے۔ شام مصر اور حبش کے علاقے رومی علاقے کے تحت چلے آرہے تھے، بہت سے عربی قبائل رومی علاقوں میں جا بسے تھے اور آہستہ آہستہ عیسائیت قبول کرچکے تھے

شام کے علاقہ میں غسانی سب کے سب عربی قبائل ہی تھے۔ جو وہاں جاکر عیسائی ہو گئے آنحضور صلعم کے زمانے میں جب جنگِ موتہ ہوئی تو انہی عیسائیوں سے مسلمانوں کو ہمیشہ خطرہ رہا۔ جنگ تبوک کی تیاری بھی اس خطرہ کی بنا پر ہوئی اور اسامہ بن زیدؓ والی مہم بھی آنحضور صلعم نے اسی خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے تیار کی تھی۔

یہ سب حالات حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ جب تک ان ممالک کو شکست فاش نہ دی جائے گی۔ مسلمان چین سے نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے ملک کے اندرونی معاملات کے سدھرتے ہی بیرون ملک کے حالات کا جائزہ لیا اور بڑے وسیع پیمانے پر بیرونی دشمنوں اور حملہ آوروں کا سر کچلنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

فتح عراق

ایران اور عرب کی سرحد پر عربی قبیلہ وائل کی ایک شاخ شیبان کا مسلمان سردار مثنیٰ شیبانی کے نام سے مشہور تھا چونکہ سرحد کے عربی لوگ آئے دن ایران کے ستم سہہ چکے تھے اس لئے اس زمانہ میں جبکہ ایران طوائف الملوکی کا شکار بنا ہوا تھا۔ مثنیٰ نے عراق پر حملہ کرنا چاہا۔ چنانچہ اکیلا حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ اسلئے مدینہ پہنچا اور فوجی امداد چاہی۔ حضرت ابوبکرؓ نے مشورہ کے بعد حضرت خالدؓ کو جو اس وقت فتنہ ارتداد سے فارغ ہو کر یمامہ میں پہنچے ہوئے تھے۔ واپس بلایا اور مثنیٰ کے ساتھ ملا کر عراق کی مہم پر روانہ کیا۔ حضرت خالد نے سب سے پہلے ہرمز فرمانروائے عراق کے نام ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا کہ:

"اسلام لاؤ تو محفوظ رہو گے یا ذمی ہو کر جزیہ ادا کرو،

ورنہ نتائج تمہارے اوپر ہونگے۔ میں ایک ایسی قوم کو لایا ہوں

جو موت کو اتنا پسند کرتی ہے جتنا تم زندگی کو چاہتے ہو۔"

ہرمز نے ان حالات کی اطلاع شاہ ایران کو دیدی اور خود مقابلہ کیلئے نکلا
کاظمہ کے مقام پر جنگ ہوئی۔ اور ہرمز مارا گیا۔ خود حضرت خالدؓ نے اسے
قتل کیا، کیونکہ ہرمز نے حضرت خالدؓ ہی کو مقابلہ کے لئے پکارا تھا ایرانی فوج
دم دبا کر بھاگ نکلی۔ اس جنگ میں ایرانیوں نے زنجیروں سے اپنے آپ کو
باندھ رکھا تھا تاکہ کوئی شخص بھاگ نہ سکے۔ اسی نسبت سے اس جنگ کو
ذات السلاسل کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔

اس جنگ میں مسلمانوں کو مال غنیمت کافی ہاتھ آیا۔ حضرت ابوبکرؓ بہت
خوش تھے کیونکہ عراق میں مسلمانوں کو پہلی بار فتح حاصل ہوئی تھی۔ اسی خوشی میں
حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالدؓ کو ہرمز کا طلائی تاج بخش دیا۔ جس کی قیمت
تقریباً ایک لاکھ درہم تھی۔

شاہ ایران نے ہرمز کی مدد کے لئے فوج روانہ کر دی تھی لیکن راستہ
میں مدار کے مقام پر ہی اس فوج کو معلوم ہو گیا کہ ہرمز مارا گیا ہے۔ اور اس
کی فوج بھاگ چکی ہے تو انہوں نے مدار کے مقام پر ہی پڑاؤ ڈال دیا۔ حضرت
خالدؓ بھی مدار کی طرف بڑھے اور پہنچ کر حملہ بول دیا۔ ایرانی سپہ سالار مارا گیا
اور تین ہزار سپاہی بھی کام آئے۔

جنگِ مدار کی شکست سن کر شاہ ایران اور بھی برہم ہوا۔ چنانچہ اس
نے دو بڑی بڑی فوجیں تیار کیں اور ان میں عرب قبائل کے وہ لوگ بھی شامل
کئے جو سرحدوں پر آباد تھے۔ اور عیسائی ہو چکے تھے۔ ایرانی فوج ولجہ
کے مقام پر پہنچ گئی۔ حضرت خالدؓ کو معلوم ہوا۔ تو انہوں نے صورت حال
کا جائزہ لیا۔ اور اپنی فوج کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے کئی ایک مقامات

ین کر دیا اور حکم دیا کہ دورانِ جنگ میں باری باری کمک کی صورت میں
در ہوں۔ مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کے مختلف دستے باری باری نکلنے لگے۔
سپاہی گھبرا گئے اور شکست کھا کر بھاگنے لگے۔
قبیلہ وائل کے عیسائی عرب جو جنگِ دلجہ میں قتل ہوئے ان کا انتقام
کے لئے بہت سے اُن کے قومی بھائی دوسرے سرحدی علاقوں سے
و کر ایرانی فوج میں شامل ہو گئے۔ ایرانی سپہ سالار بہمن جادویہ اس
ی فوج کو لے کر مقام اُلیس پر آگیا۔ یہاں فوج کو ایک شخص جاپان کے
کیا اور خود کمک لینے واپس چلا گیا۔ حضرت خالدؓ بھی خبر پاکر فوج
ساتھ بڑھے اور بہادری سے حملہ کیا۔ بڑی خون ریز جنگ ہوئی۔ ایرانی
لڑتے رہے کیونکہ اُنہیں پیچھے سے کمک پہنچنے کی توقع تھی۔ حضرت خالدؓ
ت جنگی تدابیر اختیار کرتے رہے۔ اور ساتھ ساتھ اللہ سے فتح و نصرت
عا بھی کرتے جاتے۔ آخر مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ دشمنوں کے بہت سے
ی دریائے فرات کے پار لے جاکر قتل کر دیئے۔ مقتولین اتنے
دہ تھے کہ دریا کا رنگ سُرخ ہو گیا۔
جنگِ اُلیس سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ مقام حیرہ کی طرف بڑھے
تہ میں اُمغیشیا کا شہر فتح کیا اور بہت سا مال ہاتھ لگا۔ وہاں سے اسلامی
ج عرب عیسائیوں کی ایک چھوٹی سی ریاست کے صدر مقام حیرہ میں جا پہنچی
و کا حکمران پہلے ہی خوفزدہ ہو کر بھاگ گیا۔ لیکن شہریوں نے شہر کے
وازے بند کر لیئے۔ مسلمانوں نے محاصرہ کیا۔ آخر حضرت ابو بکرؓ
ے حکم سے حضرت خالدؓ نے مندرجہ ذیل شرائط پر صلح نامہ لکھ دیا:۔
۱: اہلِ حیرہ ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ ادا کیا کریں۔

(۲) اس جزیہ کے بدلے مسلمان اہل حیرہ کی حفاظت کریں گے۔
(۳) اگر مسلمان اہل حیرہ کی حفاظت نہ کریں تو ان کے اوپر کوئی جزیہ نہ
(۴) اگر اہل حیرہ بدعہدی کریں تو مسلمان بری الذمہ ہیں۔

صلح کے بعد حضرت خالدؓ حیرہ میں ہی ٹھہرے رہے اور اسے اسلامی فوجی مرکز (فوجی اڈہ) بنا لیا۔ مسلمانوں کا حسن سلوک دیکھ دیکھ کر آس پاس کے لوگوں نے بھی جزیہ دے کر صلح کر لی اور مسلمانوں کی امان میں رہنے لگے۔ اس طرح جنوبی عراق سارے کا سارا مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

تھوڑے ہی دنوں بعد حضرت خالدؓ شمالی عراق میں عیاضؓ بن غنم کی مدد کے لئے روانہ ہوئے اور حیرہ میں اپنا قائم مقام چھوڑ گئے۔ راستے میں شہر انبار کو فتح کرنا چاہا۔ انبار کے لوگ قلعوں میں گھس گئے۔ حضرت خالدؓ نے محاصرہ کر لیا۔ شہر فصیل سے گھرا ہوا تھا اور چاروں طرف خندق سے محفوظ بھی تھا۔ ایک جگہ سے خندق کی چوڑائی قدرے کم تھی حضرت خالدؓ نے حکم دیا کہ اپنے کمزور اور دبلے پتلے اونٹ ذبح کر کے خندق کے اس حصے کو پر کر دیا جائے۔ چنانچہ مسلمان خندق پار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ایرانی گھبرا گئے۔ اور ہتھیار ڈال کر باہر نکل آئے۔

حضرت خالدؓ نے انبار فتح کیا تو معلوم ہوا کہ عین التمر کے مقام پہ دشمن کی فوج مقابلہ کے لئے جمع ہے۔ چنانچہ حضرت خالدؓ تیزی سے اس جانب بڑھے۔ عین التمر کے حاکم مہران پسر بہرام نے کئی عرب قبائل ساتھ ملا لئے۔ ان عیسائی عربوں کا سپہ سالار عقہ تھا۔ جو سب سے پہلے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے میدان جنگ میں اترا۔ حضرت خالدؓ نے عقہ کو گرفتار کر لیا اور باقی فوج شکست کھا کر بھاگ نکلی۔ مہران بھی خوف

ہؤا۔ اور حضرت خالدؓ کے پہنچنے سے پہلے ہی بھاگ گیا۔ مسلمانوں نے تمام جنگی قیدیوں کو قتل کر دیا۔

شمال عراق میں **دومتہ الجندل** شہر بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ یہ شہر عرب سے شام جانے والے راستہ میں بھی پڑتا تھا اور حیرہ سے عراق جاتے ہوئے بھی راستہ میں آتا تھا۔ سیاسی اعتبار سے اس شہر کو فتح کرنا بہت ضروری تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکرؓ نے عیاضؓ بن غنم کو پہلے سے ہی دومتہ الجندل کی تسخیر کے لئے روانہ کر دیا ہوا تھا۔ عیاض بنؓ غنم نے حضرت خالدؓ کو خط لکھا کہ دومتہ الجندل پہنچ جائیں۔ حضرت خالد پہلے روانہ ہو چکے تھے۔ دومتہ الجندل کے رئیس الیدیر بن عبد الملک نے جب حضرت خالدؓ کی فوج کی خبر سُنی تو لوگوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ خالدؓ کے سامنے آپ لوگ قطعاً نہیں ٹھہر سکیں گے اس لئے بہتر یہی ہے کہ ان سے صلح کر لو۔ لوگوں نے بات نہ مانی اور اکیدر ناراضی کی صورت میں دومتہ الجندل چھوڑ کر چلا گیا۔ یاد رہے کہ اکیدر وہی ہے جو غزوۂ تبوک کے موقع پر قید ہوا اور حضرت خالدؓ نے اُسے اور چار سو دوسرے قیدیوں کو آنحضور صلعم کے سامنے پیش کیا اور آنحضورؐ نے اکیدر کی جان بخشی کی تھی۔ لیکن میں خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ سے بدعہدی کی اور خود مختار بن بیٹھا تھا۔

آخر حضرت خالدؓ ایک لمبی مسافت طے کرتے ہوئے دومتہ الجندل پہنچ گئے۔ دونوں سپہ سالاروں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ دشمن نے تنگ آکر ہتھیار ڈال دیئے اور شکست کھائی کیونکہ وہ مجبور تھے اور مسلمان قلعہ کا دروازہ توڑ چکے تھے۔ حضرت خالدؓ نے بنی کلب کے لوگوں کو چھوڑ دیا کیونکہ وہ مسلمانوں سے امان مانگ چکے تھے۔ اور عاصمؓ تمیمی نے

حلیف ہونے کی وجہ سے امان دیدی تھی۔ لیکن باقی لڑنے والوں کو قتل کردیا۔
دومتہ الجندل کی فتح کے بعد حضرت خالدؓ حیرہ واپس چلے آئے یہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ بیرون عرب کے لوگ اکٹھے ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت خالدؓ نے دو فوجی دستے تیار کیٔے اور حصید اور خنافس کے مقامات کی طرف بھیج دیئے۔ یہ فوجیں جب وہاں پہنچیں تو ایرانی بھاگ گئے اور مقام مصیح کی طرف چلے گئے۔ حضرت خالدؓ خود وہاں فوج لیکر مصیح پہنچے اور ایرانیوں کو شکست دی اور تمام لڑنے والوں کو قتل کر ڈالا یہ دیکھ کر آس پاس کے قبائل بھی خوفزدہ ہو گئے۔ لیکن حضرت خالدؓ نے سوائے صلح کرنے والوں کے سب کے ساتھ جنگ کی۔ قبیلہ تغلب پر شب خون مارا اور دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ارد گرد کے علاقے سہم گئے اور اطاعت قبول کر لی۔

اس کے بعد حضرت خالدؓ کو معلوم ہوا کہ مقام فراض میں ایرانی رُومی اور عرب فوجیں جمع ہیں۔ جو مسلمانوں پر حملہ کرنے کیلئے تیار کھڑی ہیں۔ شہر فراض نہایت اہم جگہ تھی۔ یہ شہر شام، عراق اور عرب تینوں ملکوں کی سرحدوں پر واقع تھا۔ حضرت خالدؓ سیف اللہ (اللہ کی تلوار) تو تھے ہی (یہ لقب حضرت خالدؓ کو آنحضرت صلعم نے اس وقت دیا تھا۔ جب وہ جنگ موتہ میں بڑی بہادری سے لڑے اور دشمنوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا، حالانکہ مسلمان نہایت قلیل تعداد میں تھے) بڑی سے بڑی فوج سے بھی دبنے والے نہیں تھے۔ فوراً فراض کی طرف چل نکلے۔ دشمنوں کی فوجیں دریائے فرات کو پار کر کے حضرت خالد کی طرف بڑھیں بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ آخر دشمن بھاگ نکلا۔ پیچھے دریا تھا۔ تقریباً سب قتل ہوئے

اندازہ ہے کہ ایک لاکھ کے قریب دشمن مارے گئے۔ یہ واقعہ ۱۵ ذیقعد ۱۲ھ کا ہے حضرت خالدؓ دس روز تک فراض میں ہی ٹھہرے اور اس کے بعد حیرہ کو واپس ہوئے۔ اسلامی فوج کو عاصم بن عمرو کی رہنمائی میں دے دیا اور خود حضرت خالدؓ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کیلئے چند آدمیوں کے ساتھ مکہ پہنچے اور فریضۂ حج ادا کیا۔ اس حج کا سوائے حضرت خالدؓ کے چند ساتھیوں کے کسی کو علم نہ تھا۔ کیونکہ جب وہ فراض سے روانہ ہوئے تو فوج کو یہی معلوم تھا کہ حضرت خالدؓ پیچھے پیچھے چلے آرہے ہیں۔ اور ادھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھی اطلاع نہ دی۔ حضرت خالدؓ نے یہ سب سلسلہ چپکے چپکے اس لئے کیا کہ دشمنان اسلام کو ان کی حیرہ سے غیر حاضری کا علم نہ ہوجائے۔ اور وہ ان کی عدم موجودگی میں حیرہ اور ملحقہ علاقہ جات میں حملہ نہ کردیں۔ اس کے باوجود حضرت خالدؓ اتنی تیزی کے ساتھ مکہ پہنچے اور حج کرکے واپس حیرہ پہنچ گئے۔ کہ ابھی اسلامی فوج جو فراض سے چلی ہوئی تھی۔ حیرہ میں داخل ہورہی تھی۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کل چودہ ماہ تک عراق میں رہے۔ جنگِ فراض کے تھوڑے ہی عرصے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حکم بھیجا کہ تسخیرِ شام کے لئے تیار ہوجائیں۔

فتح شام — غساب شام کے غسانی حکمران عیسائی تھے اور مدت سے رومی بادشاہوں کے تحت چلے آرہے تھے۔ شام کی اس سرحد کی طرف سے مسلمانوں کو ہمیشہ خدشہ رہا کیونکہ عیسائی حکمران مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں جب آپ نے شرجیل ابن عمرو غسانی کے نام دعوت اسلام کے سلسلے میں خط بھیجا تو شرجیل نے آنحضرت صلعم

کے قاصد کو قتل کر دیا اور خط کو پھاڑ ڈالا۔ مقتول قاصد کے قصاص میں ہی جنگ موتہ ہوئی تھی۔ پھر تبوک کا واقعہ بھی اسی سلسلے میں پیش آیا۔ اور آنحضور صلعم نے آخری دنوں اپنی علالت کی حالت میں بھی یہی خطرہ محسوس کرتے ہوئے ایک مہم تیار کروائی تھی۔ جس کے سردار اسامہ بن زید مقرر کیے گئے تھے یہ مہم رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق نے روانہ کی۔ حضرت اسامہ فتح و کامرانی کے ساتھ شام سے واپس لوٹے لیکن عرب کو پھر بھی رومیوں اور گرد و نواح کے عیسائیوں سے خطرہ رہتا تھا کیونکہ وہ بڑے پیمانے پر مسلمانوں کو ختم کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

جب شام کی طرف سے خطرہ زیادہ بڑھ گیا تو حضرت ابوبکر صدیق نے صحابہ کو جمع کر کے مشورہ کیا اور چار بڑے بڑے سردار عمرو بن عاص، ابو عبیدہ بن جراح، یزید بن ابی سفیان اور شرجیل بن حسنہ مقرر فرمائے۔ پھر ہر ایک سردار کو فوجی دستے دے کر جن کی مجموعی تعداد ۳۶ ہزار تھی، شام کی سرحد کی طرف روانہ کر دیا۔ رومی حکمران بھی اطلاع پاکر بھاری فوجیں لیکر نکلے۔ ہرقل (شاہ روم) اُس وقت مقام حمص میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس نے اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ مسلمانوں کے فوجی دستے علیحدہ علیحدہ سرداروں کی رہنمائی میں آ رہے ہیں کوشش کی جائے کہ انہیں اکٹھا ہونے کا موقع نہ ملے اور علیحدہ علیحدہ ہر ایک کو شکست دی جائے۔ مسلمان سپہ سالار جب سرحد شام پہ پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ دشمن کی فوج اُن کی اپنی فوج سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اور وہ مسلمانوں سے علیحدہ علیحدہ لڑنے کی تیاریوں میں ہیں۔ چنانچہ مسلمان سپہ سالاروں نے باہم مشورہ کر کے حضرت ابوبکر کو مدینہ میں اطلاع دی کہ مزید فوج بھیجی جائے۔ حضرت ابوبکر

نے حضرت خالدؓ کو عراق میں پیغام بھیجا کہ فوراً فوج لے کر یرموک کے مقام پر اپنے دوسرے بھائی سپہ سالاروں کی مدد کے لئے پہنچ جائیں، ادھر سرحد شام پر اطلاع بھیج دی کہ خالدؓ آرہے ہیں۔ اور یرموک میں میں جمع ہو جائیں۔ حضرت خالدؓ اطلاع پاتے ہی اپنی جگہ مثنیٰ بن حارثہؓ کو مقرر کر کے دس ہزار کے فوجی دستے کے ساتھ تیزی سے یرموک کا رُخ کیا۔ راستہ بڑا کٹھن تھا لیکن خلیفہ اوّلؓ کے حکم اور دشمن کا سر کچلنے کے شوق نے حضرت خالدؓ کو بہت جلد یرموک میں پہنچا دیا۔ خالدؓ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ گو چاروں مسلمان سپہ سالار یکجا جمع ہیں۔ لیکن ہر ایک اپنی تدبیر سے لڑنا چاہتا ہے۔ انہوں نے اپنی فوجوں اور دشمن کی فوجوں کا جائزہ لیا اور چاروں سپہ سالاروں کو جمع کر کے مندرجہ ذیل تقریر کی۔

"آج کا دن ایک یادگار رہے گا۔ آج کے دن فخر غرور، تکبر، شرارت اور سرکشی سب کو چھوڑ دو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ صرف اللہ ہی کی خوشنودی کے لئے لڑو کیونکہ پھر کبھی ایسا نازک موقع نصیب نہ ہوگا۔ آج تمہیں ایک بہت بڑی طاقت سے برد آزما ہونا ہے اور دشمن بڑی عمدہ ترتیب اور نظام کے ساتھ سامنے کھڑا ہے ہمارے لئے مناسب نہیں کہ ہم اس طرح منتشر حالت میں دشمن سے لڑیں آج صرف مصلحت کی خاطر وہ کام کرو۔ جس کا تمہیں حکم نہیں ملا۔"

اسلامی فوج سمجھ گئی کہ خالدؓ کیا چاہتے ہیں۔ سب نے کہا جیسا آپ

مناسب سمجھیں کر لیں۔ حضرت خالدؓ نے کہا میں چاہتا ہوں کہ ہم سب باری باری سردار بنیں اور سب سے پہلے مجھے سردار بنا دو۔ سب اس بات کو منظور کر لیا۔ چنانچہ حضرت خالدؓ نے فوج کو از سر نو ترتیب دیا اور ساری فوج کو ۳۸ حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ۱۸ دستے قلب (درمیان) میں ابو عبیدہؓ کی نگرانی میں تعین کئے۔ دس دستے میمنہ (دائیں جانب) پر رکھے اور ان کے سپہ سالار عمرو بن عاصؓ اور شرجیلؓ بنائے۔ دس دستے یزید بن ابی سفیانؓ کی رہنمائی میں میسرہ (بائیں جانب) پر کھڑے کئے۔ ابو سفیان بن حربؓ ہر دستے کے پاس جا جا فرماتے :۔

"اے مسلمانو! تم حامیان اسلام ہو اور عربوں کے قابل فخر مرد۔ اُدھر رومی مشرک لوگ ہیں۔ اور اپنی قوم کے محافظ اے اللہ! آج تیرے نام پہ لڑا جا رہا ہے اس لئے تو بھی مسلمانوں کی مدد فرما۔"

اسی اثنا میں حضرت خالدؓ بھی اسلامی فوج کا جائزہ لے رہے تھے کہ ایک فوجی کو دشمن کی فوج سے سہما ہوا پایا۔ حضرت خالدؓ بولے "مسلمان بہت زیادہ کم ہیں اور رومی بہت کم ہیں۔ گھبراؤ نہیں، کمی یا زیادتی تو پر منحصر نہیں بلکہ شکست یا فتح پہ ہے۔

اب دونوں فوجیں نہایت ترتیب کے ساتھ جنگ کے لئے تیار تھیں۔ حضرت خالدؓ کے حکم سے دائیں اور بائیں دستوں نے دشمن پہ تیر اندازی شروع کی۔ دشمن نے بھی حرکت کی۔ حضرت خالدؓ جلدی سے درمیانی حصہ فوج لے کر آگے بڑھے اور دشمن میں جا گھسے۔ گھمسان کا رن پڑا۔ رومی سوار ایک جانب کو بھاگے۔ مسلمانوں نے انہیں بھاگنے کا مو

دیا اور خود اپنی جگہ پر قائم رہے۔ پھر فوراً حملہ کر کے پیادہ فوجوں پر جا پڑے۔ رومی سپاہ پیچھے کو بھاگ نکلی۔ پشت پر پہاڑ تھا اور ایک طرف دریا (یرموک) اس لئے رومیوں کی بہت بڑی تعداد دریا میں غرق ہو گئی۔ تاریخ طبری کا بیان ہے۔ کہ یہاں رومیوں کے ایک لاکھ بیس ہزار سپاہی دریا میں ڈوب مرے اس جنگ میں مسلمان خواتین نے بھی کافی حصہ لیا انہوں نے بہادری کے خوب جوہر دکھائے اور دشمن کے بہت سے آدمی اپنے ہاتھوں سے قتل کیے۔ یرموک میں مسلمان شہداء کی تعداد تقریباً تین ہزار تھی۔

دورانِ جنگ (یرموک) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینہ میں وفات پاگئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ دوم بنے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً اطلاع حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو بھیج دی اور لکھ بھیجا کہ اس جنگ کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی جگہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ عام سپہ سالار مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو پیغام ملا تو انہوں نے مصلحت کی خاطر خط صرف حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو دکھایا کہ جنگ کے بعد اپنی سپہ سالاری کا اعلان کر دیں تاکہ فوج میں بد دلی نہ پھیل جائے۔

جنگ یرموک سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ جنگ میں تعداد اتنی اہمیت نہیں رکھتی جتنی ایمان اور یقین۔ مسلمانوں کو اپنے اوپر یقین ہوتا تھا کہ وہ اللہ کی راہ میں لڑ رہے ہیں۔ اس لئے انہیں موت سے ڈرنا نہیں بلکہ وہ موت کی خواہش (شہادت) دلوں میں رکھتے ہوئے اور اللہ کی مدد کا یقین لئے ہوئے دشمن پر کود پڑتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ فتح و کامرانی ان کے قدم چومتی تھی۔ نیز اس جنگ سے عربوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے اور بڑی سے بڑی کافر سلطنت کو شکست دینا آسان نظر آنے لگا۔

نظامِ حکومت

آنحضرت صلعم کا نائب (خلیفہ) ہونے کی حیثیت سے حضرت ابو بکرؓ نے پہلی اسلامی جمہوریت کی داغ بیل ڈالی۔ خود اُن کا انتخاب بھی جمہوری طریق پہ ہوا تھا۔ آپ تمام کام صحابہؓ کے مشورہ سے طے کرتے اسی لئے آپؓ نے حضرت عمرؓ، حضرت عثمان، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ جیسے بڑے بڑے صحابہ کو ہمیشہ اپنے پاس مدینہ میں رکھا تاکہ بوقت ضرورت فوراً مشورہ کے لئے بلوایا جاسکے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ والی مہم جب روانہ ہونے لگی تو حضرت عمرؓ بھی ساتھ تھے۔ (کیونکہ انہیں آنحضرت صلعم نے خود نامزد کیا ہوا تھا) تو آپ نے حضرت اُسامہؓ سے درخواست کی کہ حضرت عمرؓ کو مدینہ میں چھوڑ دیا جائے۔ تاکہ مشورہ وغیرہ میں دقت نہ ہو چنانچہ اُسامہ نے آپ کی درخواست منظور کی اور حضرت عمر مہم کے ساتھ نہ گئے شام کی سرحد پہ جب خطرہ بہت بڑھ گیا۔ تو حضرت ابو بکرؓ نے تمام صحابہ کو جمع کیا اور مشورہ کرکے فوراً چار سپہ سالاروں کے تحت فوج روانہ کی۔ اسی طرح دوسرے تمام اہم امور میں آپ نے ہمیشہ باہمی مشورہ سے فیصلہ کیا۔

ملکی نظام حضرت ابوبکرؓ صدیق کی حکومت دراصل عرب کے علاقہ پہ ہی تھی کیونکہ اُن کے عہد میں بیرونی علاقوں کی فتوحات ابھی شروع ہی ہوئی تھیں۔ ملک عرب کو آپ نے مختلف صوبوں میں تقسیم

ے کے ہر ایک میں علیحدہ حاکم یا امیر (گورنر) مقرر کر دیا۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ
ی صوبے کا حاکم مقرر فرماتے وقت اسے اچھی طرح پند و نصیحت کرتے کہ
رف اللہ اور رسول کی پیروی کرنا اور معاملات میں دیانت داری برتنا ورنہ
م بھی سزا کے مستحق ہو گے۔ صوبے مندرجہ ذیل تھے:۔

۱۔ مکہ:۔ یہاں عتاب بن اسیدؓ گورنر تھے۔
۲۔ طائف:۔ عثمان بن ابی العاصؓ یہاں کے حاکم تھے۔
۳۔ صنعاء:۔ اس جگہ حضرت اُمیہؓ امیر تھے۔
۴۔ حضرموت:۔ یہاں زیاد بن لبیدؓ حاکم مقرر ہوئے۔
۵۔ بحرین:۔ علاء بن حضرمیؓ اس جگہ گورنر بنا کر بھیجے گئے۔
۶۔ خولان:۔ یہاں یعلیٰ بن امیہؓ امیر تھے۔
۷۔ زبید:۔ یہ یمن کا علاقہ تھا۔ یہاں ابو موسیٰ اشعریؓ حاکم مقرر کئے گئے
۸۔ نجران:۔ یہاں جریر بن عبداللہ حاکم تھے۔
۹۔ جرش:۔ اس جگہ کے امیر عبداللہ بن ثورؓ تھے۔

ان تمام صوبوں میں امیر (گورنر) کے ذمہ مقدمات کے فیصلے، حدودِ شرعیہ (شرعی سزائیں) کا جاری کرنا اور اقامت نماز کے کام ہوتے تھے۔
دارالخلافہ (مدینہ) میں حضرت ابو بکرؓ نے تقریباً تمام بڑے بڑے شعبوں کے عہدیدار مقرر کر رکھے تھے۔ مثلاً حضرت عمرؓ قاضی کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ شام کی مہم سے پہلے افسر مال تھے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کاتب تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنا وزیر مقرر نہیں فرمایا تھا، حضرت عمرؓ صرف بحیثیت مشیر (مشورہ دینے والا) کام کرتے تھے۔

حضرت ابو بکر صدیق رض خلیفہ منتخب ہو جانے کے تقریباً چھ ماہ بعد تک تجارت کر کے اپنا گزارہ کرتے رہے لیکن جب حکومت کا کام بہت بڑھ گیا اور تجارت کرنا دشوار ہو گیا تو تجارت چھوڑ دی اور گھر کے خرچ کے لئے ایک معمولی رقم بیت المال سے لیا کرتے تھے۔ جس سے صرف گزارہ ہو سکے یہ معمولی رقم بھی آپ پر گراں گزرتی تھی۔ اور شاید یہ خیال فرماتے ہوئے کہ اس رقم کے عوض میں امت کے لئے پوری خدمت نہیں کر سکا انہوں نے وفات کے قریب وصیت کر دی۔ کہ میرے بعد میری فلاں زمین فروخت کر کے جو رقم میں نے بیت المال سے لی ہے واپس دے دی جائے۔

مالی نظام

آنحضرت صلعم کے عہد میں جو رقم وصول ہوتی اسی وقت خرچ کر دی جاتی۔ اس میں سے سامان جنگ خریدا جاتا اور باقی لوگوں میں تقسیم ہو جاتی۔ یہی طریقہ حضرت ابو بکر رض کے عہد میں رہا اور مالی انتظام باقاعدہ رقم جمع کر کے آہستہ آہستہ خرچ کرنے کا نہ تھا۔ حضرت خلافت کے آخری حصے میں ایک بیت المال تعمیر کروایا تھا لیکن اس میں بھی کوئی بھاری رقم جمع ہونے کا موقع نہ آیا۔ حضرت عمر رض نے اپنی خلافت میں مقام سنخ بیت المال کا جب جائزہ لیا تو معلوم ہوا، کہ شروع سے اب تک وہاں تقریباً دو لاکھ دینار جمع ہوئے تھے لیکن ساتھ ساتھ خرچ کر دیئے جاتے تھے۔ اس لئے بیت المال سے صرف ایک درہم نکلا۔

فوجی نظام

رسول اللہ صلعم کے عہد میں بھی باضابطہ فوجی نظام نہ تھا۔ ضرورت کے وقت فوج جمع کر لی جاتی تھی بلکہ مسلمان خود ہی شوق جہاد کی خاطر اپنا نام پیش کر دیتے تھے۔ کم و بیش یہی حال حضرت ابو بکر رض کے عہد میں تھا۔ صرف اتنا اضافہ ضرور ہوا کہ حضرت ابو

ج کی روانگی کے وقت مختلف دستوں کے مختلف امیر مقرر کر دیتے تھے اور
سب پر ایک کمانڈر انچیف (امیر الامراء) بنا دیتے۔ حضرت خالدؓ عہد
یقیؓ کی تمام فوجوں کے کمانڈر انچیف تھے۔ اور انہوں نے فوج میں
ید اصلاح یہ کی کہ جنگ کے وقت فوجوں کی صف بندی نہایت عمدہ ترتیب
نظام کے ساتھ کر دیتے اور اُنہیں اپنے اپنے وقت پر حملہ آور ہونے
لم دے دیتے اس سے فوج خونریز لڑائی کی حالت میں بھی ثابت قدم رہتی
ابتری کو حتی الامکان ختم کر دیا۔

آنحضرت رسول اللہ صلعم ہمیشہ فوج کی اخلاقی تربیت پر خاص خیال رکھتے
نکہ لڑائی تو ایک ناگزیر صورت ہوتی تھی۔ ورنہ اسلام اخلاق اور
سلوک کے ذریعے پھیلایا جاتا۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق بھی فوج کی اخلاقی
بیت سے کبھی غفلت نہ برتتے۔ جب کوئی فوجی دستہ کہیں روانہ کیا جاتا
حضرت ابوبکرؓ ایک فاصلے تک ساتھ پیدل جاتے اور فوج کو پند و
ہمت فرماتے کہ تارک الدنیا عبادت گزار لوگوں کو ان کی اپنی حالت پر
دینا۔ بچے، عورتوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنا۔ پھلدار درختوں کو نہ
نا، نہ جلانا۔ آبادی کو ویران نہ کرنا۔ کھانے کی غرض کے سوا جانوروں کو
ار ذبح نہ کرنا اور مال غنیمت میں خرد برد نہ کرنا۔

سامانِ جنگ اُس رقم کے ایک حصے سے فراہم کیا جاتا تھا جو مختلف
رائع سے وصول ہوتی تھی۔ مال غنیمت کو مستحق لوگوں پر خرچ کرنے کے
بعد جو رقم بچ جاتی اُسے بھی فوج پر خرچ کیا جاتا۔ فوجی گھوڑوں اور اونٹوں
کے لئے مخصوص چراگاہیں بنائی گئی تھیں۔ مقام بقیع میں اسی نوعیت کی سب
سے بڑی چراگاہ تھی۔

فوجی مرکزوں اور چھاؤنیوں کا خود معائنہ حضرت ابوبکرؓ کیا کرتے
کسی قسم کی خرابی نظر آتی تو اُسے درست کروا دیتے۔ اخلاق اور اسلامی
رواداری کی نصیحت فرماتے۔ نظم و ضبط کا سبق دیتے اور فوج کے حوصلے
بلند رکھنے کی خاطر بڑے بڑے فصیح لوگوں کو فوجی دستوں میں گھوم کر
انہیں ملی جوش دلانے پر مقرر کرتے۔ عام طور پر ہر لڑائی سے پہلے
انفال پڑھ کر سنائی جاتی تاکہ لوگ لڑائی کے مقصد اور مال غنیمت
مصارف (خرچ کرنے کی جگہیں) کو خوب سمجھ لیں اور مال خُرد بُرد نہ کریں

حکام کی دیکھ بھال

حضرت ابوبکرؓ گو بڑے حلیم طبع اور نرم
انسان تھے لیکن ملک کے نظم و نسق اور ملکی
معاملات میں بڑے سخت اور اولوالعزم تھے۔ حکام کی غلطی کو درگزر
کرنے کی بجائے انہیں ڈانٹتے کہ تمہارا اخلاق سب سے عمدہ ہونا چاہیے۔
حضرت خالدؓ نے منکرین زکواۃ کی سرکوبی کے سلسلے میں مالک بن نویرہ
اُس وقت قتل کیا تھا جب کہ اُس نے اذان دے دی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ
سخت ناراض ہوئے خالدؓ کو ڈانٹا اور خود مالک بن نویرہ کا خون بہا ادا کیا

تعزیر و حدود

پولیس وغیرہ کا باقاعدہ انتظام نہ تھا بہرکیف جہاں
کسی بدعنوانی اور جرم کی خبر ملتی فوراً دربار خلافت
سے آدمی بھیج دیئے جاتے۔ کوشش کی جاتی کہ لوگوں کو نصیحت اور اخلاق
کے ذریعے بدکاری سے روکا جائے۔ لیکن اگر کوئی کھلم کھلا بدکاری
کرتا یا اپنے جرم کا خود اعلانیہ اعتراف کر کے سزا کا طلبگار ہوتا تو اُسے
ضرور سزا دی جاتی۔ بعض جرموں کی سزا جو آنحضرت صلعم کے عہد میں
کی نوعیت کے مطابق طے ہوتی تھی خلیفہ اوّل نے مخصوص کر دی مثلاً

...نے والے کو چالیس درّوں کی سزا لازماً بھگتنی پڑتی۔ اگر کسی سے کوئی ایسا ...م سرزد ہوتا جس کی قرآن وحدیث میں سزا نہ ملتی تو صحابہ کرامؓ سے مشورہ ...جاتا اور متفقہ طور پہ سزا عائد کی جاتی۔ رہزنوں اور ڈاکوؤں کو عبرتناک ...ائیں دی جائیں۔ اگر کسی صوبہ کا حاکم کسی کو غلط یا زیادہ سزا دے دیتا ...حضرت ابوبکرؓ اس حاکم کو متنبہ کرتے کہ تمہاری دی ہوئی سزائیں فلاں ...لی تھی اور فلاں کی۔ بہرحال آئندہ سوچ سمجھ سے کام لینا ورنہ تم بھی سزا کے ...تحق ہو گے۔

...کمۂ افتاء عہد صدیقی میں مذہبی مسائل کی تحقیق اور حل وجواب کے سلسلے میں محکمۂ افتاء بھی قائم تھا۔ اس میں بڑے بڑے ...حابہؓ مثلاً حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ ...ن عوف، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زیدؓ ...ن ثابت علماء دین کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ اور یہی حضرات فتوے ...یعنی مسئلے کا مذہبی حکم، دینے کے مجاز تھے۔

ذمی رعایا کی حفاظت ذمی (اسلامی حکومت میں غیر مسلم لوگ) لوگوں کی پوری پوری حفاظت ہوتی تھی۔ ...ان کے مذہبی، معاشرتی، شہری اور تمام دوسرے حقوق بالکل ویسے تھے ...جیسے مسلمانوں کے اپنے۔ انہیں اجازت تھی کہ پوری آزادی کے ساتھ ...اپنے مذہبی فریضے ادا کریں۔ اور تہوار منائیں۔ غیر مسلم رعایا کی اس ...حفاظت کے عوض میں ان سے ایک ٹیکس لیا جاتا تھا۔ جسے جزیہ کہتے ہیں۔ ...جزیہ کی شرح بہت کم رکھی گئی تھی۔ تاکہ آسانی سے ادا کر سکیں اور جو غیر ...مسلم جزیہ ادا نہ کر سکتے تھے۔ انہیں معاف کر دیا جاتا۔ چنانچہ جب حیرہ ...فتح ہوا۔ تو سات ہزار ذمیوں میں کل چھ ہزار سے جزیہ لیا جاتا۔ باقی نادار اور مفلس

ہونے کی وجہ سے مستثنیٰ تھے۔ بلکہ بعض نادار اور مفلس ذمیوں کی مالی مدد بھی کی جاتی تھی

خدمت دین

جمع قرآن فتنۂ ارتداد کو دبانے کے سلسلے میں جنگ یمامہ بھی جس میں بنو حنیفہ مسیلمہ کذاب کی حمایت میں مسلمانوں کے ساتھ بڑی ثابت قدمی سے لڑے۔ اس خونریز جنگ میں مسلمانوں کے شہدا میں سے حفاظ قرآن بھی تھے۔ حضرت عمرؓ نے سوچا کہ فتنہ و فساد ہر طرف پھیلا ہے ہر روز جنگ جاری رہتی ہے۔ اور اگر اسی طرح حفاظ قرآن شہید ہوتے رہے۔ تو ایسا نہ ہو کہ قرآن کا کوئی حصہ ضائع ہو جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ یہ معاملہ ہے کہ اس لئے میری رائے ہے۔ کہ قرآن کے مختلف حصوں کو اکٹھا کیا جائے اور اسے محفوظ کر لیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے تامل کے ساتھ جواب دیا۔ کہ جو کام خود رسول اللہ صلعم نے نہیں کیا وہ میں کر لوں۔ حضرت عمرؓ برابر اصرار کرتے رہے اور آخر حضرت ابوبکرؓ بات کی پا گئے اور حضرت زید بن ثابت کو حکم دیا کہ قرآن مجید کو جمع کیا جائے۔ اس طرح متفرق حصوں کو جمع کر کے قرآن کو کتاب کی شکل میں لکھوا دیا۔ یہ نسخہ (قرآن) حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس رہا۔ پھر ان کے بعد ان کی بیٹی حضرت حفصہ (ام المومنین) کی حفاظت میں رہا۔ پھر حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں اہتمام سے اور نقلیں تیار کروا کے بیرون عرب اسلامی ممالک میں بھجوائیں۔

خدمت حدیث جمع قرآن کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ نے حدیث (رسول اللہ صلعم کے اقوال یا خبر) کی بھی عمدہ خدمت کی۔

لوگوں کو نصیحت فرماتے کہ حدیث بیان کرنے سے پہلے اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو تاکہ اختلاف کی صورت میں جھگڑا نہ پیدا ہو۔ چنانچہ ایسے معاملات میں جہاں قرآن اور سنت (رسول اللہ صلعم کا طریقہ) میں فیصلہ کے لئے کوئی چیز نہیں ملتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ اعلان کروا دیتے کہ جس شخص نے رسول اللہ صلعم سے فلاں فلاں معاملے میں کوئی بات یا فیصلہ سنا ہو وہ آکر روایت کرے۔ پھر آپ ایسی روایت کی باقاعدہ تصدیق کرواتے اور تب اس معاملے کا فیصلہ فرماتے۔

اشاعتِ دین حضرت ابوبکر صدیقؓ شروع سے ہی اشاعتِ دین میں پیش پیش رہے۔ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو فوراً بعد تبلیغ اسلام شروع کر دی۔ چنانچہ آپ ہی کی وجہ سے آپ کے کئی دوست و احباب اسلام لائے۔ حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ بن عوام، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح، حضرت ارقم مخزومی اور ایسے ہی دوسرے اصحاب حضرت ابوبکرؓ کی وجہ سے مسلمان ہوئے۔

پھر اپنے عہد میں حضرت ابوبکرؓ نے جس جوش و خروش سے اشاعتِ دین کیا وہ چھپا ہوا نہیں ہے۔ یہ اشاعتِ دین کا ہی جذبہ تھا جس نے اتنے بڑے فتنۂ ارتداد، سرکشی اور شور و غل کو ختم کر کے دم لیا۔ اور ہر معرکے میں آپ کا حکم ہوتا کہ سب سے پہلے تبلیغ دین کی جائے اور لوگوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی جائے اگر وہ باز نہ آجائیں تو جنگ کی جائے۔ چنانچہ جنگ کے بغیر بھی کئی جگہوں پر تجدید اسلام ہوا۔ مثلاً مثنیٰ بن حارثہؓ کی تبلیغی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ بنی وائل اور گرد و نواح کے بہت سے بت پرست اور عیسائی لوگ مسلمان ہوئے۔ حضرت خالدؓ کی تبلیغی سرگرمیوں کی وجہ سے عراق اور شام کے کئی علاقے حلقۂ اسلام میں آگئے۔ مختصر یہ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی

تبلیغی کوششوں کا ہی نتیجہ تھا، کہ ان کے عہدِ حکومت میں پھر سے سارے عرب میں اسلام کا دور دورہ ہو گیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فضائل

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ بچپن سے ہی آنحضرت صلعم کے دوست تھے عادات و خصائل بھی دونوں کے ملتے جلتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلعم آپ کو ہمیشہ ساتھ رکھتے حتیٰ کہ ہجرت مدینہ کے وقت صرف آپ ہی آنحضرت صلعم کے رفیق تھے۔ اور غار ثور میں بھی صرف آپ ہی ساتھ تھے۔ آنحضرت صلعم تمام اہم امور میں حضرت ابوبکر رضؓ سے مشورہ لیتے بلکہ بعض اوقات ساری ساری رات مشوروں میں گزر جاتی۔ یعنی دوسرے تمام صحابہؓ سے زیادہ راز دان حضرت ابوبکرؓ صدیق ہی تھے۔ اور یہ بات ظاہر کرتی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کو سب سے زیادہ اعتماد حضرت ابوبکرؓ پر تھا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ ایک دفعہ آنحضرت صلعم سے دریافت کرنے لگے۔ کہ یا رسول اللہؐ آپ کو مردوں میں سب سے زیادہ عزیز کون ہے۔ آنحضور صلعم نے فرمایا "ابوبکرؓ"۔ وفات کے قریب آنحضرت صلعم نے فرمایا "ابوبکرؓ اپنی صحبت اور مال کی وجہ سے میرا سب سے بڑا محسن ہے" یہ بھی فرمایا کہ "میں نے ہر شخص کے احسان کا بدلہ دُنیا میں دیدیا۔ صرف ابوبکرؓ کے احسانات مجھ پر باقی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کا بدلہ انہیں قیامت میں دے گا۔" پھر آنحضور صلعم کی زندگی ہی میں حضرت ابوبکرؓ کو نماز کی امامت کا فخر حاصل ہوا بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے پیچھے نماز ادا کی۔"

"علمیت اور فقاہت کے اعتبار سے بھی حضرت ابوبکرؓ تمام صحابہ میں افضل تھے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں۔" ابوبکرؓ ہم سب سے زیادہ عالم تھے۔" آپ اسرار نبوت اور راز حقیقت سے اس قدر واقف تھے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے تمام ایسے نقاط رموز کو فوراً سمجھ لیتے تھے، جو دوسرے صحابہؓ جلدی نہ سمجھ پاتے۔ آنحضور نے اپنی وفات کے قریب جب یہ کہا کہ ایک بندہ کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے۔ کہ خواہ دنیا پسند کر لے یا جو کچھ خدا کے پاس ہے۔ اسے قبول کر لے۔ تو صحابہ اصل بات سمجھ نہ سکے اور یہ خیال کرنے لگے کہ رسول اللہ صلعم شاید کسی شخص کے متعلق بیان فرما رہے ہیں۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ فوراً بات پا گئے کہ رسول اللہ خود اپنے متعلق فرما رہے ہیں۔ اور یہ قرب وفات کا اشارہ ہے چنانچہ آپ رو پڑے۔

یہ بات کہ حضرت ابوبکرؓ تمام صحابہ میں علم و فضل کے اعتبار سے بلند تھے۔ خود صحابہ کرامؓ معترف ہیں۔ چونکہ آپ کا تقریباً سارا وقت آنحضور صلعم کے ساتھ گزرتا اس لئے آپ علوم اسلامیہ کا منبع (قرآن) کلام اللہ کی تفسیر خوب اچھی طرح سمجھتے تھے۔ اس کے باوجود اگر کبھی کسی آیت کی وضاحت میں دقت ہوتی تو آنحضرت صلعم سے پوچھ لیا کرتے۔ ایک مرتبہ آپ نے آنحضرت صلعم سے سورۂ نساء (رکوع ۱۸) کی آیت لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ (یعنی نہ تمہاری تمناؤں سے کام چلتا ہے۔ اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے، جو کوئی بُرا کام کرے گا وہ اس کے عوض میں سزا دیا جائے گا) کی تفسیر کے سلسلے میں پوچھا کہ یا رسول اللہ اس آیت کے بعد کیا چارۂ کار ہے کیا ہمیں ہر بُرے کام کا بدلہ ملتا ہے۔ آنحضور صلعم نے فرمایا "ابوبکرؓ! خدا تمہاری مغفرت کرے، کیا تم بیمار نہیں ہوتے ہو؛ کیا تمہیں رنج و صدمہ نہیں ہوتا

کیا تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی؟ سب برائیوں ہی کا بدلہ ہے۔"

فنِ حدیث کی ضرورت بھی سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضؓ نے ہی محسوس کی اور آپ ہی اس علم کے موجد ہیں۔ رسول اللہ صلعم کی وفات پر جب سقیفہ بنی میں یہ جھگڑا ہوا کہ خلیفہ انصار میں سے ہو۔ یا مہاجرین میں سے تو اس وقت آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم فرمایا کرتے تھے ”الائمۃ من القریش“ (امام قریش میں سے ہوں گے۔) چنانچہ وہ لوگ خاموش ہو گئے۔ پھر آنحضور صلعم کے دفن کرنے کا سوال ہوا کہ کہاں کیا جائے۔ یہاں بھی حضرت ابوبکر رضؓ نے فیصلہ کیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلعم فرمایا کرتے تھے کہ انبیاء جس جگہ فوت ہوں وہی ان کے دفن کرنے کی جگہ ہے۔ علم حدیث کے اصول میں بھی آپ ہی نے رہبری فرمائی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اصول روایت (نقل، کسی سے کچھ لینا) میں اس چیز کو ضرور دیکھا جائے کہ راوی (روایت کرنے والا) ”ثقہ“ (قابل اعتماد، پائدار) اور ”مامون“ (امانت دار) ہو۔ اور ہر قسم کے عیب سے پاک ہو۔ چنانچہ جمع قرآن کے کام پر جب آپ نے حضرت زید بن ثابت رضؓ کو مامور کیا تو آپ نے فرمایا ”بے شک تم عقلمند نوجوان ہو اور عیبوں سے پاک ہو۔“ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ راوی کا عقلمند ہونا بھی ضروری ہے۔ پھر اصولِ درایت (عقل، دانائی) کے سلسلے میں حضرت ابوبکر رضؓ نے فرمایا کہ حدیث روایت کرتے وقت یا سنتے وقت واقعہ کی نوعیت بھی دیکھنی چاہیئے اور اس کے مطابق شہادت کا معیار ہونا چاہیئے۔ چنانچہ جمع قرآن کے وقت ہر آیت پر دو شخصوں کی شہادت لازمی قرار دی گئی۔

اصولِ فقہ کی بنیاد بھی حضرت ابوبکر رضؓ نے ہی ڈالی۔ انہوں نے استنباط (باتوں سے بات نکالنا) کے مختلف طریقے جو رائج کئے وہ آج تک مسلمہ ہیں

آپ کسی مسئلے کو حل کرنے کے لئے سب سے پہلے قرآن کا حکم دیکھتے ۔ اگر وہاں سے صاف حکم مل جاتا تو اُس کے مطابق فیصلہ سُناتے ورنہ سُنّت کی طرف رجوع کرتے اور اگر سنت سے بھی مطلب حل نہ ہوتا تو پھر آپ صحابہ اور دوسرے لوگوں سے مشورہ کر کے خود سوچتے اور فیصلہ کرتے ۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم کی وفات پر آپ نے قرآن کی آیت سے لوگوں کو سمجھایا کہ محمدؐ ایک رسول ہیں ۔ جس طرح پہلے رسول ہو گزرے ہیں ۔ پھر لوگوں کو یقین ہوا کہ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں ۔ رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد جب میراث فدک کا معاملہ حضرت فاطمہؓ اور حضرت ابو بکرؓ کے درمیان ناراضی کا سبب بنا تو حضرت ابو بکرؓ نے پہلے حدیث سنائی ۔ کہ آنحضرت صلعم فرمایا کرتے تھے کہ " ہمارے مال میں وراثت جاری نہیں ہو گی ہم جو چھوڑیں ، گے صدقہ ہو گا ۔ " پھر آپ نے کہا میں خدا کی قسم وہی کروں گا جو آنحضرت صلعم کیا کرتے تھے یعنی ان کے عمل متواتر پہ چلوں گا ۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ حدیث پہ عمل کو متواتر ترجیح دیتے تھے ۔ آپ محض قیاس سے مسائل کو حل کرنے سے پرہیز کرتے تھے ۔ لیکن مجبوراً ایسا بھی کر لیتے تھے اور وہ بھی اللہ سے ڈرتے ڈرتے ۔

تقریر اور خطبہ میں آپ کی بلاغت اور فصاحت مانی ہوئی چیز تھی ۔ آپ کی تقریر میں بلا کا زور ، شُستہ جملے اور غضب کی روانی ہوتی تھی ۔ انداز بیان اور طرز گفتگو میں وہ اثر ہوتا کہ سُننے والے اثر لئے بغیر نہ رہتے ۔ یہ اسی بلاغت اور فصاحت کا نتیجہ تھا کہ آپ نے جب بھی کسی تنازعہ والی جگہ پہ تقریر کی تو لوگ مجبور ہو گئے ۔ کہ آپ کے استدلال پہ سر تسلیم خم کریں ۔ تقریر کے دوران میں اگر آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی خاص بات یاد آ

جاتی تو رو پڑتے اور تقریر کرنے سے رُک جاتے۔

اخلاق و عادات

حضرت ابو بکرؓ کے اخلاق و عادات آنحضرت صلعم سے ملتے جلتے تھے۔ اسی لئے آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ کو بچپن سے لے کر وفات تک سب صحابہؓ سے زیادہ چاہا اور اُن کو اپنا محرم راز بنائے رکھا۔ حضرت ابو بکرؓ زمانہ جاہلیت میں بھی عمدہ و اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ اور اسی وجہ سے سب لوگ آپ کی عزت کرتے تھے۔ آنحضرت صلعم کی مسلسل صحبت اور راز داری نے آپ کے اخلاق و عادات کو اور زیادہ چمکا دیا تھا۔

ایثار حضرت ابو بکرؓ ایثار کی وجہ سے بھی دوسرے صحابہؓ میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ اسلام لانے سے پہلے آپ اچھے خوشحال لوگوں میں سے تھے۔ قبول اسلام کے بعد چالیس ہزار درہم انہوں نے لاکر مسلمانوں میں خرچ کر دیئے۔ بلکہ ایک دفعہ رسول اللہؐ صلعم کے حکم پر کہ جو کچھ کسی مسلمان کے پاس ہو، لائے اور مسلمانوں میں خرچ کر دے۔ آپ جو کچھ گھر میں موجود تھا لے آئے اور جب آنحضرت صلعم نے پوچھا کہ "اے ابو بکرؓ گھر کیا چھوڑ آئے ہو۔؟" تو جواب دیا کہ "کچھ نہیں۔" آنحضرت صلعم نے فرمایا: کچھ اپنے گھر کیلئے چھوڑ آتے۔" آپ نے کہا "ہمارے لیئے اللہ اور اُس کا رسول کافی ہیں۔"

صدقات، خیرات اور ہر قسم کی امدادیں دوسرے صحابہؓ میں پیش پیش رہتے۔ حضرت عمرؓ نے کئی بار کوشش کی کہ وہ خیرات و صدقات میں

آپ سے بڑھیں لیکن وہ کچھ بھی کرتے حضرت ابوبکرؓ اُن سے بڑھکر کرتے۔ آپ اپنے نفس کو بھول کر لوگوں کی خدمت کرتے اور اسے باعث سعادت سمجھتے۔ مدینہ میں ایک عورت نابینا تھی۔ آپ ہر روز صبح اس کے پاس جاتے اور اس کے ضروری کام کر آتے۔

تواضع لوگوں کی خدمت کرنے میں ذرا بھر عار محسوس نہیں کرتے تھے اور بڑھ بڑھکر ایسے کاموں میں حصہ لیتے۔ محلہ والوں کی بکریوں کا دودھ دوھ دیتے۔ چنانچہ جب آپ خلیفہ بنے تو محلہ کی ایک لڑکی نے کہا اب ہماری بکریاں کون دوہا کرے گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا "خدا کی قسم میں ہی دوہا کروں گا، امید ہے خلافت خدمت خلق میں رکاوٹ نہیں بنے گی۔" لوگوں کی خدمت کرنے کے بعد آپ اُن سے یہ پسند نہ کرتے کہ وہ ان کی تعریف کریں۔ اور جب کوئی آپ کی تعظیم کرتا یا تعریف کرتا آپ فرماتے کہ مجھے آپ لوگ کیوں اتنا بڑا سمجھ رہے ہیں، میں تو ایک معمولی انسان ہوں اور میں اپنے آپ سے اچھی طرح واقف ہوں۔ تکبر اور غرور نام کو نہ تھا۔ جب کوئی فوجی مہم روانہ ہوتی آپ بلا تکلف دُور تک اُس کے ساتھ پاپیادہ چلتے جاتے حالانکہ دوسرے لوگ سوار ہوتے تھے۔

مہمان نوازی مہمان نوازی کا وصف بھی آپ میں نمایاں تھا۔ مہمان کی خدمت اور تواضع میں اگر گھر والوں سے کوئی کمی ہو جاتی تو آپ خفا ہوتے۔ ایک دفعہ گھر میں چند مہمان آئے۔ آپ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰنؓ کو ہدایت کی کہ میں ذرا رسول اللہ صلعم کے پاس جارہا ہوں اس لئے مہمانوں کی خدمت تمہارے سپرد کئے جاتا ہوں۔ جب کھانا تیار ہوا تو مہمانوں نے کہا کہ جب تک حضرت ابوبکرؓ نہ آئیں گے ہم اکیلے کھانا نہیں،

کھائیں گے ۔ چنانچہ انتظار ہوتا رہا ۔ کافی دیر بعد حضرت ابوبکرؓ واپس لوٹے اور دیکھا کہ مہمان ابھی تک بھوکے ہیں۔ آپ عبدالرحمٰن پر بہت برہم ہوئے اور اُسے ڈانٹا۔ لیکن مہمانوں نے بات واضح کر دی تب آپ خاموش ہوئے اور سب نے ملکر کھانا کھایا۔

گھریلو زندگی اہلِ گھر سے نہایت محبت اور شفقت سے پیش آتے لیکن اس کے باوجود گھر کے تمام افراد آپ سے ڈرتے کہ کوئی غلطی نہ ہو جائے۔ آپ کا رعب و جلال اس قدر تھا کہ حضرت عائشہؓ نے جب یہ سُنا کہ واقعہ افک کا علم آپ کو ہو چکا ہے۔ تو مارے خوف کے گر پڑیں۔ اس کے باوجود حضرت ابوبکرؓ حضرت عائشہؓ سے سب سے زیادہ پیار کرتے تھے اور انہیں دل و جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اپنی سب سے زیادہ عزیز چیز (حضرت عائشہؓ) جب آپ نے آنحضرت صلعم کو دے دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت عائشہؓ سے سب سے زیادہ پیار کرنے لگے۔

بُود و باش حضرت ابوبکرؓ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ لباس موٹے قسم کے کپڑوں کا ہوتا تھا۔ لیکن صفائی بہر حال پیش نظر رہتی گھر میں رہنے سہنے کا سامان بالکل معمولی اور صرف ضرورت کی اشیاء پر مشتمل تھا۔ بلکہ بعض اوقات تو خود اپنی ضرورت کی چیزیں دوسرے محتاج اور نادار لوگوں کو دے دیتے اور اپنی خلافت میں تو اور بھی زیادہ سادہ زندگی کر دی تھی۔ کام کی زیادتی کی وجہ سے معاش کا سلسلہ جاری رکھنا دشوار ہو گیا تو بیت المال سے ضرورت کے مطابق رقم لیا کرتے۔ لیکن یہ معمولی رقم بھی طبیعت پر بوجھ کا باعث بنتی چنانچہ وفات کے قریب وصیت کر دی کہ میری فلاں زمین فروخت کر کے وہ تمام رقم بیت المال کو واپس کر دی

ئے جواب تک میں لے چکا ہوں۔

شجاعت شجاعت اور مردانگی آپ کا ایک اعلیٰ وصف تھا۔ بڑے سے بڑے خطرے کو بھی اسلام کی خاطر گوارا کیا۔ جب آنحضرت صلعم کو ہجرت مدینہ کا حکم ہوا۔ تو اُس وقت صرف حضرت ابوبکرؓ ہی آپؐ کے ہمراہ تھے۔ حالانکہ خطرہ بہت زیادہ تھا۔ رسول اللہ صلعم کی گرفتاری کے نام کا اعلان ہو چکا تھا۔ اور کفار مکہ آپ کی تلاش میں ہر طرف گھوم رہے تھے غزوات میں آپ رسول اللہ صلعم کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ بعد خلافت میں آپ کی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے ہی فتنہ ارتداد ختم ہوا اور مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کر کے اس فتنے کا بھی سر کچل دیا باوجود اس بات کے کہ دوسرے تمام صحابہؓ حضرت ابوبکرؓ کو مانعین زکوٰۃ کے خلاف لڑنے سے منع کرتے تھے۔

رعب و جلال حضرت ابوبکرؓ گو بہت زیادہ نرم دل تھے لیکن معاملات کو درست رکھنے اور دینی کاموں کا پورا پورا اہتمام کرنے میں آپ بڑے سخت تھے۔ اس سلسلے میں آپ کا رعب و جلال مشہور تھا۔ آپ غضبناک ہو کر غلط کاموں اور خلاف شریعت باتوں کو رد کرتے جب آپ کو ایسی باتوں پر غصہ آتا تو لوگ سہم جاتے۔ آپ کے صاحبزادے عبدالرحمٰنؓ جب یہ دیکھتے کہ حضرت ابوبکرؓ کسی وجہ سے اب اُن پر ناراض ہیں یا ہوں گے تو وہ اُن کے سامنے نہ آتے اور جب تک حضرت ابوبکرؓ کا غصہ ٹھنڈا نہ ہو جاتا آپ علیحدہ رہتے واقعہ افک میں جب حضرت عائشہؓ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ کو بھی واقعہ کا علم ہو گیا ہے۔ تو آپ مارے ڈر کے بیہوش ہو کر گر پڑیں۔

وفاتِ حضرت ابوبکر صدیقؓ

حضرت ابوبکر رضؓ کا عہد خلافت دو سال تھا۔ وفات سے پندرہ دن پہلے آپ کو بخار آیا اور وفات تک شدتِ مرض میں مبتلا رہے آخری دلوں میں حضرت عمرؓ کو صحابہؓ کے مشورہ سے خلیفہ دوم نامزد اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ کو وصیت کی کہ فلاں زمین جو اسے دے دی گئی ہے ہے۔ ہو سکے تو بیچ کر وہ رقم واپس بیت المال میں دے دی جائے جو تک خلافت کے کاموں کی زیادتی کی وجہ سے مجبوراً بیت المال سے کرتے تھے۔ آخر ۶۳ سال کی عمر میں ۲۱ جمادی الثانی سنہ ۱۳ھ بروز ہفتہ دوشنبہ (پیر) مالک حقیقی سے جا ملے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

حضرت عمرؓ فاروق

حضرت عمر فاروق رض

(عہدِ خلافت ۱۳ تا ۲۳ھ)

نام و نسب آپ کا نام عمر رض تھا اور فاروق لقب. کنیت ابو حفص تھی جو بہت کم مشہور رہی۔ آپ کے والد کا نام خطاب اور والدہ کا خنتمہ تھا۔ آپ خاندان قریش کے بنی عدی میں سے تھے، ۸ویں پشت میں سلسلۂ نسب آنحضرت صلعم سے جا ملتا تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزی بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔ آپ کی پیدائش آنحضرت صلعم کی پیدائش کے تیرہ سال بعد ہوئی۔

قبل از اسلام زندگی آپ بچپن میں ہی نہایت شجاع، دلیر اور حق گو تھے۔ جوان ہوئے تو لکھنا پڑھنا سیکھا۔ سپہ گری، شہسواری اور دوسرے جنگی کمالات میں نام پیدا کیا۔ آپ نے خطابت میں بھی مہارت حاصل کی۔ ذریعہ معاش تجارت کے لئے دُور دُور ممالک میں سفر کرتے۔ تجارتی اور لین دین کے معاملات میں بڑی فہم و فراست سے کام لیتے چنانچہ معاملہ فہمی کی وجہ سے بہت مشہور تھے۔ اور جب کوئی اس سلسلے میں قبائل میں تنازعہ ہوتا تو قریش آپ کو ہی تصفیہ کے لئے بھیجتے۔

قبول اسلام آپ کی عمر ستائیس برس کی تھی جب آنحضرت صلعم

نے نبوت کا اعلان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نئی چیز پہ ایمان کے لئے تیار نہ ہوئے بلکہ اس کے دشمن بن گئے اور جو کوئی اہل مکہ میں مسلمان ہوتا اُسے سخت بُرا بھلا کہتے۔ بعض کو تو اتنا مارتے کہ بے ہوش
ایک دن آپ نے ارادہ کیا کہ (نعوذ باللہ) آنحضرت صلعم کو ہی قتل کر جائے تاکہ یہ نیا سلسلہ جو قائم ہو رہا ہے اس کا سرے سے خاتمہ ہی ہو جا
چنانچہ آپ تلوار لے کر گھر سے نکلے۔ آنحضرت صلعم اُس وقت حضرت ا
مخزومیؓ کے مکان میں تھے۔ جہاں وہ اکثر مسلمانوں کو درس قرآن دیا
تھے۔ راستے میں حضرت عمرؓ کو ایک شخص نعیم بن عبداللہ مل گئے۔ انہوں
پوچھا؛ کیا بات ہے آج اتنے غصہ میں کدھر کا ارادہ ہے۔؛ حضرت
نے جواب دیا۔ آج میں محمدؐ کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ تاکہ اسلام کا با
خاتمہ ہو جائے۔ نعیم بن عبداللہ کہنے لگے پہلے اپنے گھر کو تو سنبھال لو
تمہاری بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ اور زیادہ
ہوئے اور بہن کے گھر جا پہنچے۔ اتفاق سے بہن تلاوت قرآن میں مصروف
حضرت عمرؓ نے قرآن کے الفاظ سُن لئے لیکن اُن کی بہن نے انہیں د
قرآن کے اوراق چھپا لئے۔ آپ نے بہن سے پوچھا تمہیں کیا ہو گیا۔
جو مُرتد ہو گئی۔ (یعنی اپنے آبائی دین سے پھر گئی) پھر آپ بہن کو مار
لگے یہاں تک کہ اُن کا جسم لہو لہان ہو گیا۔ لیکن بہن ثابت قدم رہی اور
"اے عمر! میں بلاشبہ مسلمان ہو چکی ہوں اور خواہ کچھ ہو اسلام سے پھر
سکتی" بہن کو خون میں رنگی ہوئی دیکھ کر جوش ٹھنڈا ہوا اور بولے۔
وہ اوراق دکھاؤ جو تم پڑھ رہی تھی۔ بہن نے اوراق دیئے اور
پڑھنے لگے۔ سورہ حدید لکھی ہوئی تھی۔ ایک ایک آیت پہ غور کرتے

...یت الٰہی کا وقت آ چکا تھا۔ ایک ایک لفظ دل پہ نقش ہوتا گیا جب آپ
...یہ آیت پڑھی امنوا باللہ ورسولہ (اللہ اور اس کے رسول پر ایمان
...) تو بے اختیار منہ سے نکلا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ
...اٹھے اور حضرت ارقم مخزومیؓ کے گھر پہنچے۔ دروازہ پہ دستک دی
...تلوار ابھی تک ہاتھ میں تھی۔ ایک صحابی نے دروازے کے سوراخ میں سے
...ا اور رسول اللہ صلعم سے عرض کیا کہ عمرؓ شمشیر بکف کھڑے ہیں۔ حضرت
...ؓ موجود تھے انہوں نے کہا کہ دروازہ کھول دو اور عمرؓ کو اندر آنے
...۔ اگر وہ نیک ارادہ سے آئے ہیں تو اچھا ہے ورنہ انہی کی تلوار سے
...کا سر کاٹ دوں گا۔ لیکن رسول اللہ صلعم خود اُٹھے اور دروازہ کھول
...گیا۔ آنحضرت صلعم نے عمرؓ کا دامن پکڑ کر کہا "کیوں عمرؓ کس نیت
...ے آئے ہو؟" حضرت عمرؓ کے جسم میں کپکپی طاری ہو گئی اور گھبرائی
...ئی آواز میں بولے۔
"ایمان لانے کے لیئے" آنحضرت صلعم اور صحابہؓ کو اس قدر خوشی
...ئی کہ سب نے بے اختیار اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ یہ اسلام کا پہلا نعرہ
...ا۔ اور اتنا بلند تھا کہ گردو نواح کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ یہ سنہ یعنی
...جرت سے چھ سال پہلے کا واقعہ ہے۔
حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے پہ ایک زبردست ہنگامہ برپا ہوا۔
مسلمانوں کو بہت تقویت پہنچی اور اُدھر کفار اپنا ایک بہادر آدمی کھو کر
...ریشان تھے۔ اُس وقت مسلمانوں کی تعداد چالیس کے قریب تھی۔ لیکن یہ
...لیل تعداد کفار سے ہر وقت سہمی رہتی تھی اور مسلمان چھپ چھپ کر تبلیغ
اسلام کرتے اور قرآن کا درس دیتے۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لاتے ہی

مسلمانوں کا نقشہ بدل گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں "عمر جب سے مسلمان ہوئے ہم لوگ غالب آتے گئے۔" حضرت عمرؓ سے جتنے بھی لوگ مسلمان ہوئے سب خفیہ طور پہ اسلام لائے کیونکہ حالت تھی کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنا بھی ایک عظیم خطرہ مول لینا تھا۔ کفار مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ اعلانیہ طور پر مسلمان ہوئے اس لئے کفار کو بہت صدمہ پہنچا، اُن کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے کفر کی بنیادیں ہل گئیں۔ چنانچہ کفارِ مکہ جوش وخروش سے حضرت عمرؓ کے گھر اُمڈ آئے۔ شاید اس خیال سے کہ حضرت عمرؓ کو قتل کر دیں۔ لیکن حضرت عمرؓ کے رشتہ داروں اور عزیزوں نے پناہ دی اور آپ کے ... عاص بن وائل سہمی نے کفار کو ڈانٹ دی کہ عمرؓ کو میں پناہ دیتا ہوں میں ہے کس کی مجال ہے کہ عمرؓ پہ ہاتھ اُٹھائے۔ چنانچہ کفار لوٹ گئے۔

حضرت عمرؓ ایک بہادر اور شجاع انسان تھے۔ وہ اسلام لا کر کفار سے ڈرتے نہیں تھے۔ وہ صرف حالات کا جائزہ لے رہے تھے کہ میرے اسلام لانے سے کفار پہ کیا گزرتی ہے۔ ورنہ ڈر والی بات ہوتی تو آپ اعلانیہ مسلمان نہ ہوتے بلکہ دوسرے لوگوں کی طرح چپکے چپکے مسلمان ہو جاتے۔ آپ اُٹھے اور کفار کے ایک بڑے اجتماع میں اعلان کر دیا کہ عمرؓ مسلمان ہو چکا ہے۔ آج سے مسلمان اعلانیہ اپنے مذہبی فرائض سرانجام دیں گے۔ اور خانہ کعبہ میں نماز ادا کیا کریں گے۔ کسی کو ہمت ہو تو آکر مسلمانوں کو روک لے۔ چنانچہ آپ مسلمانوں کی قلیل تعداد کے ساتھ خانہ کعبہ پہنچے اور نماز ادا کی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ حق وباطل میں اعلانیہ فرق ظاہر ہوا چنانچہ حضرت صلعم نے حضرت عمرؓ کو فاروق (حق وباطل میں بڑا امتیاز کرنیوالا) کا لقب عطا فرمایا۔

ہجرت مدینہ حضرت عمرؓ کو اسلام لائے چھ سات سال کا عرصہ گزر چکا تھا کہ مسلمانوں کو آنحضرت صلعم نے مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔ حضرت عمرؓ کو بھی اجازت ملی کہ ہجرت کر جائیں۔ اس زمانہ میں کفار مکہ مسلمانوں پر بہت زیادہ مظالم ڈھا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ چند ساتھیوں کے ساتھ اعلانیہ نکلے، خانہ کعبہ کا طواف کیا، نماز ادا کی اور کفار مکہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ "جس کسی کی ہمت ہو مجھ سے مقابلہ کرے اور اُسے یہ منظور ہو کہ اس کی ماں اُس پر نوحہ کرے تو وہ مکہ سے باہر اس وادی میں آئے اور مجھ کو ہجرت سے روکے۔" لیکن کسی کافر کو ہمت نہ ہوئی کہ مقابلہ کے لئے نکلتا۔ آپ بڑی شان و شوکت سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تھوڑی مدت بعد آنحضرت صلعم بھی حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ ہجرت فرما کر مدینہ پہنچ گئے۔

ہجرت سے پہلے مسلمان بغیر اذان کے نماز ادا کیا کرتے تھے۔ مدینہ پہنچ کر سب سے پہلا کام یہ ہوا کہ مسجد نبویؐ کی تعمیر ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد یہاں بھی نماز کا پہلا طریقہ ہی قائم رہا۔ لوگ نماز کے وقت مسجد میں آجاتے اور نماز ادا ہو جاتی لیکن اس طریقے میں دقت تھی۔ آنحضرت صلعم نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ نماز کے لئے لوگوں کو کیسے بروقت بُلایا جائے۔ سب صحابہؓ نے مختلف رائیں دیں کسی نے کہا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح ناقوس (سنکھ، گھنٹہ) بجایا جائے۔ بعض نے رائے دی کہ آگ جلا کر خبر کر دی جائے۔ الغرض بہت سے مشورے ملے۔ لیکن حضرت عمرؓ کا مشورہ سب سے بہتر تھا۔ آپ نے کہا کہ ایک شخص کو مقرر کیا جائے کہ مسجد میں کھڑے ہو کر بلند آواز سے لوگوں کو پکارے۔ آنحضرت صلعم نے یہ رائے پسند فرمائی اور اذان کے الفاظ مقرر کر کے حضرت بلالؓ کے ذمہ یہ کام کیا کہ وہ باقاعدہ ہر نماز کے وقت

اذان دیا کریں چنانچہ یوں حضرت عمرؓ کے مشورے سے ایک ایسی چیز (اذان) کی ابتدا ہوئی جو قیامت تک توحید اور رسالت کو بلند رکھے گی۔

عہدِ رسالت میں تمام غزوات میں شریک تھے۔ غزوات کے علاوہ کئی جنگوں (سرایا) میں بھی آپ نے حصہ لیا اور فتح و کامرانی سے لوٹے۔ غزوہ میں آپ آنحضرت صلعم کو مفید مشورے دیتے۔ عام حالات میں بھی حضرت عمرؓ کے مشورے آنحضرت صلعم پسند فرماتے۔ بعض دفعہ تو حضرت عمرؓ کے مشورہ کی تائید میں آیات قرآنی نازل ہوتیں۔ ۳ھ میں غزوۂ اُحد کے بعد حضرت عمرؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ جو بیوہ ہو چکی تھیں آنحضرت صلعم کے نکاح میں آئیں اور اُم المومنین کہلانے لگیں۔

خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں حضرت عمرؓ بطور مشیر کام کرتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ قاضی کی حیثیت سے بھی کام کیا کرتے۔ قرآن مجید کو جمع کرنے کا کام بھی آپ ہی کے مشورے سے شروع ہوا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہد خلافت میں یہ اچھی طرح محسوس کر لیا تھا کہ ان کے بعد صرف حضرت عمرؓ ہی خلیفہ بننے کے قابل ہیں۔ اور وہ دوسرے اصحابہ سے افضل ہیں چنانچہ آپ نے وفات کے قریب دوسرے صحابہؓ سے مشورہ کیا اور حضرت عمرؓ کو خلیفہ دوم بننے کیلئے نامزد کر دیا۔

انتخاب خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکرؓ صدیق کا عہد خلافت کل سوا دو سال تھا۔ وفات کے قریب آپ نے صحابہؓ سے علیحدہ علیحدہ مشورہ کیا اور حضرت عمرؓ سے متعلق رائے پوچھی۔ حضرت عثمانؓ، حضرت عبد الرحمن بن عوف اور دوسرے صحابہؓ نے کہا کہ حضرت عمرؓ ہی خلیفہ دوم بننے کے قابل ہیں۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عثمانؓ سے مندرجہ ذیل عہد نامہ خلافت لکھوایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؁

یہ عہد نامہ ابوبکرؓ بن قحافہ کی زندگی کے آخری وقت کا ہے۔
جب کہ وہ آخرت کی پہلی منزل میں داخل ہونے کے لئے دُنیا سے سفر کر رہا ہے۔ یہ ایسی گھڑی ہے کہ جس میں کافر بھی مومن اور بدکردار بھی عقیدتمند اور جھوٹا بھی سچا ہو جاتا ہے۔ میں نے تمہارے لئے عمرؓ کو خلیفہ منتخب کیا ہے۔ ان کی بات ماننا اور ان کی اطاعت کرنا اُس امر میں کہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت ہو۔ نیز اپنی ذات اور تمہاری خیر خواہی کی میں نے کوشش پوری کی ہے۔ اگر عمرؓ عدل کریں تو ان کی نسبت میرا یہی گمان اور یہی علم ہے اور اگر اس کے خلاف چلیں تو ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے میری نیت تو خیر خواہی کی ہے۔ باقی میں غیب کا علم نہیں جانتا۔"

یہ عہد نامہ خلافت لوگوں میں پڑھکر سنا دیا گیا۔ خود حضرت ابوبکرؓ اپنے مکان کے بالاخانے پر چڑھے۔ لوگ مکان کے گرد جمع تھے۔ آپ نے فرمایا میں اپنے کسی عزیز کو یا بھائی کو خلیفہ مقرر نہیں کر رہا بلکہ ایسے شخص کو خلیفہ بنا رہا ہوں جو تم سب میں بہتر ہے۔" لوگ خاموش رہے۔" اس کے بعد، حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو کچھ نصیحتیں کیں۔ اور ان کے لئے دعائے خیر کی۔ پھر آپ گھر میں آئے اور حضرت عائشہؓ کو کچھ وصیتیں کیں اور دوسرے گھریلو اُمور سے متعلق ہدایات فرمائیں۔

فتوحات

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں عراق شام میں مسلمانوں نے کچھ علاقے فتح کر

لئے تھے۔ آخری جنگ یرموک کے مقام پہ ہوئی تھی جس میں حضرت خالدؓ کی وجہ سے مسلمانوں کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔ حضرت خالدؓ کو خلیفہ اوّل عین وقت پہ عراق سے فوجی دستے کے ساتھ یرموک پہنچنے کا حکم دیا تھا۔ حضرت خالدؓ یرموک جانے سے پہلے مثنیٰ ابن حارثہؓ کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے خود عراق سے روانہ ہوئے۔ حضرت خالدؓ کی عراق سے عدم موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایرانیوں نے پھر مسلمانوں پہ حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ مثنیٰ ابن حارثہؓ کو علم ہوا تو وہ وقتی طور پہ اپنا جانشین مقرر کر کے خود مدینہ پہنچے اور حضرت ابوبکرؓ کو حالات سے آگاہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ ان دن سخت بیمار تھے۔ اور وہ اُن کی زندگی کا آخری دن تھا چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو کہا کہ عراق کی مہم بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس لئے فوج مہیا کر کے روانہ کر دینا۔

فتح عراق

حضرت عمرؓ نے خلیفہ اوّل کی نصیحت پہ عمل کرتے ہوئے سب سے پہلے عراق کی مہم کی طرف توجہ دی۔ عرب کے قبائل حضرت عمرؓ کی بیعت کے لئے آ رہے تھے۔ اس لئے آپ نے موقع دیکھتے ہوئے لوگوں میں جہاد کا جوش ابھارنے کیلئے تقریر کی۔ اہل عرب چونکہ مدت سے ایرانیوں سے خوفزدہ تھے۔ اس لئے حضرت عمرؓ کی تقریر کا کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ آپ برابر کئی روز وعظ اور تقریریں کرتے رہے۔ مثنیٰ بن حارثہؓ بھی ایک مجمع میں اٹھے اور کہا کہ۔ لوگو! ایرانیوں کو حقیر سمجھو، ہم ان کو آزما چکے ہیں۔ وہ بہت پست ہمت ہیں۔ ہم نے کئی بار ان کو شکست فاش دی ہے۔ ان کے زرخیز علاقے ہمارے قبضہ میں ہیں۔ اور ہم سے سہمے ہوئے ہیں۔" مثنیٰ کی اس تقریر سے لوگ متاثر ہوئے۔ حضرت عمرؓ پھر اٹھے

اور ایسی پُرجوش تقریر کی کہ لوگ جہاد کیلئے تیار ہو گئے۔ سب سے پہلے ابو عبیدہؓ ثقفی اُٹھے اور اپنے آپ کو عراق کی مہم پر جانے کے لئے پیش کیا۔ اس کے بعد دوسرے لوگ بھی بڑھنے لگے۔ حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہ ثقفیؓ کو فوج کا سپہ سالار مقرر کیا اور تقریباً پانچہزار فوج دے کر عراق روانہ کیا۔

ایران میں ایک عورت آرزمی دخت ملکۂ تخت تھی۔ اُس نے ایران کے ایک نامور اور بہادر شخص رستم کو اپنی فوجوں کا سپہ سالار مقرر کیا اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے حکم دیا۔ رستم نے سب سے پہلے عراق کے علاقوں میں ایرانیوں کے مذہبی اور قومی جوش کو اُبھارا اور وہاں غدر کروا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند علاقے جو مسلمانوں کے قبضہ میں تھے، بغاوت کی وجہ سے چھن گئے۔ ایرانیوں کے دو بڑے دستے نرسی اور جاپان دو سپہ سالاروں کے تحت نکلے۔ جاپان نے مقام نمارق پر فوج اتاری اور مسلمانوں سے جنگ کے لئے تیار ہوا۔ ابو عبیدہ نے فوجی دستے کے ساتھ بڑھکر حملہ کیا اور ایرانی فوج کو شکست دے دی۔ جاپان گرفتار ہوکر ابو عبیدہؓ کے سامنے پیش کیا گیا۔ گرفتار کرنے والا ایک معمولی عرب تھا۔ جس سے جاپان نے پہلے ہی اپنے بڑھاپے کا عذر سنا کر دو نوجوان غلام عوضانہ پر امان لے رکھی تھی ابو عبیدہؓ نے جب یہ سُنا کہ ایک مسلمان نے جاپان کو امان دیدی ہے تو اُسے حفاظت سے واپس بھیج دیا۔

ایرانیوں کی یہ شکست خوردہ فوج بھاگ کر سپہ سالار نرسی کی فوج میں شامل ہوگئی۔ ابو عبیدہؓ فوج کے ساتھ مقام سقاطیہ کی طرف بڑھے جہاں نرائی فردکش تھا۔ پہلے ہی حملے میں ایرانی بھاگ نکلے۔ یہ دیکھکر فرب وجوار کے علاقے اطاعت قبول کر لے پر آمادہ ہو گئے۔

نرسی اور جاپان کی شکست پر رستم اور بھی برہم ہوا۔ اس نے چار ہزار تازہ دم فوج مقابلہ کے لئے روانہ کی جس کا سپہ سالار مروان شاہ (بعض کے نزدیک مہران یا بمن) تھا۔ یہ فوج دریائے فرات کے مشرقی ساحل پر اتری اسلامی فوج مغربی ساحل پر فروکش تھی۔ ابو عبیدہؓ دریا کے پار اتر کر دشمن کے لئے تیار ہوئے۔ دوسرے فوجی افسروں نے اختلاف کیا کہ ہمیں ادھر رہنا چاہیئے اور ایرانی فوج کو دریا عبور کر کے اس طرف بڑھنے دیا جائے لیکن ابو عبیدہؓ اپنی بات پر بضد رہے اور فوج کو دریا پار کرنے کا حکم دے دیا۔ مسلمان دریا پار کر گئے۔ اور ایرانیوں پر ٹوٹ پڑے۔ ایرانی فوج میں بڑے بڑے ہاتھی موجود تھے۔ عربی گھوڑے ہاتھیوں سے ڈر گئے اور بھاگنے لگے۔ مسلمانوں کو مجبوراً پیادہ لڑنا پڑا۔ ابو عبیدہ سب سے بڑے سفید ہاتھی کی طرف بڑھے اور تلوار سے ہاتھی کی سونڈ پر وار کیا لیکن ہاتھی نے بڑھ کر حملہ کیا جس سے ابو عبیدہؓ گر پڑے اور ہاتھی کے پاؤں سے شہید ہو گئے۔ ایرانیوں نے ثابت قدمی سے جنگ جاری رکھی ہزاروں مسلمان شہید ہوئے۔ مزید غلطی یہ ہوئی کہ ایک مسلمان نے اس خیال سے کہ اسلامی فوج بھاگ نہ جائے اور ثابت قدمی سے لڑے جا کر کشتیوں کے پل کی رسیاں کاٹ ڈالیں۔ اس سے مسلمانوں کو کافی نقصان مثنیٰ بن حارثہؓ بڑی بہادری اور ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے گئے اور کچھ آدمیوں کو بھیج کر دوبارہ پل جوڑ دیا اور اس طرح باقی فوج دریا پار کر کے واپس پہنچی۔ اس جنگ میں تقریباً چھ ہزار مسلمان شہید ہوئے نو ہزار میں سے صرف تین ہزار واپس آئے۔

حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے مزید فوج مثنیٰ کے لئے روانہ کی خود مثنیٰؓ نے بھی عراق کے علاقوں سے فوج مرتب کی۔ یہ ساری اسلامی فوج

دوبارہ حملہ کی تیاریاں کرنے لگیں۔ اُدھر حضرت عمرؓ قبائل عرب میں پُرجوش تقریریں اور خطبے دینے لگے۔ تقریروں کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے علاوہ کئی عیسائی قبائل بھی ساتھ دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ وہ کہنے لگے کہ آج عرب اور عجم کی جنگ ہے۔ ہم گو عیسائی ہیں لیکن عربی قوم ضرور ہیں اس لئے ہم مسلمانوں کو ہم قوم (عربی) سمجھتے ہوئے ضرور ساتھ دیں گے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے جریر بن عبداللہ بجلی کی سرکردگی میں مزید کمک مثنیٰؓ کے لئے روانہ کی۔ اسلامی فوجوں کا یہ سارا اجتماع مقام بُوَیب کے قریب فروکش ہوا۔ جہاں ایرانی مزید فوج کے ساتھ جمع ہو رہے تھے۔ ایرانی فوج کا سپہ سالار مہران مقابلہ کے لئے نکلا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ مہران مارا گیا۔ ایرانی فوج بھاگ نکلی۔ مثنیٰ نے بڑھ کر دریا کا پل روک لیا۔ چنانچہ جو ایرانی دریا کی طرف بڑھتا قتل ہو جاتا کیونکہ اس مرتبہ ایرانی فوج دریا پار کر کے مسلمانوں کی طرف پہنچکر لڑی تھی۔ پچھلی جنگ میں چونکہ بعض مسلمان بھاگ گئے تھے، اور بہت سے شہید ہوئے تھے، اس لئے اس دفعہ مسلمانوں نے پہلی غلطی کی تلافی کرنی چاہی اور بہادری کے ساتھ لڑے۔ چُن چُن کر ایرانیوں کو قتل کیا، مسلمانوں کو فتح ہوئی اور ارد گرد کے علاقے مسلمانوں کی شوکت سے سہم گئے۔ مسلمان عراق کے تقریباً تمام علاقے حکمران ہو گئے۔

فتح قادسیہ بُوَیب کی شکست سے ایران میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ امراء کے فیصلہ سے آرزمی دخت کو معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ ایک نوجوان شہزادہ یزدگرد تخت نشین ہوا۔ ایرانی کئی ماہ تک خاموش رہے۔ اور اندر ہی اندر ایک زبردست جنگ کی تیاریاں کرنے لگے۔ ادھر حضرت عمرؓ کو خبر پہنچی کہ ایرانی زور شور سے جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مثنیٰ کو لکھا کہ فوج جمع کر لے میں مصروف

ہو جائیں اور خود تمام عرب سے فوج اکٹھی کرنی شروع کی۔ آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کو جو ایک معزز تھے اور آنحضرت صلعم کے ماموں بھی تھے اس مہم کا سپہ سالار مقرر فرمایا اور تقریباً بیس ہزار فوج جمع کر لی۔ اس فوج میں ستر ایسے صحابہؓ تھے جنہوں نے غزوۂ بدر میں حصہ لیا تھا۔ تین سو وہ اشخاص تھے جو بیعت رضوان میں شامل تھے۔ اور سات سو کے قریب اشخاص صحابہؓ کی اولاد ہونے کا شرف رکھتے تھے۔

اسی اثنا میں مثنیٰ بن حارثہؓ جو پچھلی جنگ میں سخت زخمی ہو گئے تھے کچھ عرصہ بیمار رہ کر فوت ہو گئے۔ وفات سے پہلے کچھ مشورے اور دوسری ضروری چیزیں حضرت سعدؓ کو بتانے کے لئے اپنے بھائی کو نصیحت کی۔ مثنیٰؓ کے بھائی نے یہ تمام چیزیں حضرت سعدؓ کے آنے پر انہیں بتا دیں۔

حضرت عمرؓ نے لشکر کی تقسیم اور ترتیب خود دی اور آپ ہی حضرت زبیرؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو بالترتیب فوج کے دائیں حصے (میمنہ) پر، اگلے درمیانی حصہ پر (مقدمہ) اور بائیں حصہ (میسرہ) پر مقرر کیا۔ حضرت سعدؓ سپہ سالار کی حیثیت سے تمام فوج لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے ضروری ہدایات دیں اور کہا مجھے ہر پڑاؤ کا مفصل جائزہ لے کر حالات سے آگاہ کرتے رہنا۔ اسلامی فوج سب سے پہلے مقام شراف پر اتری۔ مدینہ سے فرمان ملا کہ قادسیہ پہنچ جاؤ۔ چنانچہ حضرت سعدؓ قادسیہ چلے گئے۔ قادسیہ ایران کے پایۂ تخت مدائن سے تقریباً تین منزل پر تھا۔ تھوڑے دنوں بعد مدینہ سے حکم آیا کہ جنگ سے پہلے ایران میں کچھ سفیر بھیجے جائیں جو ان لوگوں کو دعوت اسلام دیں۔ حضرت سعدؓ نے چودہ اشخاص چنے اور ایرانی دربار میں بھیج دیا۔ ایرانی اپنی دولت اور طاقت کے نشے میں تھے۔ ایک نہ سنی چنانچہ اسلامی سفارت ناکام لوٹ آئی۔

قادسیہ کے قریب دوسری طرف رستم ایک لاکھ بیس ہزار ایرانی فوج
لئے فروکش تھا۔ چھ سات ماہ دونوں طرف خاموشی رہی۔ رستم مصالحت وغیرہ
کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن ہر بار مسلمانوں کی طرف سے ایک ہی جواب ہوتا تھا۔
(۱) اسلام قبول کر لو، یا جزیہ دے کر ہماری حفاظت میں رہو، یا پھر جنگ سے
فیصلہ ہوگا۔ آخر محرم ۱۴ھ میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ حضرت سعدؓ
اتفاق سے سخت بیمار ہو گئے۔ اس لئے وہ ایک پرانے محل کے اوپر چڑھ گئے
اور وہاں سے نیچے خالد بن عرفطہ کو حکمنامے لکھ لکھ کر پھینک دیتے۔ خالد
بن عرفطہ آگے فوج کو حکم سنا دیتے۔ دوپہر کے وقت لڑائی شروع ہوئی ایرانی
ہاتھیوں نے طوفان بپا کر دیا۔ عربی گھوڑے بھاگنے لگے۔ بہرحال شام تک
لڑائی جاری رہی اور رات کو دونوں فوجیں اپنے اپنے مورچوں میں آگئیں۔

اگلے روز پھر لڑائی شروع ہوئی۔ اتفاق سے مہم شام کی فوج بھی حضرت
عمرؓ کے حکم سے وہاں پہنچ گئی۔ مسلمانوں کو تقویت حاصل ہوئی اور بڑے حوصلے
سے لڑتے رہے۔ شام تک لڑائی جاری رہی۔ لیکن فتح و شکست کا فیصلہ ہوئے
بغیر جنگ رات کے لئے بند ہو گئی۔

تیسرے روز بڑے زور کا معرکہ ہوا۔ مسلمانوں نے اونٹوں پر سیاہ جھول
ڈال دیئے لیکن ہاتھیوں نے پرواہ نہ کی۔ آخر حضرت سعدؓ نے مشورہ کر کے
یہ طے کیا کہ ایرانی ہاتھیوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے ان کے سونڈ اور
آنکھیں بیکار کر دی جائیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت قعقاعؓ حضرت جمالؓ
اور حضرت ربیعؓ کو اس کام پر لگا دیا۔ ان تینوں بہادروں نے تیروں اور
برچھوں سے ایرانی ہاتھیوں کی آنکھیں نکال دیں۔ حضرت قعقاع نے بڑھ کر
سب سے بڑے سفید ہاتھی پر وار کیا اور اس کی سونڈ الگ کر دی۔ ہاتھی

چیختا ہوا بھاگا دوسرے ہاتھیوں نے بھی اُسی طرف رُخ کرکے بھاگنا شروع کیا۔ مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ ایرانیوں کے کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ رُستم جو بڑی ہمت اور ثابت قدمی سے لڑ رہا تھا۔ آخر زخموں سے نڈھال ہو گیا اور میدانِ جنگ سے بھاگ کر ایک نہر میں کود گیا۔ ہلال نامی ایک مسلمان نے تعاقب کیا اور کھینچ کر باہر نکالا پھر قتل کر دیا۔ رُستم کا قتل ہونا تھا کہ ایرانی بھاگ نکلے۔ مُسلمانوں نے تعاقب کرکے ہزاروں کو ڈھیر کیا۔

ابو محجنؓ ایک بہادر نڈر سپاہی اور صحابہ میں سے تھے۔ ان پر شراب پینے کا جرم لگایا گیا تھا۔ حضرت سعدؓ نے انہیں پکڑ کر اپنے گھر میں قید کر رکھا تھا۔ جب قادسیہ کی تیسرے دن کی لڑائی زوروں پر تھی۔ تو ابو محجنؓ نے حضرت سعدؓ کی بیوی حضرت سلمیٰؓ سے کہا کہ آپ مجھے چھوڑ دیں تاکہ میں لڑائی میں دادِ شجاعت حاصل کر وں۔ اگر مارا گیا تو سزا وہیں مل جائے گی لیکن اگر واپس آ گیا تو خود آکر بیڑیاں پہن لوں گا۔ حضرت سلمیٰؓ نے انہیں رہا کر دیا۔ چنانچہ وہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور نیزہ لے کر میدانِ جنگ میں کود پڑے۔ اس جرأت اور بہادری سے لڑے کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے۔ ہر شخص کہتا یہ کون آدمی ہے جو اچانک آکر اتنی بہادری سے حملہ آور ہوا ہے۔ لڑائی ختم ہوئی تو واپس آکر پھر بیڑیاں پہن لیں۔ حضرت سعدؓ آئے تو کہا کہ اتنے بہادر شخص کو جو اسلام کی خاطر جہاد کرے۔ قید نہیں رکھا جا سکتا۔ چنانچہ اُسی وقت رہا کر دیا گیا۔ ابو محجنؓ بولے کہ میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ آئندہ کبھی شراب کے قریب نہیں پھٹکوں گا۔ آج سے میری توبہ۔

اس جنگ میں تقریباً آٹھ ہزار مسلمان شہید ہو گئے۔ ایرانیوں کے مقتولین کا تو کچھ اندازہ نہ تھا۔ بے شمار دریا میں غرق ہوئے اور تیس ہزار

سے زائد میدان میں کھیت رہے۔ مسلمان عورتوں نے بھی بڑی ہمت سے مدد کی۔ ہر روز رات کو زخمیوں کی مرہم پٹی اور ان کی دیکھ بھال کا کام کرتیں۔
حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے فتح کی خوشخبری لکھ کر قاصد کے ہاتھ مدینہ بھیجی۔ حضرت عمرؓ خود انتظار میں تھے۔ کہ قادسیہ سے جلد خبر پہنچے آپ ہر روز صبح مدینہ سے باہر چلے جاتے اور دوپہر تک قاصد کا انتظار کرتے رہتے آخر ایک دن قاصد فتح کی خوشخبری لئے آیا۔ اور اس کی سواری تیزی سے شہر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ قاصد حضرت عمرؓ کو پہچانتا نہ تھا اس لئے بغیر رکے چلتا گیا۔ حضرت عمرؓ سمجھ گئے کہ یہ قاصد ہے۔ چنانچہ سواری کے پیچھے پیچھے مدینہ کی طرف دوڑے شہر کے قریب آئے تو لوگ حضرت عمرؓ کو امیرالمومنین کہہ کر پکارتے اور سلام کہتے۔ قاصد سمجھ گیا اور سہمی ہوئی اور خوفزدہ حالت میں بولا "یا امیرالمومنین خدا رحم کرے آپ نے پہلے کیوں نہ بتا دیا۔ میں مدینہ سے باہر ہی رک جاتا۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا "ڈرو نہیں کچھ حرج نہیں ہوا۔ جلدی سے خط دو اور مفصل حالات سے آگاہ کرو۔"
فتح قادسیہ نے سلطنت کسریٰ کی بنیاد ہلا دی اور اُسے ہمیشہ کے لئے اتنا کمزور کر دیا کہ مسلمانوں کی طاقت و شوکت کے سامنے اٹھ نہ سکے۔ غرور و تکبر کا خاتمہ ہو گیا۔ قادسیہ میں تھوڑا سا آرام کرنے کے بعد حضرت سعدؓ مقام برس کی طرف گئے۔ اور ہرمز کو جو شکست خوردہ ایرانی فوج لئے بیٹھا تھا، شکست دی۔ ہرمز بابل کی طرف بھاگ گیا۔ حضرت سعدؓ نے تعاقب کیا۔ بابل میں ہرمز ایک دوسرے ایرانی سردار فیروز کے ساتھ مل گیا۔ اور جمعیت پکڑ لی۔ لیکن حضرت سعدؓ نے پہنچکر دونوں کو شکست دی۔ اس کے بعد حضرت سعدؓ نے کچھ فوج مقام کوثیٰ پہ بھیجی اور یہ بھی فتح کر لیا۔

حضرت عمرؓ متفکر تھے کہ مسلمانوں کی پشت پر مقام اُبلا ہے جہاں سے پھر ا
کے حملہ کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے مدینہ سے عتبہ بن غزوان کی سرکر
مین ایک فوجی دستہ روانہ کیا۔ یہ فوجی دستہ بڑی ہمت سے بڑھا۔ اور ا
فتح کر لیا۔ اس کے بعد قریب ہی علاقہ میں ٹھہر گئے۔ اور بصرہ شہر کی بنیاد
تھوڑے ہی عرصہ میں بصرہ ایک شہر آباد ہو گیا۔ کچھ عرصے بعد بابل کے
نے صلح کر لی۔ مسلمان بہرہ شیر کی طرف بڑھے اور دو ماہ تک محاصرہ رکھا
فتح ہوئی اور آس پاس کے روساء نے بھی صلح کر لی۔

فتح مدائن

مسلمان بہرہ شیر فتح کر چکے تو اس کے بعد ایران کا پا
مدائن قریب تھا۔ صرف دریائے دجلہ درمیان میں رو
تھا۔ ایرانیوں نے دریا کا پل توڑ دیا تاکہ مسلمان آسانی سے دریا پار نہ کر سکی
لیکن مسلمان دریا سے ڈرنے والے نہ تھے۔ حضرت سعدؓ آگے بڑھے
اور اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ چنانچہ ساری اسلامی فوج دریا میں اتر
گئی۔ دریا میں پانی زور کا تھا۔ اور بڑی تیزی سے چل رہا تھا۔ مسلمان
نظم کے ساتھ قطاروں میں دریا میں اترے تھے۔ اور اسی طرح نظم کے س
بلا خوف و خطر دریا پار کر گئے۔ ادھر ایرانی کنارے پر یہ سب کچھ د
رہے تھے۔ گھبرا کر بھاگ گئے۔ یزدگرد بھی یہ دیکھ کر اہل و عیال کے
حلوان کی طرف بھاگ گیا۔ باقی ایرانیوں نے امان مان لی۔ مسلمان شان
شوکت سے محلاتِ کسریٰ میں داخل ہوئے۔ نمازِ شکر ادا کی جمعہ کا وق
آیا۔ پورے اہتمام سے نماز جمعہ ادا ہوئی۔ سرزمین ایران و عراق
یہ پہلا جمعہ تھا۔

مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ لگا۔ حضرت سعدؓ نے مال

پانچواں حصہ حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا۔ باقی مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ مدینہ بھیجنے والے سامان میں ایک بہت بڑا اور قیمتی فرش تھا۔ حضرت علی کی رائے سے اُس کے ٹکڑے کر دیئے گئے اور لوگوں میں تقسیم ہوا۔

فتح جلوُلاء و حُلوان

جلوُلاء مدائن سے شمال کی طرف تقریباً چالیس میل کے فاصلہ پہ تھا۔ شکست خوردہ ایرانی بھاگ کر جلوُلا پہنچ گئے۔ یہاں کا قلعہ بڑا مضبوط تھا۔ ایرانیوں نے آپس میں مشورہ کر کے قسمیں کھائیں کہ یہاں عربوں سے جم کر لڑیں گے۔ چنانچہ انہوں نے مزید حفاظت کے لئے قلعہ کے گرد خندق کھودی اور باہر چاروں طرف کانٹے وغیرہ بچھا دیئے تاکہ مسلمانوں کو نقل و حرکت میں تکلیف ہو۔ حضرت عمرؓ کی ہدایات کے مطابق حضرت سعدؓ نے ہاشم بن عتبہ کی سرکردگی میں بارہ ہزار فوج دے کر جلولاء کی طرف روانہ کیا۔ اسلامی فوج صفر ۱۶ھ میں جلولاء پہنچ گئی۔ ایرانی قلعہ بند ہوکر لڑتے رہے۔ انہیں حلوان سے جہاں شاہ ایران یزدگرد بیٹھا تھا۔ کمک اور سامانِ رسد پہنچ رہا تھا۔ اس لئے محاصرہ لمبا ہوتا گیا۔ آخر اڑھائی تین ماہ کے محاصرہ کے بعد مسلمانوں نے ایکدن سر دھڑ کی بازی لگا دی اور خندق میں کود کر حملہ آور ہوئے۔ حضرت قعقاع پیش پیش تھے۔ ایرانی گھبرا کر بھاگ نکلے مسلمانوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ بہت زیادہ مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ شاہ یزدگرد بھی خوفزدہ ہوکر حلوان چھوڑ گیا۔ اور مقام رے پہنچ گیا۔ حضرت قعقاعؓ آگے بڑھے اور حلوان پر بھی قبضہ کر لیا۔ ان تمام علاقوں پہ فوجی دستے مقرر کئے اور مالِ غنیمت مدینہ روانہ کر دیا۔ مالِ غنیمت جب مدینہ پہنچا۔ تو حضرت عمرؓ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اور فرمایا کہ جس قوم میں دولت زیادہ ہو جائے وہ رشک و

حسد میں مبتلا ہو کر تباہ ہو جاتی ہے۔

جلولا اور حلوان کے علاوہ اور چھوٹے چھوٹے علاقے معمولی جھڑپ کے بعد زیر ہو گئے۔ تکریت ماسبدان، ہیت اور قرقیسیا کے شہر قبضہ میں آگئے۔ اس کے علاوہ آس پاس کے لوگوں نے بھی صلح کر کے جزیہ دینا قبول کیا۔ اس طرح تقریباً سارے عراق پر مسلمان قابض ہو گئے۔

آبادیٔ کوفہ

مدائن اور دجلہ کی آب و ہوا عرب مسلمانوں کو موافق نہ آئی ان کے جسم کمزور ہونے لگے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو لکھا کہ عراق اور عرب کی سرحد پر کوئی مقام ایسا ڈھونڈیں جس کی آب و ہوا عربوں کے لئے مناسب ہو۔ سلمان اور حذیفہ اس مقصد کے لئے بھیجے۔ آخر ایک جگہ پسند کی گئی اور محرم ۱۷ھ میں حضرت سعدؓ بھی فوجیں لے کر اس مقام پر پہنچ گئے۔ یہ جگہ ریتلی تھی اور عربوں کے مزاج کے بالکل موافق تھی۔ چنانچہ یہاں کوفہ کے نام پر شہر آباد کیا گیا۔ درمیانی حصہ میں ایک جامع مسجد بنائی گئی۔ مسجد سے متصل حضرت سعدؓ کا گھر "قصر سعد" تعمیر کیا گیا۔ شہر کی سڑکیں اور گلیاں کافی فراخ بنائی گئیں۔ فوج کے لئے باقاعدہ چھاؤنی تعمیر کروائی گئی۔

شہر بصرہ کی بنیاد گو اس سے پیشتر رکھی جا چکی تھی۔ لیکن آبادی بہت کم تھی۔ کوفہ کا شہر آباد ہوتے ہی بصرہ کا شہر بھی آباد ہونے لگا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک بڑا شہر نظر آنے لگا۔

تسخیر جزیرہ

شام اور عراق کے درمیان جزیرہ ایک سرحدی علاقہ تھا۔ حضرت عمرؓ کے حکم سے تین فوجی دستے جزیرہ کے علاقہ میں بھیجے گئے۔ تینوں دستوں کے سپہ سالار حضرت عیاض بن غنمؓ

زیرہ سے عیسائی عرب مقام حمص پہنچ رہے تھے۔ تاکہ رومی فوجوں میں
امل ہو کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں۔ جب جزیرہ کے عیسائیوں کو
علوم ہوا کہ مسلمان ان کے علاقہ پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ تو یہ سب لوگ
پس جزیرہ میں پہنچ گئے۔ اسلامی فوج جب جزیرہ کے قریب پہنچی تو عیسائی
رب سہم گئے اور مصالحت کی درخواست کی۔ مقام رہا کے لوگ جزیہ دینے
راضی ہو گئے۔ مقام نصیبین کے عیسائی بھی ذمی بن گئے۔ آس پاس کے لوگ
ی صلح پہ آمادہ ہو گئے۔

جب اسلامی فوج جزیرہ پہنچی تو یہاں کے عیسائیوں نے کہا کہ ہم اس شرط
صلح کرتے ہیں کہ ہم سے جزیہ نہ لیا جائے کیونکہ اسے ہم اپنی ہتک سمجھتے ہیں
م جذیہ کے بدلے دوگنی رقم صدقہ کے نام سے ادا کر دیں گے حضرت عمرؓ
ے حکم سے یہ شرط منظور کر لی گئی۔

فتح خوزستان خوزستان کا چھوٹا سا علاقہ بصرہ کے قریب شمال مشرق میں واقع تھا۔ یہاں ہرمزان فوجوں کے
ساتھ بیٹھا تھا۔ بصرہ کے مسلمانوں کو خوزستان کی طرف سے دن رات خدشہ
رہتا۔ کیونکہ ہرمزان کی فوجیں کبھی کبھی قریبی مسلمانوں سے زیادتی کرتیں اور
یہ بات عہد کے خلاف تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے امیر بصرہ عتبہ بن غزوان
ر فوجی کمک بھیجی کہ خوزستان کو زیر کیا جائے۔ ہرمزان اپنی فوجیں لے کر
شہر اہوازہ کے قریب فرد کش ہوا۔ اسلامی فوجیں جب سامنے آئیں تو ہرمزان
بھاگ نکلا اس فتح کا حضرت عمرؓ کو علم ہوا۔ تو انہوں نے عتبہ کو لکھا کہ مجھے ،
دس معتبر قسم کے آدمی بھیجے جائیں جن سے میں تفصیلی حالات دریافت کر سکوں۔
جب بصرہ سے دس آدمی مدینہ پہنچے تو حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ "کیا تم لوگ

ذمیوں (غیر مسلم رعایا) پر ظلم اور تشدد و توہین کرتے جو وہ مصالحت کے بعد بھی چھیڑ چھاڑ سے باز نہیں رہتے۔؟" انہوں نے کہا حضرت بالکل نہیں ہم اُن کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ تاکہ مسلمانوں کے حسن سلوک سے اور لوگ مسلمان ہوں۔" حضرت عمرؓ نے عتبہ کے نام ایک خط لکھ کر بھیجا کہ ذمی عہد میں قطعاً ظلم نہ ہو۔ اپنے عہد کا پاس رکھو۔ انصاف سے کام لو۔ ایفائے کی وجہ سے ہی ہم لوگ فتح یاب ہو رہے ہیں۔ اور اگر ہم لوگ زیادتی کر لگے تو یقیناً اللہ ہماری مدد نہیں کرے گا۔ اور جو علاقے ہمارے قبضہ میں ہیں وہ ضرور چھین لئے جائیں گے۔"

فتح ایران

تسخیر خوزستان کے وقت شاہ ایران یزدگرد مقام مرو مقیم تھا۔ وہ بہت سٹ پٹایا کہ مسلمان ہر طرف پیش قدمی کر رہے ہیں۔ اور فتح نصرت ان کے قدم چوم رہی ہے۔ چنانچہ اس نے ایرانیوں کو پھر مذہبی اور قومی جوش دے دے کر مسلمانوں کے خلاف جنگ پر اکسانا شروع کیا۔ حضرت عمرؓ کو علم ہوا۔ تو انہوں نے حضرت سعدؓ کو حکم بھیجا کہ نعمان بن مقرن کو فوج دے کر خوزستان بھیج دو اور بصرہ سے بھی کمک وہاں پہونچائی جائے جب دونوں اسلامی دستے بصرہ اور کوفہ کے درمیان میں پہنچے تو حضرت عمرؓ کے حکم سے اس ساری فوج کے سپہ سالار مقرر کر دیئے گئے۔ ایرانی فوج خوف زدہ ہو کر مقام تستر بھاگ گئی

قلعہ بند ہوگئے۔ ایرانیوں کا سپہ سالار ہرمزان تھا۔ کافی عرصہ محاصرہ رہا
مسلمانوں نے قلعہ کا دروازہ توڑ دیا۔ اور شہر میں داخل ہوگئے۔ ہرمزان
ید ہوا اور اس کی خواہش کے مطابق مدینہ میں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج
گیا۔ مدینہ پہنچکر ہرمزان مسلمان ہوگیا۔

جنگِ نہاوند

یزدگرد برابر ایرانیوں کو اکٹھا کرتا رہا اور پورے زور شور سے مسلمانوں کے مقابلے کی تیاریاں کرنے لگا۔
روان شاہ کی سرکردگی میں یزدگرد نے ایک بھاری فوج مقام نہاوند کی
طرف روانہ کی۔ حضرت عمرؓ کے حکم سے اسلامی فوج نعمان بن مقرنؓ کی
سرکردگی میں مقابلہ کے لئے نکلی۔ نہاوند پر دونوں فوجیں برسرِ آزما ہوئیں
بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ نعمان بن مقرن شہید ہوگئے۔ نعیم بن مقرن
نے فوراً قیادت سنبھال لی اور جنگ جاری رکھی۔ شام ہوئی تو ایرانی بھاگ
نکلے۔ تیس ہزار کے قریب ایرانی مارے گئے۔ اس جنگ کو فتح الفتوح
کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔

عام لشکر کشی

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے سوچا کہ جب تک ایران کا بادشاہ یزدگرد ایران میں موجود ہے سرکشی اور بغاوت
ختم نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ آپ نے وسیع پیمانے پر لشکر کشی کا ارادہ کیا اور
مختلف سپہ سالاروں کے تحت کئی دستے ایران کے تمام علاقوں میں پیشقدمی
کے لئے روانہ کئے۔ ہر سردار نے اپنے علاقے میں خوب معرکے دکھائے
اور فتح حاصل کی۔ اس طرح تھوڑے سے ہی عرصہ میں سارا ایران زیرِ نگین ہو
گیا۔ یزدگرد بھاگ کر دربدر خاک چھانتا پھرا۔ آخر ترکستان پہنچ گیا۔

فتح شام

حضرت ابوبکر رضہ کے عہد میں مُلک شام فتح ہونا شروع ہو چکا تھا جب آپ نے وفات پائی اس وقت یرموک کا علاقہ حضرت خالد بن ولید رضہ کی جنگی تدابیر سے زیر ہو چکا تھا۔ حضرت عمر رضہ کے حکم سے دمشق کا علاقہ حضرت ابو عبیدہ کی سرکردگی میں حملہ کی زد میں تھا اور محاصرہ ہو چکا تھا۔

تسخیر دمشق

دمشق کا شہر چاروں اطراف سے مضبوط فصیل سے گھرا ہُوا تھا۔ اور فصیل کے باہر ایک کافی چوڑی اور گہری خندق تھی جو پانی سے بھری پڑی تھی۔ حضرت ابو عبیدہ رضہ کے حکم سے دمشق کے چاروں طرف ہر دروازہ کے آگے اسلامی فوجیں محاصرہ کے لئے بیٹھی تھیں آخر حضرت خالد رضہ کی تدابیر اور کوششیں کام آئیں۔ وہ مشرقی دروازہ پر تقریباً پانچہزار فوج کے ساتھ متعین تھے۔ انہوں نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ مشکوں کے ذریعے تیر کر خندق پار کریں۔ رات کا وقت تھا بہت سے مسلمان خندق پار کر گئے اور رسیوں کے زینے کی مدد سے شہر میں اُتر گئے کہتے ہیں کہ اس رات دمشق کے شہر میں ایک بڑے پادری کے ہاں لڑکا پیدا ہونے پر خوشیاں منائی جا رہی تھیں جس کی وجہ سے دمشق کے اکثر لوگ دوسری جانب مصروف تھے۔ حضرت خالد رضہ نے جاسوس چھوڑے ہوئے تھے جب انہیں واقعہ کا علم ہوا تو موقع پا کر شہر پر حملہ آور ہوئے۔ بہر حال مسلمان شہر میں داخل ہوتے ہی پہرہ داروں پر ٹوٹ پڑے اور آن کی آن میں سب کو خاک پر لٹا دیا۔ شہر کا بڑا دروازہ توڑ دیا گیا جس کے رستے حضرت خالد رضہ کی باقی فوج بھی شہر میں داخل ہو گئی

رومیوں نے خوفزدہ ہو کر خود ہی شہر کے باقی دروازے کھول دیئے۔
حضرت ابو عبیدہؓ جو شہر کے دوسری طرف تھے۔ انہیں ابھی معلوم نہیں
تھا کہ حضرت خالدؓ شہر میں داخل ہو چکے ہیں۔ رومیوں نے حضرت ابو عبیدہؓ
سے جا کر صلح کر لی۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے مصالحت قبول کر لی اور
فوج کے ساتھ دمشق میں داخل ہوئے۔ شہر کے درمیان پہنچے تو حضرت
خالدؓ شہر فتح کرتے ہوئے ملے۔ چونکہ حضرت ابو عبیدہؓ صلح کر چکے تھے۔
اس لئے فتح شدہ علاقہ بھی رومیوں کو واپس دے دیا اور مال غنیمت
اور قیدی سب ان کے حوالے کر دیئے۔ دمشق کی فتح ۱۴ھ میں
ہوئی اور تقریباً دو اڑھائی ماہ کے محاصرے کے بعد یہ شہر فتح ہوا۔

تسخیر فحل

فتح دمشق مسلمانوں کے لئے خوشی کا باعث ہوئی لیکن
رومیوں کے لئے سخت ندامت تھی۔ چنانچہ انہوں
نے دوسرے علاقوں سے فوجیں جمع کر کے شہر فحل کے قریب مقام
بلسیان میں صف آرائی کی۔ مسلمانوں کو علم ہوا تو انہوں نے شرجیل بن
حسنہ کی سرکردگی میں فحل میں فوجیں جمع کر لیں۔ رومیوں نے درخواست
کی کہ معاذ بن جبلؓ کو مصالحت کے لئے ان کی طرف بھیجا جائے۔ معاذ
گئے۔ لیکن صلح کی کوئی صورت نہ بنی۔ آخر ذیقعدہ ۱۴ھ میں جنگ
چھڑ گئی۔ بڑے زبردست معرکے ہوئے لیکن میدان آخر کار مسلمانوں
کے ہاتھ رہا۔ بے شمار رومی مارے گئے۔ کچھ بھاگ کر جان بچا گئے
مسلمان آس پاس کے شہروں پر بھی قابض ہو گئے۔

فتح حمص

حمص میں رومیوں کی کچھ فوجیں جمع تھیں اور شکست خوردہ
علاقوں سے جو لوگ بھاگ گئے تھے۔ وہ بھی یہاں پہنچ گئے۔

حضرت ابو عبیدہؓ حضرت خالد کے ساتھ فوج لے کر حمص کی طرف بڑھے
جاڑے کا موسم تھا۔ سردی شدید پڑ رہی تھی لیکن مجاہدین اسلام ثابت
قدمی سے حمص کا محاصرہ کئے رہے آخر تنگ آکر رومیوں نے مصالحت کر

دیگر شامی فتوحات

اس کے بعد حضرت خالدؓ ایک بھاری فوج کے ساتھ قنسرین کی طرف بڑھے۔ راستہ میں
مقام حاضر میں کچھ رومی فوجیں جمع تھیں۔ اُن سے مقابلہ ہوا۔ خالدؓ نے
ایک ہی وار میں ان کے سپہ سالار میناس کو ختم کر دیا۔ بہت سے رومی
قتل ہوئے اور باقی قید کر لئے گئے۔ بعد میں قیدیوں نے امان چاہی
حضرت خالدؓ نے انہیں چھوڑ دیا۔ حاضر سے حضرت خالد قنسرین گئے
اہل قنسرین ایک مضبوط قلعہ میں بند تھے۔ مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا
حضرت خالدؓ نے رومیوں کے پاس ایک سفیر بھیجا اور کہلایا کہ :۔

اے رومیو! تم بالآخر زیر ہو کر رہو
گے اگر تم آسمان پر بھی چڑھ جاؤ تو بھی
نہیں بچ سکتے اللہ تعالیٰ ہمیں تم تک
پہنچا دے گا۔ یا وہ تم کو ہم تک اتار لائے گا۔

اہل قنسرین حضرت خالدؓ کی فتوحات اور جنگی تدابیر سے خوب واقف
تھے۔ لہذا یہ پیغام سنتے ہی سہم گئے۔ اور مصالحت کر لی۔ حضرت خالدؓ
نے قنسرین فتح کرنے کے بعد۔ شام کے باقی شہروں اور علاقوں پر بھی
جھڑپوں کے ساتھ فتح حاصل کر لی۔ مدینہ میں حضرت عمرؓ نے جب خالدؓ کے
جنگی کارنامے سُنے تو خوشی سے پکار اٹھے۔ !

"اللہ تعالیٰ حضرت ابو بکرؓ صدیق
پہ رحم فرمائے وہ مجھ سے کہیں زیادہ

مردم شناس تھے سچی بات یہ ہے کہ خالدؓ
اور مثنیؓ کو میں نے اس لئے نہیں معزول
کیا تھا کہ مجھے اُن دونوں پہ کوئی شبہ تھا۔
بلکہ صرف اس لئے معزول کیا تھا کہ مسلمان
محض انہی پہ اعتماد اور بھروسہ نہ کرنے لگیں۔

تسخیر فلسطین

فتح شام کے وقت حضرت عمرو بن عاصؓ ایک بڑے اسلامی لشکر کے ساتھ فلسطین میں پہنچے ہوئے تھے۔ اجنادین میں رومیوں کا سردار ارطبون بڑا چالاک ہوشیار اور معاملہ فہم آدمی تھا۔ وہ بھی ایک کثیر فوج جمع کئے مسلمانوں سے مقابلے کے لئے تیار بیٹھا تھا۔

فتح اجنادین

حضرت عمرو بن عاصؓ نے حالات کا پورا پورا جائزہ لے کر حضرت عمرؓ کو اطلاع دی کہ کیا کیا جائے حضرت عمرؓ نے لکھا کہ "میں نے روم کے ارطبون کے مقابلہ پہ عرب کا ارطبون (عمرو بن عاصؓ) بھیجا ہے۔ دشمنوں پہ شیروں کی طرح حملہ کرو۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے بالآخر فتح تمہاری ہو گی۔"

حضرت عمرو بن العاصؓ نے اجنادین کا محاصرہ کر لیا۔ فریقین سے سفیر آتے جاتے رہے لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی۔ ایک دفعہ حضرت عمرو بن عاصؓ خود بھیس بدل کر سفیر کی صورت میں ارطبون کے دربار پہنچ گئے ارطبون سمجھ گیا۔

کہ یہ عمرو بن عاصؓ ہیں۔ اس لئے اپنی رومی زبان میں اپنے ایک درباری کو کہ
کہ تم دروازے پر تلوار کے ساتھ چھپے رہو۔ جوں ہی عمروؓ بن عاص نکلیں
کر دینا۔ حضرت عمرو بن عاصؓ بھی بہت سمجھدار تھے۔ معاملہ بھانپ گئے
فوراً سوچ کر ارطبون سے کہا کہ میرے ساتھ نو آدمی اور آئے ہوئے ہیں۔ جو
باہر ایک جگہ کھڑے ہیں۔ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان تمام باتوں کے متعلق جو میر
اور آپ کے درمیان ہوئی ہیں ان سے مشورہ کر لینا چاہیئے لہذا ہم کل پھر و
کے دس آدمی یہیں حاضر ہو جائیں گے۔ تاکہ کوئی فیصلہ کر سکیں۔ ارطبون نے
سوچا کل ایک کی بجائے دس آدمی ہاتھ لگیں گے اس لئے اس نے حضرت عمرو
سے کہا مجھے منظور ہے۔ اور دوسری طرف اپنے چھپے ہوئے آدمی کو دروا
سے ہٹا لیا۔ اس طرح حضرت عمرو بن عاصؓ وہاں سے بچ نکلے۔ ارطبون
اگلے روز معلوم ہو گیا کہ اُس سے بھی زیادہ معاملہ فہم لوگ دنیا میں موجود ہیں
چنانچہ افسوس افسوس کہہ کر ہاتھ ملنے لگا۔

اگلے ہی روز مسلمانوں نے رومیوں پر حملہ بول دیا۔ رومی بھی بڑی بہادر
سے لڑے بڑے زور شور سے لڑائی ہوئی۔ آخر رومیوں کو منہ کی کھانی پڑی
ارطبون بھاگ کر بیت المقدس میں پناہ گزین ہوا۔ اور باقی فوج بھی وہیں بھاگ
گئی یہ واقعہ ۱۵ سنہ ھ کا ہے۔

فتح بیت المقدس

بیت المقدس کا شہر چاروں طرف سے مضبوط فصیل سے گھرا ہوا تھا۔ حضرت عمروؓ بن عاص نے فو
بیت المقدس میں پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ لمبا ہوتا گیا۔ اسی اثنا میں
حضرت ابو عبیدہ رضؓ اور حضرت خالدؓ ملک شام فتح کر کے بیت المقدس پہنچ
گئے۔ ارطبون یہ دیکھکر مسلمانوں کو مزید کمک پہنچ گئی ہے۔ بہت گھبرایا اور

سفیر کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ ہم صلح چاہتے ہیں۔ بشرطیکہ امیر المومنین حضرت عمرؓ خود آکر معاہدہ کریں۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے فوراً قاصد مدینہ روانہ کیا۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو صحابہ سے مشورہ کیا اور حضرت علیؓ کو عارضی طور پر نائب مقرر کر کے خود بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک قاصد آگے بھیج دیا کہ امراء لشکر اسلامی مجھے راستہ میں مقام جابیہ پر ملیں۔ حضرت عمرؓ جابیہ میں پہنچے تو امراء لشکر نے استقبال کیا۔ صلاح ومشورہ ہوا۔ پھر حضرت عمرؓ نے رومیوں کو پیغام بھیجا کہ جابیہ میں ہی آکر معاہدہ کرلیں چنانچہ ارطبون کے سفیر جابیہ میں پہنچ گئے۔ اور مندرجہ ذیل معاہدہ سے ہوا۔

"بیت المقدس کے لوگوں کو اس عہدنامے کی رُو سے امان دی جاتی ہے۔ ان کی جان ومال اور مذہب محفوظ رہیں گے۔ شہری معاشرتی، معاشی اور مذہبی زندگی کے پورے حقوق ہوں گے۔ یہ لوگ جزیہ ادا کریں گے یہودیوں کو بیت المقدس میں رہنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ جو رومی یہاں سے نکل کر اپنے اصلی گھروں میں جانا چاہیں وہ جاسکتے ہیں۔ یہ معاہدہ حضرت خالدؓ بن ولید، حضرت عمرو بن عاصؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت معاویہ بن سفیانؓ کی موجودگی میں ہوا اور یہ لوگ اس کے گواہ ہیں۔"

فتح بیت المقدس ۱۶ھ میں ہوئی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ بیت المقدس پہنچے۔

زیارت بیت المقدس جابیہ سے حضرت عمرؓ بیت المقدس پہنچے مسلمان امراء نے استقبال کیا حضرت عمرؓ کے جسم پر اتنا معمولی لباس تھا کہ لوگ دیکھ دیکھ کر حیران ہوتے۔

سب سے پہلے آپ عیسائیوں کے گرجا کو دیکھنے گئے۔ نماز کا وقت وہیں ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے کہا یا امیر المومنین۔ آپ یہیں نماز پڑھ لیں لیکن آپ نے باہر آ کر نماز ادا کی اور فرمایا کہ اگر میں کنیسہ (گرجا) کے اندر نماز پڑھتا تو مجھے ڈر تھا کہ کہیں مسلمان وہاں نماز پڑھنا شروع نہ کر دیں اور اس پر قبضہ کر لیں۔

پھر امیر المومنین حضرت عمرؓ مقام صَخرہ دیکھنے گئے جہاں حضرت یعقوبؑ سے اللہ تعالیٰ ہمکلام ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے جگہ صاف کی اور وہاں مسجد بنوانے کی خواہش ظاہر کی چنانچہ وہاں مسجد تعمیر کی گئی جو آج بھی مسجد عمرؓ کے نام سے مشہور ہے۔

بیت المقدس کے بعد حضرت عمرؓ نے دوسرے مفتوحہ علاقوں کا دورہ کیا۔ سرحدی انتظامات کا جائزہ لیا اور بخیر و عافیت واپس پہنچ گئے۔

فتحِ مصر

رومیوں نے شام اور فلسطین میں ہر جگہ شکست کھائی۔ اب ان کے لئے صرف مصر ہی ایک ایسا مرکز تھا جہاں پہلے سے رومی فوجیں جمع ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا جا سکتا تھا۔ حضرت عمرو بن عاصؓ خوب جانتے تھے کہ جب تک مصر فتح نہیں ہوتا، رومیوں سے خطرہ ضرور باقی ہے۔ دوسرے فتح مصر کے بعد اہل عرب آسانی سے بیرونی مقامات سے تجارتی تعلقات قائم کر سکیں گے۔ چنانچہ حضرت عمرو بن عاصؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ انہیں مصر پر حملہ کرنے کی اجازت دیں۔ حضرت عمر کافی دیر تک ٹالتے رہے لیکن آخرکار اجازت دے دی اور ۱۸ھ میں حضرت عمرو بن عاصؓ کو چار ہزار مجاہدوں کا مضبوط فوجی دستہ دے کر مصر کی طرف روانہ کیا۔

تسخیر فرما و بلبیس مصر کی سرزمین میں سب سے پہلے فرما میں رومیوں سے مقابلہ ہوا۔ رومی قلعہ بند ہو کر لڑ رہے تھے۔ ایک ماہ تک محاصرہ رہا۔ بالآخر شہر فتح کر لیا گیا۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ فرما کی تسخیر میں کچھ قبطیوں نے مسلمانوں کی مدد کی تھی۔ قبطی مصر کے اصل باشندے تھے۔ اور انہیں بعض مذہبی امور میں رومیوں سے اختلاف تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اسی وجہ سے بعض قبطیوں نے قلعہ فتح کرنے

میں مدد کی ہو فرما کی تسخیر کے بعد اسلامی فوج مقام بلبیس پہنچی ۔ رومیوں سے محنت ہوا۔ بیت المقدس کی شکست خوردہ فوج بھی یہاں موجود تھی جو بڑے جوش وخروش سے مقابلہ کر رہی تھی ۔ لیکن حضرت عمرو بن عاص کی جنگی اور مسلمانوں کے جذبہ جہاد کے سامنے ان کی دال گل نہ سکی اور تھوڑی د شکست فاش کھا کر بھاگ نکلے ۔

فتح بابلیون

اسلامی فوج بلبس کو فتح کرنے کے بعد بابلیون پہنچی یہا ایک بہت بڑا مضبوط قلعہ تھا ۔ مسلمانوں نے قلعہ محاصرہ کر لیا ۔ محاصرہ لمبا ہوتا گیا ۔ مدینہ میں حضرت عمرؓ کو علم ہوا تو انہو نے چار سپہ سالاروں کے تحت دس ہزار فوج مدد کے لئے روانہ کی ۔ سپہ سالاروں میں حضرت زبیرؓ بھی تھے ۔ کمک پہنچنے پر مسلمانوں کو بہ تقویت پہنچی ۔ آخر ۱۹ سنہ ھ میں سات ماہ کے محاصرے کے بعد ایک د حضرت زبیرؓ کی تدابیر کارآمد ہوئیں ۔ انہوں نے زینہ کی مدد سے فصیہ عبور کی اور شہر میں داخل ہو کر دروازہ کھول دیا ۔ اسلامی فوج قلعہ داخل ہو گئی ۔ لیکن رومیوں نے لڑنے کی بجائے مصالحت کر لی ۔

فتح اسکندریہ

اسکندریہ کا شہر بحیرۂ روم کے ساحل پر واقع کی وجہ سے مشہور و معروف تھا ۔ یہاں بڑی تعد رومی فوجیں جمع تھیں ۔ رومیوں کو جب بابلیون میں شکست ہوئی تو اسک میں ہر طرف سے فوجیں جمع ہونے لگیں ۔ اسکندریہ کا قلعہ مصر بھر میں مض ترین قلعہ مانا جاتا تھا ۔ اور اس پر رومیوں کو بڑا ناز تھا ۔ بحری اور دونوں راستوں سے رومیوں کو کمک اور سامان بڑی تیزی سے پہنچ رہا تھا ۔

بابلیون فتح کرنے کے بعد حضرت عمرو بن عاصؓ فوج کے ساتھ اسکندریہ
طرف روانہ ہوئے۔ اسکندریہ سے باہر پندرہ بیس میل کے فاصلے پر مشرق
جانب مقام کریون پہ رومیوں کی کچھ فوج نے مسلمانوں کو روکا۔ بڑی خونریز
ہوئی۔ رومی بھاگ گئے اور اسکندریہ میں جا پہنچے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ
نے بڑھکر اسکندریہ کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں کے پاس نہ تو جنگی بیڑا تھا۔ کہ
رومیوں کی اس کمک کو روکتے جو انہیں سمندر کی راہ ملتی تھی اور نہ ہی محاصرے
کے پورے ہتھیار موجود تھے۔ اس لئے محاصرہ کافی لمبا ہوگیا۔ رومی بھی
آخر میں تنگ آگئے۔ آخر مسلمانوں نے ایک دن بڑے زوروں سے حملہ کر
دیا۔ رومی سہم گئے۔ اور مصالحت کی درخواست کی۔ گو قلعہ بزور تلوار فتح ہو
چکا تھا۔ لیکن حضرت عمرو بن عاصؓ نے مصالحت کی وجہ سے اس فتح کا نام
فتح صلح" رکھدیا۔ اہل اسکندریہ ذمی قرار دیئے گئے۔ اور صلح نامے پر
فریقین کے دستخط ہو گئے۔

فتح اسکندریہ کے بعد حضرت عمرو بن عاصؓ نے خیال کیا کہ ایک شہر کو مسلمانوں
کا پایۂ تخت (صدر مقام) بنایا جائے۔ اسکندریہ چونکہ مرکز سے بہت دور
تھا۔ اس لئے حضرت عمروؓ نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کے مشورے سے
دریائے نیل کے مشرقی کنارے پر آکر قیام کیا۔ اور اسی جگہ ایک نیا شہر آباد
کیا جس کا نام فسطاط رکھا۔ فسطاط عربی زبان میں خیمہ کو کہتے ہیں جو کافی بڑا ہو
چونکہ مسلمانوں نے یہاں خیمے گاڑے تھے۔ اس لئے اسی نسبت سے اس
شہر کا نام فسطاط رکھا۔

عہدِ فاروقیؓ کی فتوحات پر ایک نظر

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے عہدِ حکومت میں جو صرف سوا دو سال کی تھی. عراق اور شام کا تھوڑا سا حصہ فتح ہوا تھا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ فاروق امیر المومنین ہوئے تو پھر فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس وقت سب سے بڑی اور زبردست حکومتیں دو تھیں، ایران اور روم۔ ان سلطنتوں کا سکہ باقی تمام ممالک پر بیٹھا ہوا تھا۔ امارت، جاہ و جلال، فوجوں کی کثرت اور سامانِ جنگ پہ دونوں حکومتوں کو ناز تھا۔ علم و فن اور تمدن میں بھی یہ دونوں ملک دُنیا بھر کے رہنما تھے۔ اس کے مقابلے میں خانہ بدوش، مفلس اور غیر مہذب تھے۔ لیکن اسلام کی تعلیم نے ان بدو غیر مہذب اہلِ عرب کا ذہن بدل ڈالا۔ ان کے اخلاق کو عمدہ سانچے میں دیا۔ ان میں علم و عمل، عدل و انصاف اور جذبۂ ایثار کی وہ روح پھونک جس سے وہ اللہ کی راہ میں جان تک دینے کے لئے ہر وقت تیار رہتے یوں کہنا زیادہ درست ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت انہیں اتنی پسند تھی جتنی کہ غیر مسلموں کو زندگی پسند ہوتی تھی۔ انہیں یقین کامل ہوتا ہر میدان کارزار میں فتح ان کی ہے۔ اس لئے کہ اللہ کی مدد ان کے شامل ہے۔ اللہ پر بھروسہ اور یقین ہونے کی وجہ سے اُن میں ناقابلِ تسخیر اور شجاعت پیدا ہو چکی تھی۔ وہ صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے لڑتے تاکہ دنیا میں ظالم اور سفاک حکمرانوں کو ختم کر کے ہمدرد، عادل اور حکمران قائم کئے جائیں۔ اور رعایا زیادہ سے زیادہ سکون اور چین سے زندگی بسر کر سکے۔

یہ تھا وہ جذبہ، وہ ہمت اور وہ استقلال جس نے ایران اور روم جیسی مضبوط اور زبردست سلطنتوں کو پاش پاش کر دیا۔ یہ تھا وہ ایمان جس کی وجہ سے چند سو مسلمانوں کے مقابلہ میں لاکھوں دشمن ڈھیر ہو جاتے۔ یہ تھی وہ شجاعت جس کی وجہ سے بے سروسامان بندوں کے سامنے بے شمار اور اعلیٰ قسم کے آلاتِ حرب کسی کام نہ آتے۔

یہ وجوہ تھے جن کی بناء پر صرف دس سال کے عرصے میں مسلمانوں نے عراق، ایران، شام، فلسطین، اور مصر کے تمام علاقے زیر کر لئے۔ مفتوحہ علاقوں میں ذمیوں کو پورے شہری، معاشرتی، معاشی اور مذہبی حقوق دئے جاتے۔ عدل و انصاف اور رحم و عفو کی وہ مثال قائم کی جاتی اور غیر مسلم لوگ مسلمانوں کے رویہ سے اس قدر متاثر ہوتے کہ انہیں اپنا حکمراں نہیں بلکہ رحمت کا سایہ سمجھتے۔ یہی وجہ تھی کہ بیشتر جنگوں میں کئی غیر ملکی اور غیر مسلموں نے مسلمانوں کی مدد کی اور قلعے فتح کروائے۔ شام کے کئی علاقوں میں قبطیوں نے مسلمانوں کی مدد کی۔ انہیں دشمن کی نقل و حرکت کی خبر دیتے، ندی نالوں اور دریاؤں پر پل بندھوانے میں مدد دیتے اور مضبوط قلعوں کی تسخیر میں کارآمد اور راز دار باتیں بتاتے۔ یہ سب مسلمانوں کے حسن سلوک کا نتیجہ تھا۔

دنیا میں سکندر اور چنگیز خاں جیسے لوگوں نے بھی قلیل عرصے میں کئی کئی ممالک ضرور فتح کئے ہیں۔ لیکن ان سفاک اور ظالم حکمرانوں کی فتوحات کو امیر المومنین حضرت عمر فاروق رض کی فتوحات سے نسبت دینا بالکل ایسی ہی مثال ہے۔ جیسے خاک کو آسمان سے نسبت دی جائے۔

سکندر اور چنگیز خاں وہ لوگ تھے جنہوں نے انسانیت کی بو نہیں سونگھی تھی۔ وہ اخلاق، ہمدردی اور عدل و انصاف کے نام تک سے واقف نہ

تھے۔ سکندر شام میں آیا تو ہزاروں لوگوں کے سر کاٹ کاٹ کر شہر کی فصیل پر لٹکائے ہزاروں معصوم اور بے گناہ انسانوں کو بیچ ڈالا۔ ایران میں پہنچا تو اصطخر کے تمام مردوں کے سر کٹوا دیئے۔ بالکل یہی حال چنگیز کا تھا۔ ایک سرے سے شروع ہوتے تو دوسرے سرے تک جو ملک تہ و بالا کرتے جاتے۔ قتل عام ان کا تماشہ ہوتا۔ کشت و خون اور ظلم و ستم ان کا معمول تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ایسے لوگوں کی حکومت چند روز سے زیادہ نہ رہی۔ دوسری طرف امیر المومنین حضرت عمرؓ کی فتوحات پر نظر ڈالیں کہ ملک کے ملک فتح ہو رہے ہیں۔ لیکن ظلم و ستم کا نشان تک نہیں ملتا۔ بلکہ لوگ مسلمانوں کے زیر سایہ زندگی بسر کرنا پسند کرتے ہیں۔ فوجوں کو حملہ آور ہونے سے پہلے تلقین و ہدایت کی جاتی ہے۔ کہ خبردار ظلم نہیں کرنا۔ بوڑھوں، عورتوں اور بچوں پر ہاتھ نہیں اٹھانا، جو پناہ مانگیں ان پر تلوار نہیں چلانی۔ انسانوں کے کشت و خون تو در کنار، کھیتوں اور پھلدار درختوں تک کو نہیں کاٹنا، بلا ضرورت مویشی ذبح نہیں کرنا اور مفتوحہ علاقوں میں عدل و انصاف قائم کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت سے آج تک تقریباً تمام ان علاقوں میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ گو حضرت عمرؓ خود کسی بھی جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ لیکن تمام جنگیں ان ہی کی ہدایت اور حکم سے ہوئیں۔ وہ مدینہ میں بیٹھکر تمام جنگوں کا جو بیک وقت ایران، شام اور مصر میں ہو رہی تھیں جائزہ لیتے رہتے۔ غور و فکر کرتے اور ضروری احکام اور تدابیر برابر مقامات پر بھیجتے رہتے۔ جنگ کے ہر مقام سے ہدایت کے مطابق قاصد خبریں لے کر مدینے پہنچتے اور مدینہ سے احکامات لے کر واپس اپنے

رچوں پر پہنچے۔ صاف ظاہر ہے کہ تمام اسلامی فوجوں کے دراصل سپہ سالا
و حضرت عمرؓ ہی تھے۔ جو مدینہ میں بیٹھکر اپنی تدابیر اور ہدایات کے مطابق
جوں کو مختلف جگہوں پر بیک وقت لڑاتے تھے۔ چنانچہ نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ تاریخ
لم میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس میں حضرت عمرؓ جیسے فاتح الشان سے
نی قلیل مدت میں اتنے وسیع علاقے کو زیر کیا ہو اور پھر بہترین طریقے
ر عدل و انصاف پر حکومت قائم کی ہو۔

نظامِ حکومت

حضرت عمر فاروق رضہ کے عہد میں باقاعدہ منظم طریق سے حکومت کے تمام ضروری شعبوں کا آغاز ہوا۔ فتوحات وسیع پیمانے پر ہو رہی تھیں جنگوں میں احکامات اور ہدایات برابر مدینہ سے پہنچ رہی تھیں اس کے باوجود حضرت عمرہ نے حکومت کا نظم و نسق پوری توجہ کے ساتھ سرانجام دیا۔

جمہوری طرزِ حکومت

حضرت عمر جمہوریت کی اصل روح سمجھتے تھے اسی لئے انہوں نے ایک عام آدمی کو بھی حکومت پر نکتہ چینی کرنے کا پورا حق دے کر مساوات کا بے نظیر عملی نمونہ پیش کیا۔ آپ اکثر نصیحت فرمایا کرتے کہ مجلسوں کو مخصوص نہ کیا کرو کیونکہ اس طرح خاص آدمیوں کی اپنی رائے عام لوگوں کی رائے سے الگ ہو کر تفریق کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔ عام مجلسیں قائم کرنے سے آپس کی نفرت میں کمی ہوتی ہے۔ کیونکہ اختلاف کم اور اعتماد زیادہ ہوتا ہے۔

مجلس شوریٰ قائم تھی جس کے اعلیٰ ارکان حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت معاذ بنؓ جبل، حضرت ابیؓ بن کعب حضرت زید بن ثابتؓ تھے۔ یہ مجلس تمام امور کا فیصلہ کرتی تھی اور فیصلہ بحث کے بعد اتفاق آراء یا کثرت رائے سے کیا جاتا تھا۔ اگر بہت ہی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو اُسے مجلس شوریٰ کی بجائے عام مجلس میں رکھا جاتا جس میں مجلس شوریٰ کے ارکان کے علاوہ تمام قبائل کے سردار ہوتے تھے۔

عام لوگوں کو بھی حکومت پر ہر طرح سے تنقید کرنے کا حق حاصل تھا تاکہ
[ا]ن کے تمام حقوق محفوظ رہیں۔ اور اگر کسی کو تکلیف ہو یا خلاف حق کوئی چیز
[د]یکھے تو بلا خوف و خطر حاکم کے سامنے بیان کر سکے۔ یہ جمہوریت کی اصل روح
[ت]ھی جو حضرت عمر رضؓ کے عہد میں حکومت کے تمام کاموں میں نظر آتی تھی۔ ایک مرتبہ
[حض]رت عمر رضؓ نے محسوس کیا کہ لوگوں نے عورتوں کے مہر میں کافی اضافہ کر دیا ہے
[اور] یہ بات غریب لوگوں کے لئے تکلیف دہ ہو گی تو آپ نے چاہا کہ مہر کی رقم
[ایک] حد تک مقرر کر دی جائے تاکہ لوگ اس سے زیادہ مہر نہ دے سکیں۔
[آپ] نے یہ مسئلہ مسجد میں لوگوں کے سامنے بیان کیا۔ اور اپنی خواہش بھی کہہ دی۔
[تو] ایک عورت کی آواز آئی کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے کہ:

[و]اٰتَیۡتُمۡ اِحۡدٰهُنَّ	اور تم نے ان بیویوں میں سے کسی
[قِ]نۡطَارًا فَلَا تَاۡخُذُوۡا مِنۡهُ	کو کثیر مال دے دیا تو اس میں سے
شَیۡـًٔا ؕ النساء ۲۰	واپس نہ لو (قرآن)

حضرت عمر رضؓ نے سنا تو فرمایا "بے شک عمر رضؓ نے غلطی کی اور ایک عورت
نے ٹھیک سمجھا۔

ایک مرتبہ آپ تقریر فرما رہے تھے۔ کہ کسی مرد نے کہا:
"اے عمر رضؓ خدا سے ڈرو۔" اور اس نے یہ فقرہ کئی دفعہ دہرایا
حاضرین مجلس میں سے چند لوگوں نے اسے منع کیا کہ امیر المومنین کو کیا کہہ رہے
ہو۔ لیکن حضرت عمر رضؓ نے کہا "اسے کہنے دو۔ میں خوش ہوں کہ میری
قوم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو مجھے غلط رستے سے ہٹانے کے لئے ہر وقت
تیار ہیں۔"

ملکی نظام حضرت عمر رضؓ کے عہد میں مندرجہ ذیل گیارہ صوبوں کی تقسیم
ہوئی:-

۱۔ مکہ: (حضرت نافع بن عبد الحارث والی مکہ)
۲۔ مدینہ۔ (امیر المومنین حضرت عمرؓ)
۳۔ شام۔ (والی: حضرت ابو عبیدہؓ)
۴۔ جزیرہ
۵۔ بصرہ۔ (والی: حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ)
۶۔ کوفہ۔ (والی: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ)
۷۔ مصر۔ (حاکم: عیاض بن غنم)
۸۔ فلسطین
۹۔ خراسان
۱۰۔ آذربیجان
۱۱۔ فارس

ان تمام صوبوں میں کئی کئی اعلیٰ عہدیدار ہوتے تھے۔ جن کا تقرر مجلس شوریٰ کے فیصلے سے ہوتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں ملازمین کی تنخواہیں مقرر نہ تھیں۔ کیونکہ لوگ اپنی خدمت کا عوضانہ لینا خلاف تقویٰ سمجھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے اپنا وظیفہ مقرر کر دیا پھر تمام حاکم اور اعلیٰ عہدیداروں کی خاصی تنخواہیں مقرر کیں تاکہ وہ سہولت سے زندگی بسر کرتے رہیں اور رشوت وغیرہ کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔

کسی صوبے کے حاکم کے تقرر کے وقت اس سے عہد (حلف وفاداری) لیا جاتا کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوگا، باریک کپڑے نہیں پہنے گا۔ چھنا ہوا آٹا نہیں کھائے گا۔ دروازے پر دربان نہیں رکھے گا اور ضرورت مند لوگوں کے لئے اپنا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔ اس کے علاوہ

لی صوبہ کو اس کے فرائض اچھی طرح سمجھا دیئے جاتے بلکہ عام لوگوں
ں حاکم کے فرائض کو وضاحت سے بیان کر دیتے تاکہ عام لوگوں میں حاکم بے
بے اختیارات سے بڑھ کر کام نہ کرے اور عام لوگوں کو بھی خیال رہے کہ
م لوگوں کا بھی خیال ہے کہ حاکم اپنے اختیارات اور حدود میں رہ کر ان
خدمت صحیح طور پر کر رہا ہے یا نہیں۔ اگر کسی علاقہ سے کسی حاکم وغیرہ کی
ی شکایت موصول ہوتی تو حضرت عمر رضؓ فوراً اُسے دربار خلافت میں
لیتے اور معاملے کا تصفیہ خود کرتے۔

ایک مرتبہ عیاض بن غنم رضؓ حاکم مصر کی یہ شکایت امیر المومنین کے پاس
نچی کہ وہ باریک لباس پہنتے ہیں۔ اور اپنے دروازے پر دربان بھی مقرر
ر رکھا ہے۔ حضرت عمر رضؓ نے محمد بن مسلمہ رضؓ کو مصر میں بھیجا کہ حالات کا جائزہ
یں اور اگر شکایت درست ہو تو عیاض رضؓ بن غنم کو جس حالت میں ملیں گرفتار
رکے مدینہ حاضر کریں۔ محمد ابن سلمہ رضؓ مصر میں پہنچے، تو دیکھا کہ عیاض بن غنم رضؓ
باریک لباس پہنے ہوئے ہیں۔ اور دروازہ پر دربان بھی کھڑا ہے۔
چنانچہ انہیں گرفتار کیا اور امیر المومنین کے پاس لے آئے۔ حضرت عمر رضؓ
نے اُن کا باریک لباس اسی وقت اتروایا اور بالوں کی سخت سی قمیض پہنوا
کر حکم دیا کہ آج سے تم جنگل میں بکریاں چرانے کا کام کرو۔

مالی نظام حضرت عمر رضؓ کے عہد سے پہلے مال کا کوئی خاطر خواہ
انتظام نہ تھا۔ جو رقم یا مال موصول ہوتا اسی وقت
خرچ کر دیا جاتا۔ لیکن آپ نے ۱۵ھ میں ایک باقاعدہ اور مستقل
بیت المال (سرکاری خزانہ) قائم کیا۔ مرکزی بیت المال مدینہ میں تھا
اور اس کی چھوٹی شاخیں تمام صوبوں میں تھیں۔ ہر جگہ بیت المال کے

افسر مقرر کئے جو خزانوں کے حساب وکتاب کا جائزہ لیتے رہتے اور ضروریات کے لئے خزانہ سے رقم ادا کرتے۔ صوبوں کے سالانہ خرچ کے بعد اگر کچھ رقم بچ جاتی تو وہ مرکزی خزانہ میں بھیج دی جاتی تمام مال کا حساب باقاعدہ لکھا جاتا۔

حکومت کی آمدنی مختلف ذرائع سے ہوتی تھی۔ محصول اور ٹیکس وغیرہ مندرجہ ذیل بندوبست سے ہوتا تھا۔

۱۔ بندوبست اراضی:۔ حضرت عمرؓ نے عراق کے تمام علاقوں میں زمین کی باقاعدہ پیمائش کروائی۔ یہ کام حضرت حذیفہ بن یمان رضؓ اور حضرت عثمان بن حنیف نے کیا جو پیمائش اور حساب کے ماہر تھے۔ اس پیمائش شدہ زمین پر غیر مسلموں (ذمیوں) سے خاص حساب سے خراج وصول کیا جاتا حضرت عمرؓ نے بڑی احتیاط سے ذمیوں کی زمینوں پر خرچ لگوایا تاکہ لوگوں سے ان کی استطاعت سے زیادہ خرچ وصول نہ ہو۔ آپ نے ان خاص علاقوں میں لوگوں سے شہادتیں لیں کہ ان پر خراج کے سلسلے میں ضرورت سے زیادہ بوجھ تو نہیں ڈال دیا گیا۔ عراق کے علاوہ ان دونوں علاقوں میں پرانے دستور کے مطابق ہی خراج وصول ہوتا تھا۔ اپنی طرف سے اس میں کمی بیشی نہیں کی گئی تھی۔

۲۔ عشر تجارت:۔ یہ وہ تجارتی چنگی (محصول) تھی جو غیر ملکی مال پر لی جاتی تھی۔ مسلمان تجارت کے لئے جب غیر ممالک میں جاتے تو ان سے دس فی صدی محصول لیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے بھی غیر ملکی لوگوں سے جب وہ تجارت کے لئے عرب ممالک میں آتے دس فیصدی (عشر) ٹیکس لینا شروع کیا۔ بعد میں عشر کو ایک عام تجارتی

میں بدل دیا اور مسلمانوں اور ذمیوں دونوں سے علیحدہ علیحدہ تناسب سے ہر مال تجارت پر ٹیکس وصول ہوتا تھا۔

(ج) زکواۃ :- صاحب حیثیت مسلمانوں سے زکواۃ وصول ہوتی تھی۔ ایک خاص نصاب (مقدار) پر ایک خاص تناسب سے لی جاتی تھی۔ زکواۃ وصول کرنے والوں کو مُصَدِّق کہا جاتا تھا۔ جو پوری تحقیق اور تصدیق کے بعد زکواۃ وصول کرتے۔ زکواۃ کے نصاب اور تناسب کی تفصیل اسی کتاب کے باب دوم میں ملاحظہ کیجیئے۔

(د) جزیہ :- یہ وہ ٹیکس تھا جو ذمیوں (غیر مسلم رعایا) سے اُن کے جان و مال کی حفاظت کے عوض میں لیا جاتا تھا۔ اس میں بھی لوگوں کی استطاعت اور ہمت کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ شام و مصر کے لوگ زیادہ خوشحال تھے۔ اس لئے اُن سے چار دینار فی کس کے حساب سے جزیہ وصول ہوتا اور یمن کے لوگوں سے صرف ایک دینار فی کس لیا جاتا۔ سہولت یہاں تک تھی کہ صرف کمانے والوں سے جزیہ لیا جاتا تھا۔ بیکار، اندھے اپاہج وغیرہ اور عورتوں، بچوں اور بوڑھوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔ بلکہ بعض نادار اور مفلس ذمیوں کی مدد بھی کی جاتی اور اُن کا وظیفہ مقرر کر دیا جاتا۔

(ہ) مالِ غنیمت :- مالِ غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو لڑائی میں کفار سے ہاتھ آئے۔ اس میں مال مویشی اور قیدی سب شامل ہیں۔ جو علاقہ فتح ہوتا وہاں کا مال غنیمت مجاہدوں میں تقسیم ہوتا اور پانچواں حصہ مدینہ میں مرکزی بیت المال میں بھیج دیا جاتا۔

یہ بات قابل غور ہے کہ مندرجہ بالا تمام صیغوں (محکموں) میں

حضرت عمر رضہ نے جو افسر مقرر کئے ہوئے تھے، ان پر کڑی نگرانی ہو
تھی۔ کسی کو کسی کام پہ یا کسی مال کی وصولی پہ مقرر کرتے وقت اس
ذمہ داریوں کی وضاحت کر دی جاتی۔ اس کے ذاتی مال اور جائداد
اندازہ کر لیا جاتا تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس شخص نے اپنے مقررہ
کے سلسلے میں کسی ناجائز طریقے سے اپنے لئے تو کوئی مال جمع نہیں
لیا۔ چنانچہ اس طرح رشوت وغیرہ کی گنجائش کے تمام مواقع خ
کر دیئے جاتے۔

فوجی نظام آپ سے پہلے فوج کا باقاعدہ نظام نہیں تھا۔ جن
کے وقت فوج مرتب کر لی جاتی تھی۔ لوگ خود آ
اور کسی خاص مہم کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیتے لیکن ۱۵ھ میں
حضرت عمر رضہ نے ایک باقاعدہ اور مستحکم فوجی نظام قائم کیا۔ آپ
عہد میں کئی جگہوں پہ بیک وقت جنگ جاری تھیں۔ اس لئے ضرور
ہوتی تھی کہ مرکز (مدینہ) میں فوج ہر وقت تیار رہے تاکہ ضرورت
فوراً فوجی دستے محاذ پر بھیجے جا سکیں۔ حضرت عمر رضہ نے فوجی نظا
کی ضرورت اور اہمیت کو سمجھتے ہوئے اسے وسیع پیمانے پہ منظم ک
آپ نے اس سلسلے میں سارے ملک کی مردم شماری کروائی
تمام تفصیلات رجسٹر میں درج کی گئیں۔ حسب مراتب تنخواہیں مقر
کیں فوجیوں کی بیویوں اور بچوں کے وظائف مقرر کئے۔ آپ کے
انصاف کی حد یہ تھی کہ تنخواہ دار لوگوں کے غلاموں کی بھی ان کے
مالکوں جتنی تنخواہیں مقرر کر دیں۔ سپاہیوں کو تنخواہ کے علاوہ راش
میں کھانا اور لباس بھی ملتا تھا۔ خدمت کے اعتبار سے فوجیو

تنخواہ میں اضافہ بھی ہوتا رہتا تھا۔ جنگ قادسیہ میں بڑا زبردست معرکہ
ن آیا تھا جن مسلمانوں نے جانبازی اور جانفشانی سے اس میں حصّہ لیا تھا،
ن کی تنخواہیں دو ہزار سے اڑھائی ہزار تک بڑھا دی گئیں۔

حضرت عمرؓ خاص خیال رکھتے کہ فوج کی تربیت عمدہ سے عمدہ ہو
اور انہیں کوئی ناجائز تکلیف بھی نہ ہو۔ آپ نے حکم دے رکھا تھا کہ کوئی سپاہی
مفتوحہ علاقہ میں زراعت یا تجارت وغیرہ کا کام نہ کرے۔ اس سے آپ
کا مقصد یہ تھا کہ سپاہی کے جنگی جوہر دوسری طرف دھیان کرکے ختم نہ
ہو جائیں۔ فوج کی صحت کے سلسلے میں آپ علاقہ کی آب کا خیال رکھتے۔
موسم بہار میں فوجوں کو سرسبز اور صحت افزا مقامات میں بھیج دیا جاتا۔
کوئی نیا شہر آباد کرنے سے پہلے وہاں کی آب و ہوا کا اچھی طرح جائزہ لیا
جاتا۔ جگہ اگر عربوں کی طبع کے موافق ہوتی تو قیام کیا جاتا ورنہ کوئی اور جگہ
ڈھونڈی جاتی۔ تربیت کے سلسلے میں ہر سپاہی کے لئے ضروری تھا کہ
تیرنا، گھوڑا دوڑانا، تیر چلانا اور ننگے پاؤں چلنا چاروں چیزوں کی ٹریننگ
حاصل کرے۔ انہیں ریشمی اور نرم کپڑے پہننے کی اجازت نہ تھی۔ بیکار
دھوپ میں پھرنے اور حماموں میں غسل کرنے سے ممانعت تھی۔ ہر سپاہی کو
چار ماہ فوج میں باہر رہنے کے بعد کچھ رخصت دی جاتی تاکہ وہ اپنے اہل و عیال
سے مل سکے۔ فوج اگر کوچ کی حالت میں ہوتی تو جمعہ کے دن جائے مقصود
پر قیام کرتی اور قیام بھی کم از کم ایک دن اور ایک رات ہوتا تاکہ سپاہی
کچھ آرام کر سکیں۔

فوج کے کئی شعبے تھے اور ہر شعبے پر ایک افسر مقرر تھا جو جنگ کی
حالت میں سپہ سالارِ اعظم کے حکم سے اپنے دستے کو حکم دیتا۔ اس طرح

فوج باقاعدہ نظم کے ساتھ لڑتی اور ابتری وغیرہ کی نوبت نہ آتی تھی۔
محاذ پر فوج میں خزانچی، مترجم، طبیب، جراح، محاسب
جاسوس رکھے جاتے۔ جاسوسی کا کام زیادہ تر ذمیوں سے
جاتا تھا۔

مختلف جگہوں پہ فوجی مرکز قائم تھے۔ بڑے بڑے فوجی
مدینہ، کوفہ، بصرہ، فسطاط، موصل، حمص، دمشق، ا
اور فلسطین میں تھے۔ ان کے علاوہ اور کئی مقامات پر
چھاؤنیاں قائم تھیں۔ ہر بڑے مرکز میں کم از کم چار
گھوڑے رکھے جاتے۔ مرکزوں اور چھاؤنیوں کے قریب
چراگاہیں بنائی گئیں۔ ہر فوجی گھوڑے کی ران پر "جیش
کا نشان داغ دیا جاتا۔

جنگ سے پہلے سورۂ انفال سنائی جاتی۔ حملہ کے
تین بار "اللہ اکبر" کا نعرہ لگایا جاتا۔ پہلے نعرے پر فوج
اور ترتیب ٹھیک کر لیتی۔ دوسرے پر تیار ہو جاتی او
تیسرے پہ حملہ کر دیتی۔ لڑائی میں تلوار، تیر، نیزہ،
منجنیق اور دبابہ کا استعمال ہوتا۔ جنگ میں عورتیں اور
پانی پلاتے پھرتے۔

عدالت

محکمۂ عدالت بھی حضرت عمرؓ کے عہد حکو
میں معرض وجود میں آیا۔ عدالت کو دا
کہا جاتا تھا۔ جو ہر شہر میں قائم تھی۔ مدینہ میں عدا
مسجدِ نبوی میں قائم تھی۔ اور باقی شہروں کی عدالتیں

مسجدوں میں بیٹھا کرتیں اور تمام احکامات اور فیصلے
میں سنائے جاتے۔ لیکن سزا مسجد کے باہر کسی
۔ دی جاتی تھی۔ جہاں عام لوگ عبرت حاصل کر
سکیں۔

عدالت کے سامنے امیر اور غریب سب یکساں
ہے۔ قانون کی گرفت سے کوئی اپنی امارت یا رتبے کی
بنا پر بچ نہیں سکتا تھا۔ حاکم مجرم ہوتا تو اُسے بھی
بر عام سزا دی جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ مساوات کا دائرہ
سب کے لئے یکساں تھا۔ اور بڑے سے بڑا حاکم بھی
عدل و انصاف کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتا تھا۔ ایک
مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے
پوچھا کہ اگر آپ حاکم ہوں اور میں کسی شخص کو زنا یا
چوری کرتے دیکھوں تو آپ کیا کریں گے؟ حضرت عبدالرحمٰنؓ
نے کہا آپ کی یہ شہادت صرف ایک مسلمان کی شہادت
کے برابر سمجھی جائے گی۔ امیرالمومنین نے فرمایا آپ
نے بالکل سچ کہا ہے۔

حضرت عمرؓ ہمیشہ فرمایا کرتے کہ شکایت یا الزام
لگاتے وقت لوگ خوب سوچ لیا کریں کہ وہ غلط الزام
تو نہیں لگا رہے۔ ورنہ الزام ثابت نہ ہو سکنے پر یا
شہادت نہ دے سکنے پر الزام لگانے والے سزا کے
مستحق سمجھے جائیں گے۔ ایک دفعہ تین معزز صحابہ حضرت

ابو بکرہؓ، حضرت شبلؓ اور حضرت نافع رضؓ نے حضرت مغیرہ پر الزام لگایا۔ جرم ثابت نہ ہوا۔ حضرت عمر رضؓ نے تینوں صحابہ کو سزا دی اور توبہ کرائی۔

حضرت عمر رضؓ نے اعلانیہ بدکاری اور سنگین قسم کے جرم میں رجم (سنگسار کرنا، پتھر مارنا) کی سزا بھی دی۔ آپ نے ایک مرتبہ اپنی تقریر میں فرمایا "رسول اللہ صلعم نے رجم کی سزا دی تھی۔ اس لئے اُن کے بعد ہم بھی یہ سزا دیتے ہیں۔

آپ نے اس نقطۂ نظر سے کہ قاضی اور جج رشوت وغیرہ کے عمل سے بچے رہیں۔ قاضیوں کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر کیں حضرت سلمانؓ حضرت ربیعہ رضؓ اور حضرت شریح رضؓ کی تنخواہیں پانچ پانچ سو درہم ماہوار تھی اور حضرت امیر معاویہ رضؓ کی تنخواہ ایک ہزار درہم ماہوار تھی۔ عام طور پر قاضی ان لوگوں میں سے لئے جاتے جو خوشحال ہوتے تاکہ لالچ سے بچ کر مقدمات کے فیصلے کر سکیں۔

محکمۂ افتاء یہ محکمہ بھی عدالت سے متعلق ہی تھا جو مشکل اور پیچیدہ مذہبی مسائل کے تحقیق اور حل و جواب کے سلسلے میں قائم کیا گیا تھا۔ اس میں فقہا، صحابہ کی ایک خاص جماعت رکھی گئی تھی جس میں حضرت عثمان رضؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاذ بن جبل رضؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت ابی کعب، حضرت زید ابن ثابت رضؓ حضرت ابوہریرہ رضؓ اور حضرت ابو درداء جیسے ممتاز ارکان شامل تھے۔

حضرت عمرؓ نے اس محکمہ میں ہمیشہ معاملات اور مسائل کا حل اس طرح کروایا کہ اختلافات بالکل نہ ہوتا کہ عملی صورت میں کسی کو دقت پیش آئے۔ مسائل حل کر کے باقاعدہ لکھے جاتے اور تحریری صورت میں ہی باہر کے ممالک میں بھیج دیئے جاتے تاکہ احکام کی اشاعت اچھی طرح ہو جائے۔

محکمہ پولیس پولیس کا محکمہ فوج کے محکمے سے علیحدہ تھا۔ جو ملک میں امن و امان قائم رکھنے کا ذمہ دار تھا۔ اس محکمہ کے اعلیٰ افسر کا نام "صاحب ارحداث" تھا۔ اس محکمہ کے ذمہ احتساب کا کام بھی تھا۔ کہ وہ خیال رکھیں کہ دوکاندار اور تجارت پیشہ لوگ ناپ تول میں کمی نہ کریں؛ جانوروں پر ضرورت سے زیادہ بوجھ نہ لادیں، شراب علانیہ نہ بکے اور عام رہگزر پر رہنے کے مکانات نہ بنائے جائیں اسی نوعیت کے اور کئی کام ایسے تھے۔ جو عام لوگوں کی سہولت اور مفاد کے لیے کئے جاتے تھے۔ یہ سب محکمۂ پولیس کے ذمہ ہوتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے عہد سے پہلے جیل کا رواج نہ تھا۔ آپ نے باقاعدہ جیلخانے بنوائے۔ سب سے پہلا جیلخانہ مکہ میں قائم کیا گیا۔ پھر آہستہ آہستہ تمام شہروں میں بنوائے گئے۔ جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ نے ہی شروع کی۔ ابو محجن ثقفی کو اس نے ایک جزیرہ میں جلاوطن کر کے بھیج دیا گیا کہ اس نے کئی بار سزا ملنے اور توبہ کرنے پر بھی شراب پی تھی۔

تعزیر و حدود حضرت عمرؓ نے تعزیر و حدود کے سلسلے میں نہایت اہم اور بہترین قوانین بنائے جن میں سے

بعض مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ قتل اور سخت چوٹ یا زخم کے سلسلے میں قصاص کی سزا بنائی گ
میں عورت اور مرد یکساں سزا کے مستحق تھے۔ قاتل کو قتل کیا
زخم کے بدلے زخم لگایا جاتا۔ اور ایسی ہی دوسری تکالیف کا
لیا جاتا تھا۔

۲۔ شراب پینے پر اسی کوڑے مارنے کی سزا بنائی گئی۔

۳۔ دھوکے سے کسی کو قتل کرنے پر تمام دھوکہ دینے والے قت
جائیں۔

۴۔ بار بار سزا ملنے اور بار بار توبہ کرنے پر بھی اگر کوئی شخص
جرم کا مرتکب ہو تو معاشرے کی بھلائی کے لئے اس شخص کو
کر دیا جائے۔

۵۔ تہمت لگانے والے اگر الزام ثابت نہ کر سکیں تو الٹا اپنا
ملے گی۔

سنِ ہجری کا اجراء

~~عہدِ فاروقی سے~~ پہلے تاریخ کا کوئی
حساب نہ تھا۔ حضرت عمر رضؓ نے مشورے
کہ کسی ایک ہی سن اور تاریخ کے حساب سے ملک کے تمام امو
چلائے جائیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ کس تاریخ کو کون سا کام ہوا
چنانچہ آپ نے ہجری کے نام سے سن قائم کیا جس کی نسبت
مدینہ سے ہے اور ہجرت کے دن سے تاریخ کا شمار کیا جاتا

ترقیِ علوم و فنون

حضرت عمر رضؓ نے اعلیٰ اور ابتدائی د
قسم کی تعلیم عام کر دی تاکہ سب لوگ

سکیں۔ ابتدائی تعلیم کے حصول کے لئے آپ نے مدرسے قائم کئے
ن میں آزاد اور غلام بچوں کی تفریق نہ تھی بلکہ سب اکٹھے تعلیم پاتے تھے
علم کے ساتھ ساتھ مروجہ فنون کی تربیت بھی دی جاتی تھی۔ ان مدرسوں
میں پڑھانے، لکھانے اور فنون سکھانے کے علیحدہ علیحدہ معلم مقرر
کئے۔ صحیح بخاری میں ذکر ہے:۔

"حضرت ام سلمہؓ نے معلم کتاب (لکھائی کا استاد) کے
پاس کہلا بھیجا کہ میرے پاس چند ان لڑکوں کو بھیج دو جو اون
صاف کرنے اور پھیلانے کا کام جانتے ہوں لیکن آزاد لڑکوں
کو نہ بھیجئے گا۔"

عربی زبان کی اشاعت بھی عام تھی تاکہ غیر عرب علوم اسلامیہ
آسانی سے سیکھ سکیں۔ دوسرے ممالک مثلاً ایران، روم اور شام
وغیرہ کے لوگ مدینہ آتے اور کافی عرصہ ٹھہر جاتے۔ ان کی زبان عربی
ہو جاتی تجارت وسیع پیمانے پر ہونے لگی، جس سے لوگ ایک دوسرے
کے ملک میں آتے جاتے اور اس طرح عربی زبان غیر عرب بھی سیکھنے
لگے۔ حضرت عمرؓ نے عرب سے باہر ممالک میں اسلامی سفارت
خانے قائم کئے۔ ان سے بھی عربی زبان کی اشاعت ہوئی۔

حضرت عمرؓ نے ہر قسم کے فن جاننے والوں کے نام کا اعلان
کرا دیا تاکہ عام لوگ ایسے لوگوں سے تعلیم حاصل کر سکیں۔ آپ نے ایک
مجلس قراء (عمدہ طریق پر قرآن پڑھنے والی جماعت) قائم کی
جس میں حضرت عمرؓ خود بھی شامل تھے۔ اور دوسرے جلیل القدر
صحابہؓ بھی۔ معلم عمر کے اعتبار سے نہیں بلکہ علم اور ذہنی دسترس کے

اعتبار سے مقرر کئے جاتے تھے۔

اسی لئے حضرت ابن عباس رضؓ جو ابھی کم سن تھے اور عام صحابہ رضؓ کے بچوں کی عمر کے برابر تھے اپنی علمی قابلیت اور فضیلت کے لحاظ سے ممتاز تھے۔ اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضؓ ایک معمر اور جلیل القدر صحابی نے ان کی شاگردی قبول کی چنانچہ حضرت ابن عباس رضؓ خود فرماتے ہیں کہ میں مہاجرین کے چند آدمیوں کو جن میں حضرت عبد الرحمن بن عوف رضؓ بھی تھے۔ پڑھایا کرتا تھا۔

علمی مجالس میں علم تفسیر اور فقہ کا خوب تذکرہ ہوتا تاکہ ان علوم کی اچھی طرح وضاحت ہو جائے۔ ایک مرتبہ قراء کی مجلس میں حضرت عمر رضؓ نے اصحابہ سے پوچھا کہ سورۂ نصر کی کیا تفسیر ہو گی۔ بعض خاموش رہے اور بعض نے جو جواب دیا وہ تسلی بخش نہ تھا۔ ابن عباس رضؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضؓ نے اُن سے پوچھا۔ انہوں نے کہا اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول صلعم کو آپ کی وفات کی خبر دی ہے جب اس کی مدد اور فتح سے مکہ فتح ہو جائے۔ تو سمجھ لیجئے کہ آپ کا مقصدِ نبوت پورا ہو گیا، پھر آپ اللہ کی حمد و ثنا اور استغفار کیجئے حضرت عمر رضؓ نے فرمایا "یہ صحیح تفسیر ہے میں آپ سے متفق ہوں۔

فقہ کسی چیز کے سمجھنے اور جاننے کو کہتے ہیں۔ دینی اصطلاح میں فقہ دین کے اس علم کو کہتے ہیں جس سے دین کی صحیح صحیح واقفیت معلومات حاصل ہوں۔ اس علم سے مذہبی مسائل کو حل کرنے کے سب سے پہلے قرآن سے حکم ڈھونڈا جاتا ہے۔ اور اگر وہاں سے کوئی بات یا اشارہ معلوم نہ ہو سکے۔ تو پھر سنتِ رسول اللہ

م کی عملی زندگی، سے اس مسئلے پر کوئی وضاحت معلوم کی جاتی ہے۔
یہاں سے بھی کچھ معلوم نہ ہو سکے تو پھر قرآن اور سنت کی روشنی میں
۔ دوسرے علماء دین کے مشورے سے یوں سوچا جائے گا کہ مسئلہ
، ہو جائے اور دین کے بنیادی تقاضوں پر کوئی زد نہ پڑے حضرت
رضہ علم فقہ حاصل کرنے کی ہمیشہ ترغیب دیا کرتے تھے۔ اور ایسے
ائل ہمیشہ صحابہ کے مشورہ سے طے کرتے تاکہ اختلاف پیدا ہونے کی
بت نہ آئے۔

فاہ عامہ حضرت عمر نے رفاہِ عامہ کا خاص خیال رکھا تاکہ رعایا کے
تحفظ اور امن و امان کی جو ذمہ داری حاکم وقت پر
ند ہوتی ہے۔ وہ پوری طرح سر انجام دی جا سکے۔ مکہ اور مدینہ کے
ہروں کو آنحضور صلعم کی وجہ سے سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔
ن دونوں شہروں کے درمیان آمد و رفت بہت زیادہ تھی۔ ایک لمبا
صلہ (تقریباً دو سو میل) ہونے کی وجہ سے حضرت عمر رضہ نے مسافروں
سہولت اور آرام کی خاطر ۱۷ھ میں تمام منزلوں پر حفاظتی چوکیاں
ئم کیں۔ مسافر خانے اور پانی کے حوض بنوائے۔ اس کے علاوہ
ومت کے تمام علاقوں میں سڑکیں بنوائیں ندی، نالوں اور دریاؤں پر
ل بنوائے۔ جا بجا مسجدیں تعمیر کروائیں۔ تحفظ امن کی خاطر چھاؤنیاں
قلعے اور چوکیاں بنوائیں۔ مسافر خانے تقریباً تمام شہروں میں تعمیر
روائے تاکہ لوگ ایک دوسرے ملک اور شہر میں جا کر آرام سے
رہ سکیں۔

ملکوں کو سرسبز بنانے اور زراعت کو فروغ دینے کے لئے

حضرت عمرؓ نے کئی نہریں کھدوائیں ۔ ان نہروں سے فائدہ حاصل کرنے اور ان کی دیکھ بھال کے لئے محکمۂ زراعت قائم کیا ۔ لیکن بعض نہریں محکمۂ زراعت کے تحت نہ تھیں مثلاً نہر ابی موسیٰ سب نہروں سے چھوٹی تھی ۔ اور صرف بصرہ کے لوگوں کو پانی مہیا کرنے کے لئے بنوائی گئی ۔ یہ نہر دریائے دجلہ سے نکالی گئی تھی ۔ اور کل نو میل لمبی نہر معقل بھی اسی علاقے میں زراعت کے لئے کھدوائی گئی ۔ کوفہ میں سعد بن ابی وقاص حاکم کوفہ نے ایک نہر بنوائی ۔ نہر امیر المومنین سب سے بڑی تھی ۔ یہ نہر دریائے نیل سے نکل کر بحیرہ قلزم میں ڈالی گئی

ذمیوں کے حقوق

امیر المومنین حضرت عمرؓ نے اپنی حکومت کی غیر مسلم رعایا سے اتنا عمدہ سلوک کیا اور اُن کے حقوق کی اس طرح حفاظت کی کہ آپ کے بعد آج تک ویسی مثال قائم نہیں ہو سکی ۔ آپ ہر علاقے کے حاکم کو متنبہ کرتے کہ ذمیوں کا خاص خیال رکھنا ایسا نہ ہو کہ تم اُن پر سختی کرو اور وہ تمہیں بد عہد اور ظالم سمجھ کر بغاوت پہ آمادہ ہو جائیں بلکہ جب کبھی کسی علاقے سے کسی قسم کے نقضِ امن کی خبر ملتی تو آپ وہاں کے چند معتبر مسلمانوں کو مدینے بلا کر پوچھتے کہ کیا بات ہے ۔ جو وہاں نقضِ امن واقع ہوا ہے ۔ ؟ کیا تم لوگ ذمیوں پر زیادتی کرتے ہو ؟ کیا تم غیر مسلم رعایا کے حقوق ادا نہیں کرتے ؟ آپ پوری تحقیق کرتے اور مناسب کارروائی کے لئے حکم دیتے ۔ امیر المومنین کو ذمیوں کا اتنا خیال رہتا کہ وفات کے قریب آئندہ ہونے والے خلیفہ کے نام مندرجہ ذیل وصیت فرما دی :-

" میں اس کو (خلیفہ وقت کو) ان لوگوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں جن کو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے۔ کہ ان سے کیا ہوا عہد پورا کیا جائے اور ان کی ذہر بہتری کی خاطر لڑا جائے اور ان کو ان کی استطاعت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔"

ذمیوں پر جزیہ کی رقم ان کی معاشی حالت کے مطابق مقرر کی تھی۔ شام اور مصر کے ذمی زیادہ خوشحال تھے۔ اس لئے ان سے چار دینار فی کس کے حساب سے جزیہ لیا جاتا۔ اس کے مقابلے یمن کے غیر مسلم متوسط درجہ کے تھے۔ اس لئے ان سے ایک ایک دینار فی کس لیا جاتا۔ یہی نہیں بلکہ صرف اُن ہی ذمیوں سے جزیہ وصول ہوتا جو کمانے کے قابل تھے۔ بیکار، اندھے، اپاہج وغیرہ، عورتوں بچوں اور بوڑھوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔ حد یہ تھی کہ اُن نادار اور مفلس ذمیوں کی سرکاری خزانہ سے مدد کی جاتی تھی۔ جن کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا۔ ایسے لوگوں کو گھر بیٹھے وظیفہ ملتا تھا۔

ذمیوں کو مذہبی معاملات میں پوری آزادی تھی۔ کہ وہ اپنے عقیدے کے مطابق رسومات پوری کریں۔ لیکن ذمیوں کی ایسی رسوم جن سے اسلام کی اعلانیہ توہین ہوتی ہو۔ ممنوع قرار دی گئیں۔ مثلاً مجوسی (آتش پرست) ماں بہن وغیرہ سے نکاح کر لیتے تھے۔ امیر المومنین نے اعلانیہ ایسا کرنے سے منع فرمایا۔

معاشرتی زندگی میں بھی ذمیوں کا مساوی لحاظ رکھا جاتا تاکہ وہ اسلامی معاشرے میں اپنے آپ کو بے عزت نہ سمجھیں کھانے پینے

کی جائز اور حلال چیزیں آپس میں لے لیتے. صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک نصرانی عورت کے گھر سے پانی منگوا کر وضو کیا یہ ان لوگوں کے لئے سبق تھا جو اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے استعمال شدہ چیز سے بچا ہوا ناپاک سمجھتے تھے۔ عام زندگی میں مسلمان ذمیوں کے عبادت گاہوں میں چلے جاتے تھے۔ لیکن وہاں نماز نہ پڑھتے تھے۔ کیونکہ ان میں تصویریں لگی ہوتی تھیں۔

ذمیوں سے تو بہر حال مسلمانوں کا عہد ہوتا تھا کہ وہ مسلمانوں کی حفاظت میں رہیں گے۔ دوسرے لوگوں سے بھی جو عہد طے پاتا، مسلمان اسے پورا کرتے حتیٰ کہ لڑائی کے دنوں میں اگر کسی دشمن سے دشمن شخص کو بھی ایک معمولی مسلمان سپاہی امان دے دیتا تو عام مسلمان اس عہد کو برقرار رکھتے۔ عراق کی مہم پر جب، ابو عبید ثقفی رضہ اسلامی فوج کے ساتھ مقام نمارق میں مقابلہ کیلئے بڑھے۔ اور انہیں شکست دی تو ایرانیوں کی اس فوج کا سپہ سالار جاپان ایک معمولی مسلمان سپاہی کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ لیکن جاپان نے بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے مسلمان سپاہی کو اپنے بڑھاپے کا عذر دے کر اور دو نوجوان غلام عوضانہ دینے پر اس سے امان لے لی۔ جب جاپان ابو عبیدؓ کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے کہا کہ چونکہ ایک مسلمان تمہیں امان دے چکا ہے اس لئے اب تمہارے اوپر سختی نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ جاپان کو حفاظت سے واپس بھیج دیا۔

انسدادِ غلامی کی سعی

آنحضرت محمد رسول اللہ صلعم کی آمد کے وقت تمام دنیا میں غلامی کا رواج تھا۔ یہ

رض اس قدر وسیع پیمانے پر پھیل چکا تھا کہ یک دم ختم کر دینا ایک
ر فطری اور غیر قدرتی بات تھی۔ اسلام نے آکر تمام انسانوں کو
نانیت کی حقیقت واضح کر دی۔ کہ تمام انسان مساوی حقوق رکھتے ہیں۔
انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرے بشرطیکہ
ہ امن وامان کی زندگی بسر کر رہا ہو۔ اور دوسرے بھی اس سے امن
ں رہیں۔ کسی شخص کو دوسرے پر ظلم کرنے اور اس کے ذاتی حقوق چھیننے
حق حاصل نہیں۔ اگر کوئی شخص یا قوم دوسرے لوگوں پر ظلم کرے تو
للہ کے بندوں کو حق ہے کہ اس شخص یا قوم کو سختی سے ظلم سے روک
ے۔ اور مظلوم لوگوں کو اپنی حفاظت میں لے لیں۔ مختصر یہ کہ اللہ کی زمین
ر صرف اللہ کے نیک بندوں کو حکومت کرنے کا حق حاصل ہے۔ تاکہ وہ
نیا میں امن قائم کر سکیں۔ لیکن اللہ یہ نہیں کرتا کہ بلا کوشش اور ہمت حکومت
سی کے ہاتھ پکڑا دے بلکہ وہ اس پر بھروسہ کرنے والوں اور ہمت
رنے والوں کی مدد ضرور کرتا ہے۔ یہ ہے اسلام کا نظریۂ حکومت
ور رعایا کے سلسلے میں۔

آنحضرت صلعم نے غلاموں کے ساتھ وہ عمدہ سلوک کیا کہ جس
ی مثال شاید دوبارہ قائم نہیں کی جا سکتی۔ آپ اکثر غلام خرید کر آزاد
ر دیتے۔ دوسرے مسلمانوں کو بھی ہدایت کر دی کہ غلام کو آزاد کر
دیا جائے چنانچہ اس سلسلے میں "مکاتبت" آزادی کا ایک طریقہ
قائم ہوا۔ یہ طریقہ قرآن نے لوگوں کو سکھایا تھا کہ غلام سے ایک معاہدہ
لکھوا لیا جائے کہ وہ مقررہ مدت میں ایک طے شدہ رقم ادا کر
دے اور اس کے بعد وہ آزاد ہو گا۔ بہر کیف آنحضرت صلعم اور

دوسرے کئی صحابہؓ نے بلا معاوضہ غلام خرید خرید کر آزاد کیے
حضرت زید بن حارثہ رضؓ غلام کی حیثیت سے حضرت خدیجہ کے پاس
تھے۔ نکاح کے بعد آنحضرت صلعم نے حضرت خدیجہ سے لے کر ان کو
آزاد کر دیا۔ اور اپنا متبنہ (منہ بولا بیٹا، لے پالک) بنا لیا تھا
آنحضرت صلعم نے زیدؓ سے اس قدر عمدہ سلوک کیا کہ جب آپ نے
انہیں اپنے اصل والدین کے پاس چلے جانے کی اجازت دے دی تو زید
نے جانے سے انکار کر دیا اور آنحضرت صلعم کے گھر میں رہنا ہی پسند کیا
آنحضرت صلعم نے ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر جو خطبہ دیا
اس میں بھی غلاموں سے عمدہ سلوک کرنے کی تلقین کی۔ آپ نے فرمایا:

"غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا
جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلانا، جو خود
پہنو وہی ان کو پہنانا۔ ان سے کوئی
غلطی ہو جائے تو درگزر کرنا۔ یا
ان کو جدا کر دینا، وہ بھی اللہ کے
بندے ہیں۔ ان کے اوپر سختی روا
نہ رکھنا۔ نہ عربی کو عجمی (غیر عربی)
پر فضیلت ہے۔ نہ عربی کو عجمی پر
سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔
تمہارے کسی بھائی کی کوئی چیز تمہارے
لئے اس وقت تک حلال نہیں ہے۔
جب تک وہ رضامندی سے نہ بخش

دے ۔ دیکھو! نا انصافی نہ کرنا۔

آنحضرت صلعم کے یہ الفاظ تمام انسانوں پہ ایک عظیم احسان ہے۔ بشرطیکہ کوئی سمجھنے کی کوشش کرے۔ صحابہ رضہ کرام آپ کے نقش قدم پہ چل رہے تھے۔ حضرت عمر رضہ اگرچہ غلامی کو بالکل ختم نہ کر سکے لیکن آپ کی سعی بہرحال اتنی کامیاب ضرور ہوئی کہ غلامی کو حالات کے لحاظ سے کم سے کم کر دیا۔ آپ کے عہد میں بھی بعض لوگ مکاتبت کے قرآنی حکم کو وجوبی (لازمی ضروری) نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن آپ نے سختی کے ساتھ حکم دیا کہ غلاموں کے ساتھ مکاتبت کی جائے۔ چنانچہ امیر المومنین نے حضرت انس رضہ ایک جلیل القدر صحابی کو دُرّے لگائے کیونکہ انہوں نے اپنے غلام سے مکاتبت لینے سے انکار کیا تھا۔

امیر المومنین حضرت عمر رضہ نے کئی غلاموں کو اعلیٰ عہدوں اور بلند مرتبوں پہ فائز کیا تاکہ ان میں احساس کہتری ختم ہو جائے اور وہ اپنے آپ کو دوسروں کے برابر سمجھیں۔ اسی نقطہ نظر سے حضرت عمر رضہ نے آزاد اور غلام لڑکوں کو اکٹھی تعلیم دینے کا بندوبست کیا۔

آپ نے لاوارث (اولاد لُقطہ) بچوں کے لئے قانون بنا دیا کہ وہ آزاد ہیں۔ اور ان کا غلام بنانا جرم ہوگا۔ پھر ایسے بچوں کی تربیت کا خاطر خواہ انتظام بھی کر دیا۔ یہ قانون بنا کر آپ نے ایسے مظلوم بچوں پہ بہت بڑا احسان کر دیا ورنہ لاوارث بچوں کو غلام بنانا بڑا آسان کام تھا۔

نو آبادیات حضرت عمر رضہ کے عہد میں کئی نئی آبادیاں قائم ہوئیں جہاں اہل عرب جاکر آباد ہوئے۔ چونکہ حضرت عمر رضہ اسلامی فوج کی صحت اور تندرستی کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اس لئے آپ

حکم دیتے کہ نئی آبادی یا شہر قائم کرنے سے پہلے اس جگہ کی آب و ہوا کا جائزہ لیا جائے اور جو جگہ عربوں کے مزاج کے موافق ہو اور مرکز (مدینہ) سے وہاں تک پہنچنے میں راستہ دشوار گزار نہ ہو۔ وہاں شہر قائم کر کے سکونت کی جائے۔ بہت سی نئی آبادیوں میں سے مندرجہ ذیل بہت مشہور ہوئیں۔

بصرہ:۔ یہ شہر قادسیہ کی مشہور جنگ کے بعد ۱۴ھ میں عراق اور عرب کی سرحد پر عتبہ بن غزوان نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کے حکم سے آباد کیا۔ شروع میں تھوڑے سے مسلمانوں نے سکونت اختیار کی۔ لیکن ۱۷ھ میں جب عراق میں ہی دوسرا شہر کوفہ آباد ہوا تو اس کے ساتھ ہی بصرہ کی آبادی بھی جلدی سے بڑھنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک بڑا فوجی اور تجارتی مرکز بن گیا۔

کوفہ:۔ عراق کے اکثر علاقے اہل عرب کو راس نہ آئے۔ اس لئے ان کی صحت گرنے لگی ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ کے حکم سے سلمانؓ اور حذیفہؓ مدائن (ایران کا قدیم پایہ تخت) سے روانہ ہوئے۔ اور عراق میں دریائے فرات کے مغربی کنارے کی طرف ایک ایسی جگہ تلاش کی جس کی آب و ہوا عربوں کے لئے مناسب تھی۔ اس جگہ کوفہ شہر آباد کیا گیا اس کے درمیان میں ایک جامع مسجد بنوائی گئی۔ جس میں چالیس ہزار آدمی نماز پڑھ سکیں۔ تمام مکانات اینٹ اور گارے سے تعمیر ہوئے۔ کشادہ سڑکیں بنوائیں۔ جامع مسجد کے قریب ہی بیت المال بنا اور ساتھ ہی حضرت سعدؓ بن ابی وقاص حاکم کوفہ کا مکان "قصر سعد" کے نام سے تعمیر ہوا۔ مسجد کے ساتھ ہی ایک بڑا سائبان بنوایا جس میں ایران کے

شاہی محلات میں سے لائے ہوئے سُرخ پتھر کے ستون لگوائے گئے۔
اس شہر کی تعمیر میں حضرت عمر رضؓ نے خاصی دلچسپی ظاہر کی چنانچہ اُن کے عہد میں ہی یہ ایک عالیشان اور مشہور و معروف شہر کی حیثیت اختیار کر گیا۔
فسطاط یا فسطاط:۔ ملک مصر میں بابلیون کا مشہور قلعہ فتح کرتے وقت اسلامی فوج دریائے نیل کے مشرقی کنارے کی طرف کھلے میدان میں خیمہ زن تھی۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے بابلیون فتح کرنے کے بعد اسکندریہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا جہاں بہت زیادہ مصری فوجیں اکٹھی ہو چکی تھیں۔ اسلامی فوج خیمے اکھاڑ رہی تھی کہ حضرت عمرو بن عاصؓ نے دیکھا کہ ان کے خیمے میں ایک کبوتر نے گھونسلہ بنا رکھا ہے آپ نے کہا میرے خیمے کو مت اکھاڑو۔ اسے یونہی چھوڑ چلو کیونکہ اس میں ہمارا ایک مہمان ہے۔ چنانچہ کبوتر کی خاطر اس خیمہ کو وہیں چھوڑ دیا گیا۔ اسکندریہ فتح کرنے کے بعد حضرت عمر رضؓ کے حکم سے حضرت عمرو بن عاصؓ نے اسی میدان میں جہاں یہ خیمہ چھوڑا تھا۔ ایک شہر آباد کیا جس کا نام فسطاط رکھا۔ عربی زبان میں فسطاط ایک بڑے خیمے کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ شہر اس خیال سے بنایا گیا تھا۔ کہ ملک مصر میں اسلامی فوجوں کا ایک بڑا مرکز بن جائے۔ اس لئے اس شہر نے بہت جلد ہی ترقی کر لی اور سارے مصر کا پایۂ تخت بن گیا۔ بعد میں یہ شہر تعلیم و تربیت، علوم و فنون اور تجارت کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔
مُوصِل:۔ یہ شہر عراق میں بسایا گیا۔ مُوصل کے معنی ہیں ملنے کی جگہ چونکہ یہ شہر مشرق (عراق وایران) اور مغرب (شام و فلسطین) کو ملاتا تھا۔ اس لئے یہ نام رکھا گیا۔ حضرت ہرثمہ بن عرفجہ رضؓ نے یہ شہر

تعمیر کروایا۔ یہاں پہلے ایک چھوٹا سا گاؤں آباد تھا۔ حضرت عمر رض نے بھیجا کہ اس گاؤں کو ایک بڑے شہر میں بدل دیا جائے۔ شہر میں ایک بڑی جامع مسجد بنوائی گئی۔

جیزہ :- یہ شہر بھی فتح اسکندریہ کے بعد ساحلی علاقہ پر تعمیر کیا گیا۔ حضرت عمرو بن عاص رض نے حفاظت کی خاطر یہاں کچھ فوج چھوڑ دی تاکہ سمندر کی طرف سے رومی حملہ آور نہ ہو سکیں ۲۱ھ میں امیر المومنین حضرت عمر رض کے حکم سے یہاں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کروایا گیا یہ جگہ ... کی وجہ سے دلکش منظر پیش کرتی تھی اس لئے اس کی اہمیت اور ... بڑھ گئی۔

خدمت دین

امیر المومنین حضرت عمر رض کے عہد میں صرف ملکی فتوحات ہی نہیں ہوئیں بلکہ مذہبی خدمات بھی نہایت وسیع پیمانے پر سرانجام دی گئیں۔ اشاعت اسلام، درس قرآن، حفاظت حدیث، فقہی مسائل کا حل اور اسلامی تعمیر کا کام نہایت سرگرمی اور انہماک سے کیا گیا۔ ان کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں :-

اشاعت اسلام حضرت عمر رض نے جس جوش و خروش، دلچسپی اور شوق سے اشاعت اسلام میں حصہ لیا وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے عہد خلافت میں بہت زیادہ لوگ مسلمان ہوئے۔ اشاعت اسلام صرف اسلامی اخلاق کے عملی مظاہرہ

پر مبنی تھا اور اس سلسلے میں غیر مسلموں پر ذرا بھر سختی نہیں کی جاتی تھی۔ بلکہ غیر مسلموں کو پوری آزادی دے کر ان کی تمام مذہبی رسومات اور عبادات کی حفاظت کی جاتی۔ وہ لوگ مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق و عادات دیکھ دیکھ کر گرویدہ ہو جاتے اور اسلام لے آتے۔ مسلمان جس نئے ملک یا علاقے میں جاتے، وہاں کے غیر مسلم لوگ ان سے اس قدر متاثر ہوتے کہ سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں اکٹھے مسلمان ہو جاتے۔ جنگ قادسیہ کے بعد چار ہزار غیر مسلم فوج نے اسلام قبول کیا۔ تسخیر جلولاء کے بعد بہت سے امراء اور دوسرے لوگ حلقۂ اسلام میں آ گئے۔ مصر میں دو ہزار مصری بیک وقت اپنے رئیس کے ساتھ اسلام لائے۔ الغرض حضرت عمرؓ کی ان تھک محنت اور تربیت سے مسلمان عمدہ اوصاف کا وہ درخشاں نمونہ بن گئے۔ جس کی شعاعیں بڑی تیزی سے بڑھکر دور دراز ملکوں تک پھیل گیئں۔ اور کفر و جاہلیت کی ظلمتیں آپ سے آپ مٹ گیئں۔

درس قرآن

حضرت عمرؓ کو قرآن مجید سے کس قدر محبت اور شغف تھا یہ اس بات سے ظاہر ہے کہ آپ ہی کے اصرار سے عہد صدیقی میں قرآن مجید کتاب کی شکل میں یکجا کیا گیا۔ قرآن کی تعلیم حاصل کرنا چونکہ ہر مسلمان کا فرض اولین ہے۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے بڑے اہتمام سے درس قرآن کا انتظام کیا۔ تمام معلمین اور حفاظِ قرآن کی معقول تنخواہیں مقرر کیں عرب سے باہر اسلامی ممالک میں بھی قرآن کی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام کیا۔ اس سلسلے میں حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عبادہ بن الصامت اور

حضرت ابو الدرداؓ کو جو تینوں صحابہ اور حفاظِ قرآن تھے شام میں بھیج
چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں قرآن مجید کی تعلیم اس قدر وسیع اور
عام ہو گئی کہ بہت سے لوگ حفاظ ہو گئے۔

حفاظتِ حدیث امیر المومنین حضرت عمرؓ نے حفاظتِ حدیث کے سلسلے میں بھی خاطر خواہ انتظام کر دیا۔ آپ
نے درسِ حدیث کے لئے بہت سے معلّمین باہر ممالک میں بھیجے اور
اس بات کا خاص خیال رکھا کہ لوگ حدیث روایت کرنے میں ذرہ
غلطی نہ کریں۔ چنانچہ آپ ہر راوی سے اس کا ثبوت مانگتے اور فرما
کہ اگر تم نے فلاں روایت کا ثبوت نہ دیا تو تمہیں سزا ملے گی۔ ثبوت
ملنے پر آپ فرما دیتے کہ مجھے بد گمانی نہ تھی بلکہ صرف اپنی تسلی کے
تصدیق مانگی تھی۔ بہر حال آپ کثرتِ روایت کو بھی پسند نہ کرتے تا
تاکہ لوگ احتیاط سے کام لیں۔ آپ کے عہد میں جب کوئی معلم دور
ممالک میں جانے کے لئے روانہ ہوتا تو آپ اُسے نصیحت کرتے کہ
کہیں تم درسِ قرآن کی جگہ درسِ حدیث کو ترجیح دینے لگو۔ حضرت
ابو ہریرہؓ جو ایک صحابی تھے۔ اور روایت حدیث میں سب صحابہ
پیش پیش تھے، ہمیشہ حضرت عمرؓ سے خوف کھاتے اور کثرتِ روایت
اجتناب کرتے۔ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد ایک مرتبہ حضرت
ابو ہریرہؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ عہد فاروقی میں بھی اس طرح
کثرت روایت کرتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا " اگر میں اس
وقت بھی ایسا کرتا تو یقیناً دُرّے کھاتا۔"

فقہی مسائل تمام حل طلب اور پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کے
حضرت عمرؓ مجلسیں مقرر کرتے جن میں مشورہ دل

ساتھ قرآن وسنت کی روشنی میں مسائل حل کیئے جاتے۔ حضرت عمرؓ ہمیشہ اس بات کا اہتمام کرتے کہ فقہی مسائل میں اختلاف پیدا نہ ہو تاکہ ان پر عمل کرنے میں کسی کو تامل نہ ہو پیچیدہ مسائل کے حل لکھوا کر باہر ممالک میں بھیج دیئے جاتے۔ فقہا کی بڑی تنخواہیں مقرر کر دیں لیکن عہد فاروقی سے پہلے یہ رواج نہ تھا۔ تمام اسلامی ممالک میں بڑے بڑے فقہا مقرر کر دیئے تاکہ عام لوگوں کو مذہبی مسائل حل کرنے میں دقت نہ ہو۔

عملی انتظامات

حضرت عمرؓ نے خدمتِ دین کے سلسلے میں عملی انتظامات بھی پوری سرگرمی سے کیے حرم کعبہ کے گرد پہلے کوئی دیوار یا حد نہ تھی۔ آپ نے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی دیوار تعمیر کروائی تاکہ حرم کعبہ کی حد معلوم ہو سکے۔ مسجد نبویؐ جو پہلے ہی اینٹوں اور لکڑی سے بنی ہوئی تھی۔ دوبارہ لکڑی اور اینٹوں سے مضبوط طریقہ سے بنوائی اور اس کے صحن کو پہلے سے بہت زیادہ وسیع کروا دیا۔ تمام شہروں میں مسجدیں بنوائیں اور ان میں روشنی کا انتظام کروا دیا۔ حجاج کے لئے خاطر خواہ انتظام کروایا تاکہ دور دراز سے ملکوں سے آنے والے حاجیوں کو تکلیف نہ ہو۔

وفات حضرت عمر فاروق رضہ

مغیرہ بن شعبہ ایک پارسی تھا جس کے غلام ابو لولو فیروز نے ایک مرتبہ حضرت عمر رضہ کے پاس شکایت کی کہ اس کا آقا اس سے زیادہ محصول لیتا ہے۔ حضرت عمر رضہ نے پوچھا، کتنا محصول لیتا ہے۔ فیروز نے کہا دو درہم روزانہ۔ آپ نے فرمایا تمہارا کام کیا ہے۔ اس نے کہا نقاشی اور آہنگری۔ آپ نے فرمایا تب تو یہ محصول زیادہ نہیں۔ ابو لولو فیروز ناراض ہو کر واپس لوٹ آیا اور دوسرے روز فجر کی نماز کے وقت مسجد میں گیا۔ اور حضرت عمر رضہ پر نماز کی حالت میں دو دھارے خنجر سے کئی وار کئے۔ لوگ پکڑنے لگے تو کئی ایک کو زخمی کیا۔ بالآخر پکڑا گیا۔ آپ نے پوچھا کس نے مجھے قتل کیا۔ معلوم ہوا تو فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے کسی مسلمان نے قتل نہیں کیا۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضہ نے نماز پڑھائی اور حضرت عمر رضہ کو اٹھا کر گھر لے آئے۔ دوا دی گئی لیکن وہ پیٹ کے زخم میں سے باہر نکل گئی۔ لوگوں نے سمجھ لیا کہ آپ بچ نہیں سکتے۔ سب نے درخواست کی کہ امیر المومنین رضہ کسی کو خلیفہ مقرر کر دیں۔ آپ نے تامل کیا۔ لوگوں کے زیادہ اصرار سے آپ نے چھ اشخاص حضرت علی رضہ، حضرت عثمان رضہ، حضرت زبیر رضہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضہ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے نام بتا دیئے کہ ان میں سے جسے چاہیں منتخب کر لیں۔ اس کے بعد آپ نے اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمر رضہ کو بھیج کر حضرت

...رضہ سے اجازت لی کہ آپ کو وفات کے بعد آنحضرت رسول
...صلعم اور حضرت ابو بکر صدیق رضہ کے پاس دفن کیا جائے. حضرت
...شہ نے یہ جگہ اپنے لئے مخصوص کر رکھی تھی لیکن حضرت عمر رضہ کو
...پر ترجیح دی اور اجازت دے دی تیسرے دن یعنی ہفتہ بتاریخ
...محرم سنہ ۲۴ھ کو امیر المومنین حضرت عمر فاروق اپنے مالک حقیقی
...جا ملے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ٥

حضرت عمر فاروق رضہ کی شہادت کے وقت عمر ۶۳ سال تھی۔ اور
...ت خلافت دس سال چھ ماہ چار دن تھی۔

فضائلِ حضرتِ عمر فاروق رضہ

حضرت عمر رضہ کی علم و فضل کے اعتبار سے بہت قدر و منزلت
...۔ اسلام لانے سے پہلے بھی آپ اتنے مشہور تھے کہ جب آپ
...لمان ہوئے تو مکہ کے تمام لوگ سیلاب کی طرح اُمڈ آئے کہ ایسا
...ص اسلام لے آیا۔ گویا کفار کی بنیادیں ہل گئیں۔ قبول اسلام کے بعد
...طاقت روز بروز ترقی کرتی گئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے
...۔ کہ جب سے حضرت عمر رضہ مسلمان ہوئے۔ ہم لوگوں کو برابر غلبہ
...ل ہوا۔"

حضرت عمرو بن عاصؓ نے ایک مرتبہ آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ

آپ کو سب سے زیادہ عزیز کون ہے؟ آپ نے فرمایا "ابو بکرؓ اور عمرؓ" حضرت عمرؓ کی عظمت کا صحیح اندازہ آ رسول اللہ صلعم کے مندرجہ ذیل اقوال سے ہوتا ہے جو آ ان کے بارے میں مختلف موقعوں پر فرمائے۔

۱۔ عمرؓ کی وجہ سے خدا نے اسلام کی مدد کی۔
۲۔ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ نبی ہوتے۔
۳۔ عمرؓ سے شیطان بھاگتا ہے۔
۴۔ حق بات عمرؓ کی زبان و دل کے ساتھ ہے۔
۵۔ عمرؓ جب تک زندہ رہیں گے فتنہ کے دروازے بند رہیں
۶۔ جس نے عمرؓ سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔
۷۔ ہر نبی کے وزیر ہوتے ہیں، میرے وزیر ابو بکرؓ اور عمرؓ ہیں
۸۔ عمرؓ اپنی خصلت میں موسیٰؑ جیسے ہیں۔
۹۔ عمرؓ اہل جنت کا چراغ ہے۔

رسول اللہ صلعم کی آمد کے وقت عرب میں پڑھے لکھے لوگ کم تھے۔ سارے قریش میں صرف سترہ آدمی خواندہ تھے۔ حضر اسی زمانہ میں پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ آپ کو حصولِ علم کا بہت چنانچہ فصاحت و بلاغت میں کمال حاصل تھا۔ بہترین تقریر کر تقریر سے پہلے اکثر غور و خوض کرتے اور سوچ لیتے کہ کیا کچھ اسی لئے آپ کی تقاریر نہایت مؤثر ہوتیں۔ اور بہت پسند کی آپ کی تقریر یا خطبہ سننے کے لئے لوگ اکثر وقت سے پہلے بیٹھ جاتے تاکہ آپ کے قریب ہو کر الفاظ سنیں۔ فصاحت کی

اوقات حضرت عمرؓ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ بعینہٖ قرآنی آیات
زل ہو جاتے ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلعم سے کہا ور
نا من مقام ابراھیم مصلّٰی (کاش! کہ ہم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنا لیتے)
کے بعد یہ آیت قرآنی نازل ہوئی "واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّٰی"
قام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لیا کرو۔ سورہ البقرہ، رکوع ۱۵۔
۱۲۵) حصول علم ہی کا شوق تھا کہ آپ نے ہجرت کے بعد مدینہ میں
ی زبان بھی سیکھ لی تھی۔
حضرت عمرؓ کو رسول اللہ صلعم سے قرب حاصل ہونے کی وجہ سے
فہمی کا بہت موقع ملا۔ جو بات سمجھ میں نہ آتی یا کچھ شبہ ہوتا تو آنحضرت
سے پوچھ لیتے بلکہ بعض مسائل کو بار بار پوچھ لیتے تاکہ شک و شبہ کی
ش باقی نہ رہے۔ اپنے عہد میں قرآن کی تفسیر کے لئے خاص مجالس
ذکر واتے اور پہلے آیات کی تفسیر حاضرین سے پوچھتے، پھر خود
حت کرتے۔ آیات کی تفسیر کرتے وقت سند کے طور پہ حوالہ قرآن
وسری آیات سے دیتے یعنی اصول تفسیر بہ آیات قرآن تھا۔ اور
لو پسند کرتے تھے۔ ویسے آپ آنحضرت صلعم کی تمام زندگی سے واقف
۔ اس لئے جہاں ضرورت ہوتی رسول اللہ صلعم کے قول و عمل سے
حت کر دیتے۔
حدیث کی بھی جو خدمت آپ نے کی وہ واقعی قابل ستائش ہے۔
نے لوگوں کو ہمیشہ کثرت روایت سے روکا تاکہ وہ آنحضرت صلعم
ے غلط حدیث منسوب نہ کر دیں۔ بلکہ جب تک ایک ایک لفظ کی
دیق نہ کر لیتے اس حدیث کو آنحضرت صلعم کے الفاظ کہنے سے

اجتناب کرتے۔ جب کوئی شخص حدیث پیش کرتا تو آپ فرماتے کہ شاہد پیش کرو ورنہ سزا دی جائے گی۔ چنانچہ لوگ نہایت احتیاط سے بیان کرتے۔ اس طرح آپ نے علم حدیث کے نہایت قوی اصول مثلاً۔

۱۔ روایت میں سخت احتیاط۔
۲۔ روایت باللفظ کا اصول و طریقہ۔
۳۔ روایت پر شہادت لازمی ورنہ سزا۔
۴۔ جرح و تعدیل کا اصول۔

علم فقہ میں بھی حضرت عمرؓ کی دسترس اتنی تھی کہ آپ سب سے بڑے فقیہہ اور مجتہد مانے جاتے تھے۔ اپنے عہد میں آپ نے بے فقہی مسائل کو حل کیا۔ آپ سے پہلے اگرچہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ فقہی حل کرتے تھے۔ لیکن علمی اعتبار سے اصول فقہ (استنباط مسائل) استدلال کے طریقے آپ ہی کی ایجاد ہیں۔

حضرت عمرؓ کے اخلاق و عادات

حضرت عمرؓ کے عادات و خصائل میں جو خوبیاں ... محاسن پائی جاتی تھیں سب اس تقرب خاص کا نتیجہ تھیں۔ جو آپ کو بارگاہ رسالت میں حاصل تھا رسول اللہ صلعم خود مجسمۂ خلق عظیم تھے۔ اور اُن کی بعثت کا دراصل مقصد بھی انسانوں کو عمدہ اخلاق کے ایسے سانچے میں ڈھالنا تھا۔ کہ جس

ندوہ دنیا میں نہایت عمدگی اور خوش اسلوبی سے زندگی بسر کر
یں۔ حضرت عمرؓ کے اخلاق عظیمہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد
م صحابۂ کرامؓ سے نمایاں نظر آتے ہیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ خود رسول اللہ
لعم نے آپ کی بہت زیادہ تعریف کی بلکہ یہاں تک فرما دیا کہ "
ر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے۔" حضرت عمرؓ کے بعض نمایاں
مائل کو مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت ذرا تفصیل سے لکھا جاتا ہے۔

بت رسولؐ

حضرت عمرؓ کو آنحضرت صلعم سے کس قدر محبت
تھی، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے۔
ب آں حضرت صلعم کی وفات پر حضرت عمرؓ کو یقین نہیں آتا تھا کہ رسول
ڈ صلعم بھی فوت ہو سکتے ہیں۔ آپ تلوار لے کر پکارتے کہ اگر کسی نے
؛ کہا کہ رسول اللہ فوت ہو چکے ہیں تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا چنانچہ
ب حضرت ابوبکر نے آیات قرآنی پڑھکر سمجھایا کہ رسول اللہ فوت
و چکے ہیں۔ تو شدت غم سے سنبھل نہ سکے اور دھڑام سے زمین پر گر پڑے
حضرت عمرؓ کو آنحضرت صلعم سے دنیا کی تمام چیزوں بلکہ اپنی
بان سے بھی زیادہ محبت تھی اسی لئے وہ ہر وقت آپ کی حفاظت کے
لئے ساتھ رہتے اور جب کبھی کوئی شخص آنحضرت صلعم سے گستاخانہ
لہجہ میں یا بے ادبی سے بات کرتا یا تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتا تو
آپ تلوار نکال کر رسول اللہ سے کہتے کہ اگر آپ اجازت دیں تو
میں اس کا سر الگ کر دوں۔
آنحضرت صلعم سے بے پناہ محبت ہونے کی وجہ سے حضرت عمرؓ
رسول اللہ صلعم کے عزیز و اقارب سے بھی بہت محبت کرتے تھے۔

آں حضرت صلعم کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ جب کبھی دعا مانگتے تو فرماتے کہ اے اللہ! پہلے ہم رسول اللہ صلعم کو وسیلہ بناتے تھے اب ہم آپ کے چچا عباسؓ کو وسیلہ بناتے ہیں۔ تو ہماری دعا قبول فرما۔ اپنے عہد میں زید بن حارثہ رضؓ کی تنخواہ اپنے بیٹے حضرت عبداللہ سے زیادہ مقرر کی اور فرمایا کہ یہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ رسول اللہ صلعم زیدؓ کو زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلعم کی ازواج مطہرات کے بڑے بڑے وظیفے مقرر کئے اور ان کے آرام و آسائش کا خاطر خواہ انتظام کر دیا۔

خوفِ خدا

حضرت عمرؓ کے دل پہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا خوف چھایا رہتا۔ اور قیامت کے دن کی باز پرس سے ہمیشہ ڈرتے رہتے۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے کہ "اگر آسمان سے آواز بھی آ لے کہ دنیا پہ ایک شخص کے سوا باقی سب جنتی ہیں۔ تب بھی قیامت کی باز پرس کا خوف مجھ سے نہیں جائے گا۔ کیونکہ وہ ایک شخص شاید میں ہی ہوں۔" اس بیان سے حضرت عمرؓ کے دل پہ اللہ کے خوف کا صحیح صحیح اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ بیان کی نوعیت ہی ایسی ہے و دوسرے یہ الفاظ خود ان کے اپنے ہیں۔

آپ اپنی نمازوں میں اکثر قرآن کی وہ آیات تلاوت فرماتے جن میں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور قیامت کی باز پرس کا ذکر ہے۔ اور دوران عبادت مسلسل روتے رہتے۔ یہاں تک کہ پچھلی صفوں میں کھڑے مقتدی بھی آپ کے رونے کی آواز سن سکتے۔

زہد و تقویٰ

حضرت عمرؓ زہد و تقویٰ میں نہایت بلند مرتبہ انسان تھے۔ پرہیز گاری اور قناعت کی اسی انتہا کی وجہ سے آنحضرت صلعم نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ "عمرؓ سے شیطان بھاگتا ہے۔" آپ کے عہد میں دور دراز تک ممالک فتح ہوئے۔ قیصر و کسریٰ کی دولتیں ہاتھ لگیں لیکن سب کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ حاکم وقت ہوتے ہوئے بھی آپ نے فقر و فاقہ میں زندگی بسر کی۔ موٹے کپڑے کا لباس پہنتے اور اس میں بھی کئی کئی پیوند لگے ہوتے تھے۔ آپ ایسے پھٹے پرانے لباس کو ہی اپنی بلند شان سمجھتے تھے۔ کیوں کہ آپ جانتے تھے کہ نرم اور ملائم لباس عیش و عشرت میں مبتلا کر کے انسان کو انسانیت سے گرا دیتا ہے۔ اسی لئے جب آپ کسی نئے ملک کے لئے حاکم مقرر فرما دیتے تو اُسے متنبہ کر دیتے کہ تم لوگوں کے خدمت گار ہو۔ عیش و عشرت میں مت پڑنا اور نہ ہی ریشمی اور باریک کپڑا پہننا۔ چنانچہ عیاض بن غنم کو ریشمی کپڑا پہننے کے جرم میں ہی مصر کی حاکمیت سے معزول کر کے بالوں کا کھردرا لباس پہنوا کر بکریاں چرانے کے کام پر لگا دیا۔

آپ بلا تکلف پیوند لگے ہوئے اور پھٹے ہوئے کپڑے پہن کر مہمانوں سے ملتے اور غیر ممالک کے بادشاہوں کے سفیروں سے ملاقات کرتے عام طور پر ایک ہی جوڑا کپڑوں کا ہوتا۔ جب میلا ہو جاتا، وہی دھو کر پہن لیتے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ آپ سے ملنے آئے اور کافی دیر گھر سے باہر انتظار کرتے رہے۔ جب حضرت عمرؓ باہر نکلے تو پتہ چلا کہ کپڑے دھو کر دھوپ میں ڈالے ہوئے تھے۔ دوسرے کپڑے نہ تھے۔ جو پہن کر باہر آ جاتے۔ غذا بھی نہایت

سادہ کھاتے ۔ مہمان آجاتے، تو وہی معمولی غذا اس کے سامنے پیش کر
بیت المال سے معمولی سی رقم لیتے تھے۔ جو مشکل سے گھر
اخراجات پورا کر سکتی ۔ لوگ کہتے کہ امیر المومنین آپ اتنی وسیع سلطنت
کے مالک ہیں۔ کچھ تو حالت ٹھیک رکھیے ۔ لیکن آپ فرماتے کہ میں تو
کا امین بنایا گیا ہوں ، امانت میں خیانت کیسے کر دوں ۔؟"

صرف دو درہم روزانہ بیت المال سے لیتے تھے ۔ رقم کافی نہ ہو
تو قرض لے لیتے چنانچہ وفات کے قریب معلوم ہوا کہ چھیاسی ہزار درہم
قرض واجب الادا ہے ۔

زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ بیمار ہوئے تو
طبیبوں نے آپ کے لئے شہد تجویز کیا۔ معلوم ہوا کہ بیت المال میں شہد
موجود ہے ۔ چنانچہ آپ بیماری کی حالت میں ہی مسجد میں تشریف لے گئے
اور لوگوں سے پوچھا کہ مجھے بیماری کے سلسلے میں شہد کی ضرورت ہے
آپ اجازت دیں تو بیت المال میں سے تھوڑا شہد لیا جائے ۔ لوگوں
نے اجازت دی تب شہد منگوایا ۔ اور استعمال کیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ
بحرین کے علاقہ سے مال غنیمت آیا جس میں عطریات مشک و عنبر بھی
تھے ۔ مال کی تقسیم کے وقت حضرت عمرؓ نے عطریات کے ناپ تول کے
لئے کسی شخص کی ضرورت محسوس کی جو صحیح تقسیم کر سکے ۔ آپ کی زوجہ
عاتکہؓ بنت زید نے کہلا بھیجا کہ میں اس کام کو بخوبی سرانجام دے سکوں
گی ۔ لیکن حضرت عمرؓ نے نامنظور کیا اور فرمایا کہ جو عطر تمہاری انگلیوں
پہ لگ جائے گا۔ وہ تمہارے استعمال میں آجائے گا اور یوں میرے
حصے میں عام لوگوں سے زیادہ حصہ پہنچے گا ۔

نظافتِ جسم

حضرت عمرؓ کے پاس اگرچہ عمدہ عمدہ کپڑوں کی بہتات نہیں تھی۔ تاہم پاکیزگی اور صفائی کا خاص خیال رکھتے تھے۔ آپ قطعاً پسند نہ کرتے کہ کوئی شخص بلاغسل جمعہ کے دن مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آجائے۔ اگر معلوم ہو جاتا تو اسے ڈانٹتے اور فرماتے کہ کیا تمہیں یاد نہیں کہ رسول اللہ غسل کا حکم دیا کرتے تھے؟ آپ کا لباس ہمیشہ باوجود پیوند لگے ہوئے اور پھٹا پرانا ہونے کے صاف ستھرا ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ آپ نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ مجھے رات کو غسل کی ضرورت ہو جایا کرتی ہے، آپ فرمائیں کہ اس وقت کیا کیا جائے؟ آنحضور صلعم نے فرمایا "وضو کر کے سو جایا کریں۔"

ایثار

ایثار ایک ایسا جذبہ اور ایسا وصف ہے کہ جس میں انسان دنیا میں دوسروں کے ساتھ رہنے کا صحیح ڈھنگ سیکھتا ہے اس سے باہمی ہمدردی، محبت اور سلوک پیدا ہوتے ہیں اور انسان اپنے فرائض کو خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ میں یہ وصف کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنے آپ کو لوگوں پر کبھی ترجیح نہیں دی تھی۔ اور ساری عمر فقر و فاقہ میں بسر کر دی۔

آپ گو بہت دولت مند نہیں تھے لیکن جو کچھ پاس تھا، اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ جنگ تبوک کی تیاری کے لئے جب جب مسلمانوں نے مال لا لا کر پیش کیا تو حضرت عمرؓ نے اپنے سامنے

مال میں سے آدھا دے دیا۔ بنو حارثہ کی طرف سے حضرت عمرؓ کو ایک قطعہ زمین کا ملا۔ آپ نے آں حضور صلعم سے مشورہ کر کے رفاہِ عام کے لئے وقف کر دیا۔

رُعب و جلال حضرت عمرؓ رعب و جلال کے مجسمہ تھے۔ درحقیقت آپ راست گوئی جرات اور عدل و انصاف کے اعلیٰ ترین پیکر تھے۔ جس کی وجہ سے لوگوں پر آپ کی ہیبت چھائی رہتی۔ حق بات کہنے کی زبردست جرأت رکھتے تھے۔ اور اس معاملے میں کسی بڑے سے بڑے شخص سے بھی مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ جب غلط بات دیکھتے تو نہایت سختی سے روکتے۔ عہدِ رسالت میں بھی لوگ آنحضور صلعم کی نسبت آپ سے زیادہ ڈرتے تھے۔ آں حضور صلعم مجسمۂ رحمت تھے۔ اس لئے لوگوں کی سختیوں اور ایذا رسانیوں کو درگذر کر کے ان کے لئے دعائے خیر فرماتے لیکن حضرت عمرؓ ہر اس شخص کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آتے جو آں حضور صلعم سے زیادتی کرتا یا دین کے معاملات میں احتیاط نہ برتتا۔

عہدِ رسالت میں ایک مرتبہ آنحضرت صلعم اپنے گھر میں تشریف فرما تھے۔ کہ قریش کی چند عورتیں آپ کے پاس آکر بیٹھ گئیں۔ اور بلند آواز سے گفتگو کرنے لگیں۔ اتفاق سے حضرت عمرؓ بھی آگئے اور باہر سے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ آنحضور صلعم نے اجازت دی تو وہ عورتیں جلدی سے اٹھیں اور پردہ میں چھپ گئیں۔ حضرت عمرؓ اندر آئے تو آنحضور صلعم کے چہرۂ مبارک

پر تبسم تھا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا " یارسول اللہ ! خدا آپ کو ہمیشہ ہنسائے کیا معاملہ ہے ! رسول اللہ صلعم نے فرمایا " ان عورتوں پر مجھے تعجب ہوا ہے ۔ یہ یہاں بیٹھی ہوئی تھیں، تمہاری آواز سنتے ہی جلدی سے اٹھیں اور پردہ میں ہوگئیں " حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔

" یارسول اللہ ! میری نسبت آپ سے ان کو زیادہ ڈرنا چاہیئے تھا۔ پھر حضرت عمرؓ نے عورتوں سے کہا " اے اپنی جان کی دشمنو! تم مجھ سے خوف کھاتی ہو اور رسول اللہ سے نہیں ڈرتیں ؟ " عورتوں نے کہا " بے شک " آپ رسول اللہ صلعم سے زیادہ سخت طبیعت رکھتے ہیں۔ پھر آنحضور صلعم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ " اے ابن خطاب ! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جس رستہ پر تم چلتے ہو، شیطان اس راہ پر قطعاً نہیں چل سکتا۔ وہ تم کو دیکھ کر دوسری راہ اختیار کر لیتا ہے ۔"

ابن عباسؓ آنحضور صلعم کے چچا حضرت عباسؓ کے بیٹے تھے اس لئے حضرت عمرؓ ان کی بہت عزت کرتے تھے ۔ لیکن اس تقرب کے باوجود وہ حضرت عمرؓ سے ڈرتے رہتے تھے اور گفتگو کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی ۔ ایک مرتبہ انہیں کسی آیت کی تفسیر درکار تھی لیکن حضرت عمرؓ سے پوچھنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ چنانچہ ابن عباسؓ خود کہتے ہیں کہ " میں سال بھر اس انتظار میں رہا کہ موقع ملے تو حضرت عمرؓ بن خطاب سے ایک آیت سے متعلق پوچھوں لیکن ہیبت کی وجہ سے پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی ۔"

اس ہیبت اور رعب و جلال کی وجہ بہرحال یہ نہیں تھی کہ آپ طبعاً تند و تیز تھے۔ اور ہر وقت طبیعت میں سختی رہتی تھی بلکہ حضرت عمرؓ حق پرست اور حق گو انسان تھے۔ اس لئے اللہ اور رسول کی خوشنودی کے لئے سختی برتتے تھے۔ حضرت عمرؓ خود فرماتے ہیں "اللہ کی قسم! میرا دل خدا کے بارے میں جب نرم ہوتا ہے تو جھاگ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتا ہے اور جب سخت ہوتا ہے تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔

رحم و عفو

حضرت عمرؓ اگر اپنے فرائض کی ادائیگی میں سختی سے کام لیتے تھے تو صرف اللہ کی خوشنودی اور حق و باطل کے درمیان حدِ فاصل مضبوطی سے قائم کرنے کے لئے ورنہ آپ شفقت، رحم و کرم اور عفو میں بھی کمال درجہ کے انسان تھے۔ آپ نے ہر ایسے موقع پر جہاں ہمدردی اور رحم کا تقاضا تھا۔ عملی طور پر ایسا نمونہ پیش کیا جس کی مثال ان کے بعد آج تک نہیں ملتی۔

اس زمانے میں غلامی کا رواج بہت زیادہ تھا۔ اسے فوراً بند کر دینا ایک غیر فطری اور ناممکن بات تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں سب سے پہلے یہ کام کیا کہ غلاموں کا مرتبہ ان کے آقاؤں کے برابر کر دیا۔ اعلان کر دیا کہ کوئی عربی غلام نہیں ہو سکتا باقی ممالک میں بھی یہ حکم دینا چونکہ مشکل تھا، اس لئے غلاموں کی بہتری کے لئے ہر دوسری تدبیر استعمال کی۔ عام اعلان کر دیا کہ مکاتبت کے ذریعے غلاموں کو آزاد ہونے کا پورا حق ہے غلاموں کی تنخواہیں ان کے مالکوں کے برابر مقرر کیں۔ آزاد اور غلام بچوں کی تعلیم و تربیت

اکٹھا انتظام کروا دیا۔ تاکہ شروع سے ہی آزادانہ خیالات میں پرورش پائیں اور ان میں احساس کہتری پیدا نہ ہو۔ آپ اکثر غلاموں کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے اور لوگوں کو بھی یہی ترغیب دیتے اور فرمایا کرتے۔ "جو لوگ غلاموں کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے میں عار سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر لعنت بھیجتا ہے۔

ذمی رعایا کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک رکھتے۔ ان کے شہری اور مذہبی حقوق بالکل ویسے ہی تھے جیسے مسلمان رعایا کے حکام کو سختی کے ساتھ متنبہ کرتے کہ خبردار ذمیوں پر ظلم نہ ہو۔ اگر کسی علاقہ سے بدنظمی یا بغاوت کی خبر ملتی تو وہاں کے معتبر مسلمانوں کو بلا کر دریافت کرتے کہ کیا تم نے ذمیوں سے ظلم کیا ہے جو وہاں بغاوت ہو گئی ہے؟ ذمیوں کا یہاں تک خیال تھا۔ احکام سے فرماتے کہ اگر ہم نے ان لوگوں پر ظلم و تشدد کیا تو اللہ ہم سے سلطنت چھین لے گا۔ وفات کے قریب آئندہ ہونے والے خلیفہ کیلئے وصیت کر دی کہ ذمیوں کے ساتھ عمدہ سلوک کیا جائے اور ان کے حقوق کی نگہداشت کی جائے۔

عام رحم و کرم کا ہی جذبہ تھا کہ حضرت عمرؓ نے عملی انتظامات میں لوگوں کے لئے مسافر خانے، کنوئیں اور حوض، رستوں میں حفاظتی چوکیاں قائم کیں۔ یتیم خانے بنوائے اور نادار، غریب اور مجبور رعایا کے لئے وظائف مقرر کئے۔

رحم و کرم کے ساتھ ساتھ درگزر اور عفو سے بھی کام لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص علینہ بن حصن نے آپ سے کہا کہ آپ بہت سخت ہیں۔ انصاف سے حکومت نہیں کرتے۔ حضرت عمر اس گستاخانہ

انداز اور بے بنیاد بات سے بہت برہم ہوئے۔ ایک دوسرے شخص
کہا امیرالمومنین، قرآن تو جاہلوں کو چھوڑ دینے اور معاف کر دینے
حکم دیتا ہے۔ یہ شخص بھی جاہل ہے۔ اس کا خیال نہ کیجئے۔ تب حضرت
خاموش ہو گئے۔ اور اس شخص کو معاف کر دیا۔

تواضع حضرت عمرؓ میں رعب و جلال کے باوجود انکساری
عاجزی برابر تھی۔ جس چیز کا موقع ہوتا کام لے لیتے۔
اور خاکساری کا یہ عالم تھا کہ کسی بھی کام کو خود کر لینا حقیر نہیں سمجھتے
اپنے لئے ہی نہیں بلکہ دوسرے کے لئے اور معمولی سے معمولی شخص
کام کرنا اور ہاتھ بٹانا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اسی لئے ایک مرتبہ جب آپ
اپنے اونٹوں پر تیل مل رہے تھے اور ایک شخص نے کہا یا امیرالمومنین
آپ خود کام کر رہے ہیں۔ کسی غلام سے خدمت لی ہوتی تو آپ نے
"مجھ سے زیادہ کون غلام ہو سکتا ہے۔ جو شخص مسلمانوں کا والی بنایا
وہ ان کا غلام بھی ہوتا ہے۔"

دوران جنگ جب سپاہیوں کے خطوط مدینہ پہنچتے تو حضرت عمرؓ
خود لوگوں کے گھر پہنچا آتے بلکہ جنہیں ضرورت ہوتی ان کے دروازے
پر بیٹھ کر ان کے خط وغیرہ لکھ دیا کرتے۔ بیوہ عورتوں کا خاص خیال
رکھتے۔ ان کے لئے پانی بھر لاتے۔ لوگوں کو بازار سے سودا لا دیتے
رات کو اکثر گلیوں اور بازاروں میں گھومتے تاکہ معلوم ہو کہ رعایا کس حال
میں ہے۔ اور کوئی ایسا مصیبت زدہ نہ ہو جو دربار خلافت تک نہ پہنچ
سکتا ہو۔ ایک مرتبہ رات کو گشت کر رہے تھے دیکھا کہ چند بچے رو رہے
ہیں۔ اور ایک عورت قریب بیٹھی کچھ پکا رہی ہے۔ قریب پہنچکر معلوم

ہانڈی خالی چولہے پہ رکھی ہے۔ اور بچے کھانے کے انتظار میں بھوکے رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ فوراً بھاگے اور بیت المال سے آٹا، گوشت کھجوریں لے کر خود اٹھائیں اور جلدی جلدی اس مکان کی طرف چلنے ۔۔ آپ کا خادم اسلم بھی ساتھ تھا اُس نے عرض کیا امیرالمومنین! یہ سامان ے دے دیں۔ آپ کیوں اٹھائے جا رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا سلم! قیامت کے دن بھی میرا بوجھ تم اٹھاؤ گے؟" چنانچہ خود ہی مان لیے وہاں پہنچے، اپنے سامنے کھانا تیار کروایا اور جب بچے کھا چکے واپس لوٹے۔

ایک مرتبہ رات کو گھوم رہے تھے کہ ایک بدّو کے خیمہ سے کسی رت کے رونے کی آواز آئی۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ عورت کو بچہ دنے والا ہے اور وہ دردِ زہ سے رو رہی ہے۔ آپ جلدی سے ھر آئے اور اپنی بیوی ام کلثوم رضؓ کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے۔ بچہ پیدا وا تو ام کلثوم رضؓ نے خیمہ کے اندر سے پکارا" امیرالمومنین اپنے دوست بدّو) کو مبارک دیجیے" وہ بدّو امیرالمومنین کا لفظ سنتے ہی گھبرا اٹھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "کیوں گھبراتے ہو، صبح میرے پاس آنا میں ہمارے بچے کے لیے وظیفہ مقرر کر دوں گا۔

حد یہ تھی کہ بعض ایسے نادار، ضعیف اور نابینا لوگوں کے گھر پہنچکر روزانہ کام کر آتے کہ انہیں معلوم بھی نہ ہوتا کہ کون آتا ہے اور ان کی مدد کر کے چلا جاتا ہے۔

شجاعت

حضرت عمرؓ شجاعت اور بہادری میں بھی بے مثال نظر آتے ہیں۔ اسلام سے پہلے بھی آپ قریش مکہ

میں شجاعت کے اعتبار سے مشہور تھے اور اسلام لانے کے بعد حقیقتاً اسلام کو آپ کی وجہ سے تقویت ملی۔ خود رسول اللہ فرماتے ہیں کہ "عمرؓ کی وجہ سے اسلام کو مدد ملی" حضرت عبد بن مسعود فرماتے ہیں کہ "عمرؓ جب سے مسلمان ہوئے ہم لوگوں برابر غلبہ حاصل ہوا۔"

حضرت عمرؓ کی ساری زندگی شجاعت اور مردانگی سے بھری پڑی ہے۔ غزوۂ اُحد اور غزوہ حنین میں جب مسلمانوں کو شکست نظر آنے لگی اور بہت سے مسلمان بھاگ گئے۔ اس وقت حضرت عمرؓ ایک دو ثابت قدم صحابۂ کرام میں سے تھے جو رسول اللہ صلعم کی حفاظت کے لئے اکیلے میدان جنگ میں رہ گئے تھے۔

خانگی زندگی

گھریلو زندگی نہایت سادہ تھی۔ غذا معمولی ہوتی اور بلا تکلف وہی مہمان کو پیش کی جاتی لباس نہایت معمولی قسم کا ہوتا تھا۔ اولاد سے بہت محبت تھی لیکن محبت خلافت کے معاملات میں کبھی حائل نہیں ہوتی تھی۔ حضرت کے حقیقی بھائی زید جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے تھے۔ آپ کو ان سے بہت محبت تھی ان کی شہادت کے بعد ان کی یتیم بچی اسماء سے بہت پیار کیا کرتے تھے۔

ذریعہ معاش شروع سے تجارت تھا اور عہد خلافت کے ہو جانے پر بھی کچھ عرصہ تجارت ہی کرتے رہے۔ لیکن پھر کام کی زیادتی سے تجارت چھوڑنی پڑی اور بیت المال سے ایک معمولی رقم بطور تنخواہ لیا کرتے تھے جس سے بمشکل گزارہ

پھر دیر بعد جب لوگوں کے وظائف مقرر کیے گئے تو حضرت عمرؓ
نہ بھی پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر ہوا۔
آپ کی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ اکثر آپ کو کہتی رہتیں کہ
ومنین! اب آپ ایک وسیع سلطنت کے حاکم ہیں، باہر سے
ہوں کے سفیر آپ سے ملنے آتے رہتے ہیں۔ اس لئے آپ کچھ
اس پہنا کیجئے۔ حضرت عمرؓ ہمیشہ یہ جواب دیتے کہ اے حفصہؓ
رسول اللہ صلعم کی زندگی یاد نہیں رہی۔ مجھے ایسا کام کرنے
لئے کیوں کہتی ہو جو رسول اللہ صلعم نہیں کیا کرتے تھے۔ مجھے تو
کا فکر ہے اور خوفِ خدا سے ہمیشہ دبا رہتا ہوں۔

حضرت عثمان غنیؓ

حضرت عثمانِ غنیؓ

عہد خلافت ۲۴ھ - ۳۵ھ

نام و نسب آپ کا نام عثمان تھا۔ کینت ابو عبداللہ اور ابو عمرو تھی آپ کا لقب ذوالنورین تھا لیکن عثمان غنی کے نام سے زیادہ مشہور تھے۔ مال و دولت کی فراوانی کی وجہ سے غنی کہلاتے تھے۔ آپ کے والد کا نام عفان اور والدہ کا اروی تھا۔ باپ کی طرف سے۔ نسب یہ ہے، عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ اور والدہ کی طرف سے اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف یعنی آپ کا نسب پانچویں پشت میں آنحضرت صلعم کے نسب سے جا ملتا ہے۔ آپ کی نانی بیضاء ام الحکیم آنحضرت صلعم کی حقیقی پھوپھی تھیں۔ آپ رسول اللہ صلعم کے داماد بھی تھے اور یکے بعد دیگرے آنحضور صلعم کی دو صاحبزادیوں، حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ سے شادی ہوئی۔

قبل از اسلام زندگی حضرت عثمانؓ کی پیدائش واقعہ فیل کے چھٹے سال اور آنحضرت کی ولادت کے پانچ سال بعد ہوئی۔ آپ نے بچپن میں ہی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ جوان ہوئے تو تجارت شروع کی اور اپنی دیانت، راستی اور معاملہ فہمی کی بنا پہ جلد شہرت حاصل کر لی اور مال و دولت کی اتنی فراوانی

ہو گئی کہ غنی کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کا خاندان (امیہ بن عبد شمس کے نام سے منسوب) اموی کہلاتا تھا۔ قریش کے بڑے بڑے سردار اسی خاندان میں سے تھے۔ اور یہ خاندان سوائے بنو ہاشم (آنحضرت صلعم کا خاندان) کے باقی تمام عربوں سے ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ اسی لیے حضرت عثمان ایک شریف گھرانے سے تعلق رکھنے کی وجہ سے نہایت شرافت کی زندگی بسر کرتے تھے۔

قبولِ اسلام حضرت عثمان رضؓ کے حضرت ابوبکر رضؓ صدیق سے گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔ جب حضرت ابوبکر اسلام لائے تو انہوں نے اپنے دوست اور احباب میں اسلام کا تبلیغ کیا چنانچہ جن نیک دل، مخلص اور پارسا لوگوں نے اسلام قبول کیا ان میں حضرت عثمان رضؓ بھی تھے۔ آپ نے آنحضور صلعم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ حضرت عثمانؓ کی دیانتداری اور نیک نیتی کا بین ثبوت ہے۔ کہ انہوں نے اپنے خاندانی اثرات کے قطع نظر اسلام کی حقانیت قبول کر لی ورنہ آپ کے خاندان (اموی) کے تمام بڑے بڑے سردار عقبہ بن ابی معیط اور ابوسفیان وغیرہ آنحضرت صلعم کی مخالفت صرف اس لئے کر رہے تھے کہ کہیں سارا اقتدار ان کے خاندان سے چھن کر آنحضرت صلعم کے خاندان بنو ہاشم کے ہاتھ میں نہ چلا جائے۔

آنحضرت صلعم حضرت عثمان رضؓ کے عادات و خصائل کو بہت پسند فرماتے تھے۔ اور ان کے ساتھ پہلی رشتہ داری کے علاوہ ایک عزیز ترین رشتہ قائم کر لیا۔ آنحضور صلعم نے اپنی بیٹی حضرت رقیہ رضؓ کا نکاح آپ سے کر دیا۔ حضرت رقیہ رضؓ کا نکاح اسلام سے

عتبہ بن ابولہب سے ہوا تھا۔ لیکن آنحضرت صلعم کی نبوت کے اعلان کے بعد ابولہب آنحضور صلعم کا سخت دشمن بن گیا جس کی وجہ سے اس کے بیٹے عتبہ نے حضرت رقیہ کو طلاق دے دی چنانچہ حضرت رقیہؓ کا دوسرا نکاح حضرت عثمان غنیؓ سے ہوا تھا۔

مکہ میں کفار کی سختیاں جب بڑھ گئیں تو آنحضور صلعم نے کچھ مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کے لئے فرمایا تھا۔ چنانچہ اس پہلے قافلہ میں حضرت عثمانؓ اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہؓ کے ساتھ آنحضرت صلعم کی اجازت سے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ آپ مسلمانوں میں سب سے پہلے مہاجر تھے۔ جنہوں نے ہجرت کے لئے تیاری کی۔ کچھ عرصہ حبشہ رہنے کے بعد واپس مکہ لوٹ آئے تھے۔ اور پھر ہجرت مدینہ کے وقت مدینہ چلے گئے۔ مدینہ میں حضرت اوس بن ثابت رضؓ سے برادری (مواخات) قائم ہوئی اور ان سے بہت گہرے تعلقات پیدا کر لیئے۔

مدینہ میں حضرت عثمانؓ اپنا پرانا کاروبار تجارت کرنے لگے اور تھوڑے ہی عرصہ میں پھر مالا مال ہو گئے۔ آپ بڑے فیاض تھے۔ غریب اور نادار مسلمانوں کی مدد کرتے رہتے۔ مدینہ میں ایک کوآں بیئر رومہ کے نام سے مشہور تھا۔ صرف اس کنوئیں کا پانی ہی تمام شہر بھر میں پینے کے قابل تھا۔ لیکن یہ ایک یہودی کی ملکیت تھی جو پانی بیچا کرتا تھا۔ غریب لوگوں کو پانی نہ ملنے یا کم ملنے کی سخت تکلیف تھی۔ حضرت عثمانؓ نے آنحضرت صلعم کا اشارہ پاکر کوآں ایک بھاری رقم سے خرید لیا اور اسے عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

مسلمانوں میں یہ پہلا صدقہ جاریہ تھا جو حضرت عثمانؓ نے جاری کیا۔

ہجرت مدینہ کے بعد حضرت عثمانؓ سوائے غزوۂ بدر کے تمام غزوات میں آنحضرت صلعم کے ساتھ شریک جنگ رہے۔ غزوۂ بدر کے وقت حضرت رقیہ سخت بیمار تھیں چنانچہ آنحضرت صلعم نے آپ کو جنگ میں شریک ہونے کی بجائے حضرت رقیہؓ کی تیمارداری کے لئے مدینہ میں رہنے دیا۔ لیکن جس وقت فتح بدر کی خبر مدینہ پہنچی، حضرت رقیہؓ اپنے مالک حقیقی کے پاس جا پہنچیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن
آنحضرت صلعم نے حضرت عثمان کو مال غنیمت میں سے حصہ دیا اور فرمایا کہ تم کو اللہ کے ہاں شرکت جنگ کا اجر ملے گا۔"

حضرت عثمانؓ کو حضرت رقیہ کی وفات کا بہت غم ہوا اور افسوس کرتے کہ میرا رشتہ آنحضور صلعم سے ٹوٹ گیا ہے۔ چنانچہ تھوڑے سے عرصہ بعد آنحضرت صلعم نے اپنی دوسری بیٹی حضرت ام کلثومؓ حضرت عثمان کے نکاح میں دے دی۔ حضرت عثمان خاندان نبوت سے دوبارہ رشتہ بندھ جانے پر بہت خوش ہوئے۔

سنہ ۶ھ میں جب آنحضرت صلعم زیارت کعبہ کے لئے چودہ سو مسلمانوں کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اور مکہ کے قریب تقریباً ایک منزل کے فاصلہ پر مقام حدیبیہ میں ٹھہرے تو حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر مکہ بھیجا کہ کفار کو سمجھا دیں کہ مسلمان لڑنے نہیں آئے صرف زیارت کعبہ کے لئے آئے ہیں لیکن کفار مکہ نے حضرت عثمان کو روک لیا اور یہ مشہور کر دیا کہ وہ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے حضرت عثمان کے قصاص کے لئے تمام مسلمانوں سے بیعت لی جو بیعت رضوا

کے نام سے مشہور ہے۔ بعد میں حضرت عثمان رض واپس آ گئے اور جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ واقعۂ حدیبیہ کے مفصل حالات اسی کتاب کے باب اول میں درج ہیں۔

آپ ہمیشہ اسلام کی خدمت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے جنگ تبوک میں جب آنحضرت صلعم نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا تو اس وقت مدینہ میں قحط کا زمانہ تھا۔ حضرت عثمان نے تمام فوج کے ایک تہائی حصہ کا خرچ خود برداشت کیا۔ اس جنگ کے لئے تیس ہزار کا لشکر تیار ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمان رض نے دس ہزار سے کچھ زائد افواج کا سارا خرچ اپنے ذمہ لیا تھا آپ کی اس فیاضی پر آنحضور صلعم بہت زیادہ خوش ہوئے۔

سنہ ۱۰ ھ میں آنحضرت صلعم کے ساتھ حج ادا کیا۔ زمانۂ رسالت میں کاتبان وحی میں سے تھے۔ اور قرآن مجید حفظ کر رکھا تھا۔ آنحضور صلعم کے تمام بڑے بڑے مشوروں میں جہاں حضرت ابوبکر صدیق رض اور حضرت عمر فاروق رض شریک مجلس ہوتے تھے۔ حضرت عثمان رض بھی ساتھ ہوتے۔

حضرت ابوبکر رض کے عہدِ خلافت میں آپ مجلس شوریٰ کے اعلیٰ ارکان میں سے تھے۔ جب حضرت ابوبکر رض بیمار ہوئے اور وفات کے قریب معلوم ہوئی تو حضرت عثمان رض سے ایک وصیت نامہ لکھوایا۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے۔ کہ جب وصیت نامہ لکھا جا رہا تھا اور ابھی کسی آئندہ ہونے والے خلیفہ کا نام نہیں لکھا گیا تھا۔ کہ حضرت ابوبکر رض غشی کی حالت میں بے ہوش ہو گئے۔ حضرت عثمان رض نے اپنی فہم و فراست سے خود ہی حضرت عمر رض کا نام لکھدیا۔

جب ہوش آیا تو حضرت ابوبکر رض نے فرمایا کہ پڑھو کیا لکھا گیا ہے آپ نے پڑھا اور جب حضرت عمر رض کا نام آیا تو خوشی سے پکار اٹھے "اللہ اکبر" پھر حضرت عثمان رض کی اس معاملہ فہمی اور دور اندیشی کی بہت تعریف کی۔

انتخاب حضرت عمر رض کے عہد میں بھی آپ مجلس شوریٰ کے ممتاز رکن تھے۔ جب حضرت عمر رض زخمی ہوئے اور لوگوں نے سمجھ لیا کہ اب آپ صحت یاب نہیں ہو سکیں گے تو انہوں نے اصرار کیا کہ آپ ہونے والے خلیفہ کو منتخب کر دیں۔ زیادہ اصرار پر حضرت عمر رض نے چھ اشخاص حضرت علی رض، حضرت عثمان رض، حضرت زبیر رض، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت طلحہ رض اور حضرت سعد بن ابی وقاص رض کے نام تجویز کئے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلعم نے ان چھ اشخاص کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے۔ اس لئے ان میں سے کسی ایک کو امیر بنا لو لیکن فیصلہ تین دن تک ضرور کر لینا پھر حضرت عمر رض نے ان چھ اصحابہ کو بلا کر نصیحت کی کہ راہِ راست پر چلنا اور باہم مخالفت نہ کرنا بلکہ اتفاق اور سلوک سے رہنا۔ ضرورت ہو تو انتخاب میں رائے کے لیئے عبداللہ بن عمر کو بلا لینا۔

حضرت عمر رض کی وفات کے دو روز بعد تک کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ تیسرے روز حضرت عبدالرحمٰن رض بن عوف نے رائے دی کہ ہم چھ میں سے جو کوئی دوسرے کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو سکے۔ ہو جائے۔ چنانچہ حضرت سعد رض نے حضرت عبدالرحمٰن کا نام پیش کیا، حضرت زبیر رض نے حضرت علی رض کا نام لیا۔ اور حضرت طلحہ رض نے حضرت عثمان رض کے حق میں اپنا نام واپس لے لیا۔ ان تینوں میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رض نے کہا میں بھی اپنا حق چھوڑتا ہوں اور باقی دو حضرت علی رض اور حضرت عثمان

میں سے جو کوئی قرآن، سنت اور دونوں خلفاء سابقہ کے طریقہ پر چلے
گا اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی جائے گی۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن نے دونوں
بزرگوں سے کہا کہ آپ دونوں اپنا فیصلہ میرے اوپر چھوڑ دیں۔ میں
اللہ اور رسول کی خاطر جو صحیح فیصلہ ہوگا، وہی دوں گا۔ دونوں نے
اجازت دے دی۔ حضرت عبدالرحمٰن ؓ نے مسجد نبوی میں ایک تقریر کے
بعد فیصلہ دیا کہ لوگوں سے مشورہ کے بعد یہ طے ہوا ہے کہ حضرت
عثمان ؓ خلیفہ بنائے جائیں۔ لہٰذا میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں
یہ دیکھ کر سب لوگوں نے بڑھکر آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یہ
۴ر محرم ۲۴ھ کو دو شنبہ (پیر) کا دن تھا۔

خلیفہ منتخب ہو جانے کے بعد حضرت عثمان ؓ نے خطبۂ خلافت دیا
اور فرمایا کہ مسلمانوں کو چند روزہ زندگی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں
بسر کرنی چاہیئے اور دنیاوی مال و دولت کے لالچ میں اپنی آخرت خراب
نہیں کرنی چاہیئے۔ پھر آپ نے حکام کے نام ایک نصیحت نامہ جاری
کیا کہ وہ سبھی عدل و انصاف سے کام کریں۔

فتوحات

عہدِ عثمانی سے پہلے کافی فتوحات ہو چکی تھیں اور تمام مفتوحہ علاقوں میں حضرت عمرؓ نے ایک مستحکم نظامِ سلطنت قائم کر کے مستقل طور پر آئندہ خلیفہ کے لیئے سہولت چھوڑ دی۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے فتوحات کا سلسلہ برابر جاری کیا اور تقریباً ایک سال تک ملکی نظم و نسق میں کوئی ردو بدل نہ کیا سوائے اس بات کے کہ حضرت عثمانؓ نے خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ کی وصیت کے مطابق کوفہ میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو وہاں کے حاکم مغیرہ بن شعبہ کی جگہ مقرر کر دیا۔

باغیانِ آذربیجان و آرمینیہ کی سرکوبی

ایران کے علاقے آذربیجان اور آرمینیہ حضرت عمرؓ کے عہد میں فتح ہو چکے تھے اور باجگذار علاقوں کی حیثیت سے امیر المومنین کے تحت تھے۔ عہدِ عثمانی کے پہلے سال ہی ان دونوں علاقوں کے باشندوں نے بغاوت کر دی اور خراج دینے سے انکار کر دیا۔ ولید بن عقبہ اس وقت کوفہ کے حاکم تھے اور کوفہ میں چالیس ہزار اسلامی فوج رہتی تھی۔ حضرت عثمان کے حکم سے ولید بن عقبہ نے آذربیجان پر حملہ کیا اور اسے زیر کر لیا۔ ولید بن عقبہ نے سلمان بن ربیعہ کو فوجی دستہ دے کر آرمینیہ کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ چنانچہ یہ علاقہ بھی دوبارہ فتح کر لیا گیا۔

باغیانِ مصر و روم کی سرکوبی

مصر کے حاکم حضرت عمروؓ بن عاص

تھے۔ صرف چھوٹے سے علاقے صعید میں عبداللہ بن ابی سرح حاکم تھے۔ عہد فاروقی سے یہ شکایت چلی آرہی تھی کہ مصر کے خراج کی رقم کم ہے لیکن ہر مطالبے پر حضرت عمرو بن عاصؓ کہتے کہ "اونٹنی اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی" یعنی جو رقم وہاں سے وصول ہوتی ہے اس سے زیادہ وصول نہیں ہو سکتی۔

سنہ ۲۵ھ میں حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو معزول کر کے مصر کی حاکمیت عبداللہ بن ابی سرح کو دے دی۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے یہ تمام علاقے فتح کیئے تھے اس لئے اُن سے وہاں کے لوگ سہمے رہتے تھے جونہی وہ معزول کیئے گئے وہاں کے باشندوں نے شرارتیں شروع کر دیں اور موقع دیکھکر سکندریہ کے رومیوں نے مسلمانوں کے خلاف بغاوت کردی۔ مصریوں کو خدشہ ہؤا کہ کہیں رومی بڑھکر ان پر بھی قابض نہ ہو جائیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو مشورہ دیا کہ حضرت عمرو بن عاص کو دوبارہ فوجی کمان دے دی جائے۔ حضرت عثمانؓ معاملہ سمجھ گئے۔ اور حضرت عمرو بن عاصؓ کو حکم بھیجا کہ وہ فوج کو سنبھال کر باغیوں کی سرکوبی کریں۔ چنانچہ حضرت عمر بن العاصؓ نے دوبارہ اسکندریہ فتح کیا۔ اور باغیوں کا سر کچل دیا۔ پھر شہر کی فصیل کو توڑ ڈالا تاکہ باغی دوبارہ قلعہ بند ہو کر بغاوت نہ کر سکیں۔

اس کے بعد حضرت عثمان نے چاہا کہ حضرت عمرو بن عاصؓ کو فوجی انتظامات دے دیئے جائیں اور باقی نظام حکومت عبداللہ بن ابی سرح کے پاس رہے لیکن حضرت عمرو بن عاصؓ نے منظور نہ کیا۔ اور سنہ ۲۷ھ میں مصر کا تمام نظام سلطنت عبداللہ بن ابی سرح کو دے دیا گیا اور حضرت عمرو بن عاصؓ واپس مدینہ آ گئے۔ بعد میں مصر کا خراج زیادہ آنے لگا۔

تو حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ سے فرمایا "اے عمروؓ! دیکھ اونٹنی اب زیادہ دودھ دے رہی ہے" حضرت عمرو بن عاص بولے ہاں امیرالمومنین! لیکن بچے تو بھوکے رہ گئے۔"

فتح طرابلس

طرابلس (TRIPOLI) شمالی افریقہ کا ایک علاقہ جو حضرت عمرو بن عاصؓ ۲۲ھ میں فتح کر چکے تھے لیکن اس پر قبضہ نہیں رہا تھا۔ ۲۷ھ میں مصر کے حاکم عبداللہ ابن سعد بن ابی سرح نے حضرت عثمانؓ کے حکم سے طرابلس پر حملہ کرنے کی تیاری کر لی۔ مدینہ سے ایک تازہ دم فوج مدد کے لئے روانہ کی گئی جس میں بہت سے جلیل القدر صحابہ بھی تھے۔ اور اس کی سرکردگی حضرت عبداللہ زبیرؓ کے ہاتھ میں تھی۔ اسلامی فوج جب طرابلس پہنچی تو اہل طرابلس بڑی ثابت قدمی سے لڑے اور جنگ کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ آخر تمام فوج کی کمان حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے سنبھال لی اور دوسرے دن آدھی فوج دوپہر تک لڑی اور باقی آدھی دوپہر کے بعد۔ اس طریقہ سے اہل طرابلس شکست کھا گئے اور صلح کی درخواست کی۔ عبداللہ بن ابی سرح نے پچیس لاکھ دینار سالانہ پر صلح کر لی۔ وعدہ کے مطابق حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن سعد کو اس فتح کے بعد انعام دیا۔ لیکن مسلمانوں نے اعتراض کیا اس لئے حضرت عثمانؓ نے واپس لے لیا۔

فتح الجزائر و مراکش

یہ علاقے بھی طرابلس کے ساتھ ساتھ تھے اور تسخیر طرابلس کے ساتھ یہ بھی فتح ہو گئے ان علاقوں کی مہم بھی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ہی سر کی۔ مسلمانوں کو گو چھوٹے علاقوں میں بھی مزاحمت پیش آئی۔ لیکن فتح و نصرت نے انہی

...م ہوئے۔ بہت سا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

جزیرہ قبرص

قبرص اس جزیرہ کا پرانا نام ہے جو شام سے قریباً ساٹھ میل کے فاصلے پہ بحیرہ روم میں اب سائپرس (CYPRUS) کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے عہد فاروقی میں ہی محسوس کیا تھا کہ مصر اور شام اس وقت تک محفوظ نہیں ہو سکتے جب تک قبرص پہ قبضہ نہ کیا جائے چنانچہ انہوں نے عہد فاروقی میں جب وہ شام کے حاکم تھے۔ حضرت عمرؓ سے قبرص فتح کرنے کی اجازت طلب کی تھی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے کسی مصلحت کی بنا پہ اس کی اجازت نہیں دی تھی۔ چنانچہ ۲۸ھ میں دوبارہ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عثمان سے قبرص پر حملہ آور ہونے کی اجازت مانگی حضرت عثمان نے اجازت دے دی لیکن اس شرط پہ کہ صرف انہی مسلمانوں کو اس حملہ میں شریک کیا جائے جو اپنی مرضی سے شریک ہونا چاہیں چنانچہ امیر معاویہؓ نے جنگی کشتیاں بنوائیں اور عبداللہ بن قیس حارثی کی سرکردگی میں قبرص پہ حملہ کے لئے اسلامی دستہ روانہ کیا۔ اس دستے میں مدینہ سے صحابہؓ بھی آکر شریک ہوئے اہل قبرص مسلمانوں کی آمد سے سہم گئے۔ اور مندرجہ ذیل شرائط پر صلح ہو گئی۔

۱. اہل قبرص سات ہزار دینار سالانہ خراج دیا کریں گے۔
۲. مسلمان قبرص کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔
۳. اگر کوئی دشمن مسلمانوں پہ حملہ آور ہو تو اہل قبرص مسلمانوں کو پہلے ہی اطلاع دیں گے۔ اور دشمن کی نقل وحرکت سے خبر کریں گے۔
۴. اسلامی فوج جب چاہے قبرص میں سے گزر سکتی ہے۔

۳۳ھ تک اہل قبرص اس صلح نامے پہ قائم رہے۔ لیکن اس کے بعد

اس کی خلاف ورزی کر کے رومیوں کو مسلمانوں کے خلاف مدد پہنچائی امیر معاویہؓ نے دوبارہ حملہ کر کے قبرص فتح کیا اور سارا جزیرہ اپنے تحت کر لیا۔

تسخیر طبرستان و خراسان

۲۹ھ میں حضرت عثمانؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ حاکم بصرہ کو معزول کر کے عبداللہ بن عامرؓ کو وہاں کا حاکم مقرر کیا ۳۰ھ میں عبداللہ بن عامر نے خراسان کے باغیوں پر فوج کشی کی۔ اسی اثناء میں سعید بن عاصؓ ایک فوجی دستہ کے ساتھ جس میں امام حسنؓ امام حسینؓ اور عبادلہ اربعہ یعنی عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ شریک تھے، طبرستان کو فتح کرنے کے لئے روانہ ہو چکے تھے۔ عبداللہ بن عامرؓ کے خراسان پہنچنے سے پہلے ہی سعید بن عاص نے طبرستان خراسان اور جرجان کے علاقے فتح کر لئے۔ عبداللہ بن عامرؓ آگے بڑھ گئے اور ہرات، کابل، سجستان، نیشاپور اور کئی چھوٹے چھوٹے علاقے فتح کر لئے ہیں۔

اسی دوران حاکم کوفہ ولید بن عقبہ پر ایک سازش کے تحت شراب پینے کا الزام لگا۔ حضرت عثمان نے ولید بن عقبہ کو معزول کر کے سعید بن عاصؓ کو والی کوفہ مقرر کیا۔

عظیم الشان بحری فتح

قیصر روم برابر مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریاں کرتا رہا۔ اس نے ایک بہت بڑا جنگی بحری بیڑا مسلمانوں کے مقابلے کے لئے اسکندریہ کی طرف روانہ کیا۔ والی مصر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے اسلامی بیڑے کی کمان

لی اور تمام جنگی جہازوں کو آپس میں باندھکر دشمن پہ ٹوٹ پڑے
ی خونریز جنگ ہوئی۔ بے شمار رومی تباہ ہوئے مسلمان بھی کافی شہید
گئے۔ لیکن فتح مسلمانوں کے ہاتھ رہی۔ اس بحری جنگ سے مسلمانوں
دھاک رومیوں پہ بیٹھ گئی۔

متفرق جنگیں اور فتوحات

اس کے بعد بہت سی چھوٹی چھوٹی جنگیں پیش آئیں لیکن سب میں مسلمان
غالب رہے۔ ۳۲ھ میں فاریاب، طالقان اور جوزجان کے
تے فتح ہوئے۔ ان فتوحات کا سہرا عبداللہ بن عامرؓ کے سر رہا۔
۳۳ھ میں امیر معاویہؓ نے حصن المرآۃ کا رومی علاقہ فتح کیا۔ ۳۴ھ
ں اہل طرابلس نے عہد کی خلاف ورزی کی۔ عبداللہ بن ابی سرح نے
ملہ کرکے دوبارہ قبضہ کر لیا۔

عہدِ عثمانی میں نظامِ حکومت

حضرت عثمان نے بھی حضرت عمرؓ کی طرح اسلامی سلطنت کو مختلف صوبوں اور اضلاع میں تقسیم رکھا۔ عہد فاروقی میں ملک شام تین صوبوں دمشق، اُردن اور فلسطین میں منقسم تھا لیکن عثمانؓ نے ان تینوں کو ملا کر ایک بڑا صوبہ بنا دیا۔

ملکی نظام جو نئے علاقے فتح ہوئے ان کے بھی علیحدہ علیحدہ صوبے مقرر کر دیئے۔ ہر صوبے میں ایک حاکم مقرر تھا۔ ذیل میں مختلف صوبوں کی فہرست ہے اور ساتھ ہی ان کے اعمال (حاکموں) کے نام بھی ہیں:۔

۱۔ مکہ :۔ (عبداللہ بن حضرمی)
۲۔ طائف :۔ (قاسم بن ربیعہ ثقفی)
۳۔ جند : (عبداللہ بن ربیعہ)
۴۔ صنعاء : (یعلیٰ بن منیہ)
۵۔ بصرہ : (عبداللہ بن عامر)
۶۔ کوفہ : (ابوموسیٰ اشعری)
۷۔ مصر : (عبداللہ بن سعد بن ابی سرح)
۸۔ شام : (امیر معاویہ)
۹۔ قنسرین :۔ (حبیب بن مسلمہ فہری)

حضرت عثمانؓ حکام کی سختی سے نگرانی کرتے۔ حاکم کے خلاف

شکایت کی تصدیق ہو جاتی تو حاکم سے باز پرس کرتے اور اگر شکایت جائز ہوتی تو معزول کر دیتے جیسا کہ فتوحات میں گزر چکا ہے۔ حکام کی نگرانی اور حالات کی تفتیش کے لئے مدینہ سے آدمی وفود (وفد کی جمع) کی شکل میں بھیجے جاتے۔ ان وفود میں حضرت محمد بن مسلمہ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ خاص طور قابل ذکر ہیں۔ جمعہ کے خطبہ سے پہلے لوگوں سے حالات دریافت کرتے اور اسی طرح حج کے موقعہ پہ اعلان کروایا جاتا کہ اگر کسی کو کسی حاکم سے کوئی شکایت ہو تو بیان کرے۔

مالی نظام عہد عثمانی میں مزید ممالک کے فتح ہونے سے مالی آمدنی میں اضافہ ہو گیا۔ لیکن وسعت سلطنت کی وجہ سے اخراجات بھی بڑھ گئے اس لئے مالی اضافہ ساتھ ہی ساتھ خرچ ہو جاتا۔ حضرت عثمان نے مالی نظام بالکل انہی طریقوں پہ قائم رکھا جن پہ حضرت عمرؓ نے چھوڑا تھا۔ صرف وظیفوں میں کچھ اضافہ کر دیا یہ حضرت عثمان کی فیاضی کی نشانی ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے بہت سے غریب لوگوں کا کھانا بھی بیت المال سے مقرر کر دیا۔

فوجی نظام حضرت عثمانؓ نے سابقہ فوجی نظام جو حضرت عمرؓ کے عہد میں قائم تھا، بدستور رکھا۔ اس کے علاوہ اس میں یہ اضافہ کیا کہ بحری جنگوں کا آغاز کیا اور اس کے لئے بحری جنگی بیڑے تیار کروائے چنانچہ بحری جنگ میں قبرص فتح کیا اور رومیوں کے بہت بڑے جنگی بیڑے کو شکست دے کر شام و مصر کو نت نئی سازشوں اور بغاوتوں سے محفوظ کر دیا حضرت عثمانؓ

نے فوجی نظام میں ایک یہ بھی اضافہ کیا کہ حاکم فوج کا ایک نیا عہدہ [illegible]
کیا چنانچہ صوبہ صنعاء کے والی یعلیٰ بن منیہ تھے اور حاکم فوج عبداللہ
ربیعہ مقرر تھے۔ اسی طرح عمرو بن عاص رضؓ والی مصر تھے اور حاکم [illegible]
عبداللہ بن ابی سرح تھے۔

ملکی نظم و نسق ملکی، فوجی اور مالی نظام کے علاوہ حضرت عثما[ن]
نے باقی تمام محکمے اور شعبے بالکل اسی طرح قا[ئم]
رکھے جس طرح عہد فاروقی میں تھے۔ البتہ عہد عثمانی کے آخر میں بو[...]
قدرے غالب آ گئے اور انہوں نے حضرت عثمان کی سادگی او[ر ...]
سے پورا فائدہ اٹھا کر ذاتی مفاد کے لئے ملکی نظم و نسق درہم برہم [کر]
دیا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

تعمیرات سلطنت کی وسعت کے ساتھ ساتھ جس قدر ضرو[رت]
ہوتی تعمیرات کا کام زیادہ ہو جاتا۔ رفاہِ عام [کے]
لئے نئی سڑکیں، پل، مہمان خانے، مسجدیں اور حفاظتی چوکیاں بنوا[ئیں]
کوفہ میں عہد عثمانی سے پہلے مسافر خانہ نہیں تھا۔ حضرت عثمان نے
مکانات خرید کر ایک کشادہ مسافر خانہ بنوا دیا۔ اسی طرح دوسر[ے]
نئے مفتوحہ شہروں میں مسافر خانے بنوائے۔ دوسرے ممالک
سے جو رستے مدینہ کو آتے تھے۔ ان پر زیادہ توجہ کے ساتھ [...]
چوکیاں، سرائیں اور چشمے تعمیر کروائے تاکہ صدر مقام (مدینہ)
پہنچنے کے لئے باہر کے لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔

خیبر مدینہ سے شمال کی جانب واقع ہے۔ اس طرف سے کبھی
کبھی ایک سیلاب آ جایا کرتا تھا جو مدینہ کی آبادی کے لئے نہایت

تکلیف دہ ثابت ہوتا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے مدینہ کو اس سیلاب سے محفوظ کرنے اور مسجد نبوی کو اس کی زد سے بچانے کے لئے شمالی جانب کچھ فاصلے پہ ایک مضبوط بند بنوایا اور بند سے ایک نہر کھدوائی جس کا رخ مدینہ سے دور کر دیا۔ اس بند کو بند مہزور کہتے ہیں۔ یہ کام واقعی حضرت عثمانؓ کا ایک قابل تعریف کارنامہ تھا۔

حضرت عثمانؓ نے ایک اور اہم کام یہ کیا کہ مسجد نبوی کے گرد کے مکانات ان کے مالکوں سے بڑی ہمت اور مسلسل محنت سے خرید لیئے پانچ سال تک آپ لوگوں کو اس طرف توجہ دلاتے رہے لیکن وہ نہیں مانتے تھے۔ آخر حضرت عثمان نے ان کو راضی کر لیا اور وہ زمین مسجد نبوی میں شامل کر کے اسے نہایت وسیع کر دیا۔ عمارت چونہ اور پتھر سے مضبوط طریقے پر بنوائی گئی۔

خدمتِ دین

حفاظت قرآن اس سلسلے میں حضرت عثمانؓ نے سب سے بڑی خدمت قرآن کی حفاظت میں کی تمام غیر عرب ممالک کی زبان عربی نہ تھی اس لئے وہاں کے نومسلم لوگ اہل عرب کی نسبت مختلف قراءت سے قرآن مجید پڑھتے تھے۔ حضرت حذیفہ ابن یمان مہمات کے سلسلے میں بیرونِ عرب ممالک میں پھر رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ شام اور عراق کے لوگ مختلف قراءت سے قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ اسی طرح بصرہ اور کوفہ میں قراءت قرآن مختلف

تھی. حضرت حذیفہ بن یمان نے واپس مدینہ پہنچکر امیر المومنین حضرت عثمانؓ سے ذکر کیا اور کہا کہ" اگر اس غلطی کی جلد اصلاح نہ کی گئی تو ممکن ہے مسلمان بھی عیسائیوں اور دوسرے اہل کتاب کی طرح اللہ کی کتاب (قرآن) میں اختلاف پیدا کرلیں ." حضرت عثمانؓ نے بات کی اہمیت فوراً پالی اور حضرت حفصہؓ کو کہلا بھیجا کہ یہ معاملہ ہے۔ اس لئے اپنا صحیفہ (قرآن کا نسخہ) عاریۃً دیدیں تاکہ اس سے نقل کرواکر باہر ممالک میں بھیج دی جائیں۔ چنانچہ حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اور حضرت سعید بن العاصؓ تینوں کو اس کام پر مقرر کیا گیا۔ اصل نسخہ کی نقلیں تیار ہوئیں اور وہ تمام بیرونی ممالک میں بھیج دی گئیں۔ اس کے علاوہ جو قرآنی نسخے بیرونی ممالک میں مختلف املاؤں سے لکھے گئے تھے ختم کر دیئے گئے۔ حضرت عثمان کے اس عظیم الشان کارنامہ سے تمام اسلامی ممالک میں قرآن مجید ایک ہی قراءت (بہ صحت زبان اہل قریش) کے ساتھ پڑھا جانے لگا۔

اشاعت و تبلیغ

حضرت عثمانؓ تبلیغ دین کا خاص خیال رکھتے اور حکام کو بھی نصیحت کرتے کہ غیر مسلم رعایا میں اسلام کا عملی نمونہ پیش کرو تاکہ وہ خود اس کی طرف مائل ہوں جب کبھی کسی جنگ سے قیدی آتے۔ آپ خود ان کے پاس جاکر تبلیغ اسلام کرتے۔ نیک دل قیدی اسلام کی حقانیت سمجھ جاتے اور حلقۂ اسلام میں داخل ہو جاتے۔ ایک مرتبہ رومی عورتیں قید ہو کر آئیں حضرت عثمانؓ خود ان کے پاس گئے اور سمجھایا کہ اسلام میں داخل ہو جاؤ یہ تمہارے حق میں ہر طرح سے عمدہ رہے گا۔ اسی وقت دو عورتوں نے اسلام

قبول کیا۔

مذہبی انتظامات آپ نے تمام ممالک میں بہت سی مسجدیں تعمیر کروائیں۔ وضو اور غسل کے لئے پانی کا خاطر خواہ انتظام کیا۔ مسجد نبوی کے صحن کو کافی وسیع کروا دیا اور عمارت چونے، اینٹوں اور پتھروں سے مضبوط طریقے پر بنوائی۔ مسجد نبوی سے ایک اذان پر جمعہ کے دن سب لوگ اکٹھے نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لئے دوسری اذان کا انتظام کروایا جو مقام زوراء پر سے دی جاتی تھی۔ یہ ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ مدینہ کی آبادی پہلے سے بہت بڑھ چکی تھی۔ نماز میں صفوں کو سیدھا کرنے کا انتظام بھی کیا اور اس کے لئے چند لوگ مقرر تھے۔

فتنۂ انقلاب

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں پہلے چھ سال نہایت پرسکون گذرے اور حکومت کا ہر صیغہ اور شعبہ مستحکم طریقہ پہ چلتا رہا بلکہ اکثر محکموں میں کچھ ترقی ہوئی۔ لیکن یہ سارا نظام اور نظم و نسق حضرت عمرؓ فاروق کا مرہون منت تھا جنہوں نے اپنی سیاست، دوراندیشی اور قوت عمل سے ایک ایسا نظام حکومت قائم کیا جو بعد کے خلیفہ (حضرت عثمان) کے لئے ایک خاصی سہولت بن گیا اور ان کے لئے تا عمر بھی سہولت بن سکتا

تھا۔ اگر وہ بالکل اسی طرزِ عمل کو مضبوطی کے ساتھ اپنا لیتے جو فاروق اعظم نے اختیار کیا تھا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں چھ سال بعد فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی اور اس قدر مشتعل ہوئی کہ آخر اس گھر کو جلا کر راکھ کر دیا جو اللہ اور اس کے رسول کی خدمت کے لئے وقف تھا۔ اس فتنہ و فساد کی وجہ واقعات اور نتائج کو ہم مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت قلمبند کرتے ہیں۔

سیاستِ عثمانی

حضرت عثمانؓ بڑے نرم دل انسان تھے حضرت عمرؓ کی طرح لوگوں کی غلطیوں اور جرموں پر سختی سے مواخذہ نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کی خطاؤں اور جرموں کو درگذر کر کے معاملہ ٹال دیا کرتے تھے۔ گو آپ سنگین جرموں کو معاف نہیں کرتے تھے۔ اور احکام کی نگرانی اور حالات کی تفتیش کے لئے تحقیقاتی وفود باہر ممالک میں بھیجتے لیکن آپ کی فطری نرم مزاجی سے ہر اس شخص نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جو جاہ و جلال کا بھوکا تھا اور حاکمیت کی خواہش رکھتا تھا بلکہ اسے اپنا حق سمجھتا تھا۔

حضرت عثمانؓ غیر معمولی متمول گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اور خود بھی تجارت کے ذریعے بہت زیادہ مال و دولت حاصل کر چکے تھے۔ اس لئے فطرتاً تن آسانی کی طرف مائل تھے اور اسی لئے فیاضی کا جذبہ بہت زیادہ تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنے اعزہ و اقارب کو کافی مال و دولت دی اور اکثر دیتے رہتے لوگ یہ سمجھتے کہ حضر

عثمانؓ شاید بیت المال سے اپنے رشتہ داروں کے گھر بھرتے رہتے ہیں اس کے علاوہ آپ نے اپنے کئی رشتہ داروں کو اعلیٰ عہدے دے رکھے تھے۔ آپ کے چچا حکم بن العاص کو ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم نے کسی سنگین جرم کی بنا پر طائف کی طرف جلا وطن کر دیا تھا لیکن حضرت عثمان نے اپنے عہد میں اسے واپس مدینے بلا کر (گو حضرت عثمانؓ نے حکم بن العاص کی خطا رسول اللہ صلعم سے معاف کرا لی تھی) ایک لاکھ درہم کی رقم اپنی جیب سے دی اور اس کے بیٹے مروان بن الحکم کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا اور جہیز میں اسے ایک لاکھ درہم دیئے۔ اسی مروان بن الحکم کو پھر اپنا منشی (کاتب) مقرر کیا جس نے بہت جلد حکومت میں اتنا دخل پیدا کر لیا کہ جو چاہے کر سکتا تھا۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح آپ کا رضاعی بھائی تھا اس کو آپ نے مصر کا حاکم بنا دیا۔ امیر معاویہؓ آپ کے بہت قریبی رشتہ دار تھے اور شام کے والی تھے۔ سعدؓ بن ابی وقاص والی کوفہ جب ۲۶ھ میں برطرف کئے گئے تو حضرت عثمان نے اپنے رشتہ دار بھائی ولید بن عقبہ کو وہاں کا حاکم مقرر کیا چونکہ وہ ایک ناتجربہ کار اور مشتبہ چال چلن کا انسان تھا اس لئے لوگوں کو ان پر اعتماد نہیں تھا چنانچہ ۳۰ھ میں ولید بن عقبہ پر شراب نوشی کا الزام لگایا اور حضرت عثمانؓ کو اسے معزول کرنا پڑا۔ بصرہ میں اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر کو حاکم مقرر کیا اور پہلے حاکم ابوموسیٰ اشعریؓ کو معزول کر دیا۔ عام لوگ ان تمام چیزوں کو حضرت عثمان پر کنبہ پروری کا الزام دیتے ہوئے بغاوت پر آمادہ ہوئے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے

سرداران قریش کو مدینہ میں ہی رہنے کا حکم دے رکھا تھا۔ اور کسی کو بہت ہی اہم کام کی وجہ سے کسی کو مدینہ سے باہر جانا ہوتا تو اسے معین وقت کی اجازت ملتی اس کے بعد اسے لازماً واپس مدینہ آنا تھا حضرت عمرؓ کی یہ نگرانی اور سختی گو امراء قریش کے لئے سخت ناگوار تھی لیکن حضرت عمرؓ نے اس خدشے کی بناء پہ کہ یہ لوگ جہاں باہر جائیں گے مسلمانوں میں تفرقہ ڈال کر فتنہ کا بیج بو دیں گے ہمیشہ انہیں دبائے رکھا۔ حضرت عثمان چونکہ نرم دل انسان تھے۔ اس لئے یہ کڑی نگرانی قائم نہ رکھ سکے اس لئے امراء قریش مدینہ سے نکل کر تمام علاقوں میں پھیل گئے اور جہاں بھی گئے اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے جلد ترقی کر لی۔ بہت سی جائدادوں کے مالک بن گئے۔ مزید یہ کہ ہر رئیس اپنے آپ کو خلافت کا حقدار سمجھنے لگا۔ کیونکہ قریش کی بہت زیادہ قدر تھی اور انہی میں سے راہنما بنا کرتے تھے۔ اس طرح ہر رئیس نے اپنے حلقے قائم کر لئے اور ان کی پشت پناہ پہ جتنے لوگ تھے، وہ اپنے رئیسوں سے بہت کچھ توقع کرنے لگے۔ یہ توقعات آہستہ آہستہ شکایات کی شکل میں نمودار ہوئیں اور بالآخر حضرت عثمانؓ کے خلاف سازشوں پہ اتر آئیں۔

فتنہ کے اصل وجوہ فتنۂ انقلاب کے وجوہ بہت سے تھے جو مندرجہ ذیل ہیں :-

۱- امیہ خاندان (حضرت عثمانؓ کا خاندان) کے بہت سے لوگ اعلیٰ عہدوں پہ فائز ہو گئے۔ حالانکہ اسی خاندان سے اسلام کو شروع شروع میں سخت نقصان پہنچا تھا۔ خود حضرت عثمان نے اپنے چچا حکم بن العاص سے بہت سی تکلیفیں اٹھائیں اور اسی

بنا پر حبشہ کو ہجرت کرنی پڑی دوسری طرف خاندان ہاشم (رسول اللہ صلعم کا خاندان) اپنے آپ کو امامت کے لئے ترجیح دیتا تھا۔

۱۔ قریش کے علاوہ عام عرب لوگ بھی اپنے آپ کو قریش سے حقیر نہیں سمجھتے تھے اور مساوات اس طرح چاہتے تھے کہ انہیں بھی خلافت اور امامت کا پورا حق ہے۔

۲۔ یہودی اور مجوسی (آتش پرست) بھی سازشیں کرنے لگے تاکہ کوئی ایسا شخص برسرِ اقتدار ہو جائے جو انہیں اعلیٰ عہدے دلوا سکے اور ان کے حقوق پہلے سے زیادہ کروا دے۔

۴۔ یہودی یہ بھی چاہتے تھے کہ جس طرح ان کا اقتدار مدینہ میں ختم کر دیا گیا تھا۔ اس طرحِ مسلمانوں کی طاقت بھی کمزور کر دی جائے۔

۵۔ مسلمانوں میں صحابہ کرام کا وہ طبقہ بہت کم تھا جس نے براہ راست آنحضرت صلعم سے فیض حاصل کیا تھا اور دوسرے ضعیف العمر ہونے کی وجہ سے دنیاوی مشاغل میں بہت کم حصہ لیتے تھے۔ ان کی جگہ نوجوان طبقہ اپنے زہد و تقویٰ، صدق و امانت، عدل و انصاف میں بہر حال کم تر ہونے کی وجہ سے نظم قائم نہ رکھ سکا۔

۶۔ حضرت عثمان چونکہ فطرتاً نیک دل، نرم مزاج اور سادہ لوح انسان تھے، اس لئے لوگوں کی خطاؤں اور جرموں کو اکثر نصیحت وغیرہ کر کے ٹال دیا کرتے تھے۔ چنانچہ کج رو اور شرارت پسند حضرات کے حوصلے بڑھنے گئے۔

۷۔ حضرت عثمانؓ اپنے ذاتی مال و دولت سے اپنے رشتہ داروں کو اکثر رقمیں دیتے رہتے تھے لیکن عام لوگ یہ سمجھتے تھے وہ مسلمان کے بیت المال سے کنبہ پروری کرتے ہیں۔ اس لئے عام لوگ آپ کے خلاف سوچنے لگے۔

۸۔ حضرت عثمان نے اعتماد کی خاطر اپنے رشتہ داروں میں سے بہت سے لوگوں کو اعلیٰ عہدے دے رکھے تھے لوگوں کو اس پہ سخت اعتراض تھا۔

۹۔ مفتوحہ علاقوں کی رعایا اس لئے بھی فتنہ پردازوں کا ساتھ دینے کو تیار تھی کہ انقلاب آنے سے شاید ان کی حالت پہلے سے بہتر ہو جائے۔

۱۰۔ مسلمانوں کے مفتوحہ علاقوں میں غیر قومی عورتوں سے جو بچے پیدا ہوئے وہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں نوجوان طبقہ میں سے تھے۔ قدرتی طور پہ ان میں اسلام اس قدر راسخ نہیں تھا کہ حق و انصاف سے کام لیتے بلکہ الٹا فتنہ پسند حضرات کے حامی و مددگار بن گئے۔

سازش کے مقامات

فتنہ پردازیوں تو ملک کے ہر گوشہ میں پھیلے ہوئے تھے لیکن بعض مقامات سازشوں کے مرکز بنے ہوئے تھے لہذا ان مقامات کا علیحدہ علیحدہ ذکر کیا جاتا ہے۔

کوفہ۔ سعد بن ابی وقاص حاکم کوفہ تھے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جو وہاں کے منتظم بیت المال تھے۔ ایک

قرض لی۔ کچھ عرصہ بعد جب رقم مانگی گئی تو سعد بن ابی وقاص ادا نہ
سکے۔ دونوں میں سخت گفتگو کے بعد رنجش پیدا ہوگئی حضرت عثمانؓ
علم ہوا تو انہوں نے سعد بن ابی وقاص کو معزول کرکے ولید بن عقبہ
حاکم مقرر کر دیا۔ ولید بن عقبہ نے ایک مرتبہ کسی قتل کے سلسلے میں
مجرموں کو پکڑ کر قصاص میں قتل کروا دیا۔ ان مقتولین کے رشتہ داروں
نے سازش بناکر ولید بن عقبہ پر شراب پینے کا الزام لگا دیا اور ثبوت
شہادت دو اشخاص کی پیش کر دی۔ حضرت عثمان نے ولید بن عقبہ
حد جاری کی (سزا دی) اور انہیں معزول کرکے سعید بن عاص والیٔ
فہ بنا دیئے۔ شرارت پسند حضرات ہر کام میں من مانی چاہتے تھے۔ چنانچہ
کے خلاف بھی تدبیریں سوچنے لگے۔ ہر روز کہتے کہ امارت قریش کے
اتھ مخصوص کیوں ہے۔ ہم بھی خلافت کا حق رکھتے ہیں۔ سعید بن عاص
نے حضرت عثمان کو لکھا کہ میں ان لوگوں سے سخت تنگ ہوں۔ حضرت
ثمان نے تحقیق کرکے دس آدمی کوفہ سے شام کی طرف جلاوطن کر دیئے۔
شام میں یہ لوگ حضرت امیر معاویہ کو تنگ کرنے لگے۔ حضرت
عثمان نے ان کو حمص میں بھیج دیا۔ حمص میں ان فتنہ پردازوں کو وہاں
کے حاکم عبدالرحمٰن بن خالدؓ نے خوب ڈانٹا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ انہوں
نے وقتی طور پر توبہ کی اور امیر المومنین سے درخواست کی کہ وہ انہیں
واپس کوفہ چلے جانے دیں۔ اجازت مل گئی اور یہ لوگ واپس کوفہ
پہنچ گئے۔ لیکن یہاں آکر انہوں نے پھر شرارتیں شروع کر دیں۔ حضرت
سعید بن عاص خود مدینہ پہنچے اور سارا قصہ امیر المومنین سے کہہ سنایا
ادھر کوفہ والوں نے شور مچایا کہ ہم سعید بن عاص کو اب یہاں نہیں

آنے دیں گے۔ چنانچہ مصلحت وقت سوچ کر حضرت عثمانؓ نے سعید بن عاص کی بجائے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو حاکم مقرر کر کے کوفہ بھیج دیا۔ لیکن پھر بھی فتنہ اسی طرح قائم رہا۔

بصرہ:۔

بصرہ کے حاکم عبداللہ بن عامر کے پاس مدینہ سے امیر المؤمنین کی طرف سے حکم پہنچا کہ بصرہ کے لوگوں کی اطلاع کے مطابق ایک شخص حکیم بن جبلہ چوریاں کرتا ہے اور لوگ اس سے سخت تنگ ہیں۔ اس لئے اُسے اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے اور شہر میں نظر بند کر دو۔ عبداللہؓ ابن عامر نے حکم کی تعمیل کی لیکن حکیم بن جبلہ کے جو ساتھی گرفتار نہ ہو سکے۔ انہوں نے طرح طرح کی سازشیں شروع کر دیں۔

عبداللہ بن سبا:۔

یمن کے ایک مشہور شہر صنعاء کے ایک یہودی النسل نو مسلم عبداللہ بن سبا نے بگڑتے ہوئے حالات سے فائدہ اٹھا کر ایک مضبوط سازش کے تحت تمام مفسدین اور فتنہ پردازوں کو متحد کرنے کی کوشش شروع کی۔ گو سب مفسدین نیا خلیفہ بنانے کے لئے کسی ایک شخص پر متفق نہ تھے لیکن اس بات پر سب متفق تھے کہ امیر المومنین حضرت عثمان کو خلافت سے الگ کر کے بنو امیہ کے تمام عہدیداروں کو معزول کر دیا جائے۔ عبداللہ ابن سبا نے اِس ایک بات کو پکڑ لیا جس پر سب فتنہ پرداز متفق تھے۔ اس نے اپنے خاص خاص کارندے سارے مُلکوں میں پھیلا دیے

ر انہیں ہدایت کر دی کہ بظاہر اپنے آپ کو اعلےٰ درجے کا مسلمان
ؤ ، تقویٰ اور پرہیزگاری کی نصیحت کرو اور لوگوں کا اعتماد حاصل
و۔ پھر حکام اور عمال کو تنگ کرنا شروع کرو ۔ ان پر الزامات
اؤ ، بدنام کرو اور عام لوگوں کے دلوں میں یہ بات راسخ کرو
امیر المومنین حضرت عثمان ایک غیر منصف اور کنبہ پرور انسان
ں۔ اس لئے وہ مسلمانوں کے امیر بننے کا حق نہیں رکھتے۔ عبد اللہ
سبا خود بصرہ میں پہنچا اور حکیم بن جبلہ سے مل کر اپنی سازش
وع کی حاکم بصرہ عبد اللہ بن عامر کو جب معلوم ہوا تو اس نے
بد اللہ بن سبا کو بلا کر ڈانٹا اور وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا۔
بد اللہ بن سبا وہاں سے کوفہ پہنچا اور اپنی کوششوں کو بدستور
ائم رکھا۔ آخر وہاں سے بھی نکالا گیا اور بھاگ کر مصر چلا گیا۔

مصر:۔

مصر میں مسلمانوں کے سب سے زیادہ دشمن یہودی موجود
تھے ہی لیکن عبد اللہ بن سبا کا وہاں پہنچنا تھا کہ فتنہ کی چنگاری بھڑک
اٹھی - اس نے یہاں ایک اور چال چلی ۔ مسلمانوں کو حضرت علی کی
محبت اور حمایت میں اکسانا شروع کیا اور حضرت عثمان کے
خلاف زہر اگلنے لگا ۔ اس کے ساتھ مصر سے جھوٹے خط دوسرے
ملکوں میں بھیجنے شروع کئے کہ مصر میں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے
عبد اللہ بن سبا کو ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ محمد بن ابی بکر ، محمد بن
ابی حذیفہ اور عمار بن یاسر جو حضرت عثمان کے سخت مخالف تھے
اور مصر میں موجود تھے۔ اس کے ساتھ مل گئے ۔ یہ تینوں حضرات

اس لئے مخالف تھے کہ حضرت عثمانؓ نے انہیں من مانی کرنے سے منع فرمایا تھا یا سزا دی تھی۔

شام :-

شام کے علاقے میں حضرت امیر معاویہؓ حاکم تھے۔ آپ سمجھدار اور ہوشیار انسان تھے۔ اس لئے شورش کو اپنے علاقہ میں پھیلنے نہ دیا۔ لیکن عبداللہ بن سبا نے یہاں بھی پہنچکر آگ سلگائی۔ شام میں ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابو ذرؓ مقیم تھے۔ عبداللہ بن سبا نے ان سے کہا کہ یہ جو امیر معاویہؓ کہتے ہیں کہ بیت المال مسلمانوں کا مال نہیں بلکہ اللہ کا مال ہے۔ صرف اس لئے کہتے ہیں کہ بیت المال اپنے پاس سنبھال رکھیں اور اس میں سے مسلمانوں کو کچھ نہ ملے۔ حضرت ابو ذر امیر معاویہؓ کے پاس گئے اور انہیں نصیحت کی کہ آئندہ ایسا نہ کہنا۔ پھر حضرت ابو ذرؓ نے اس خیال سے کہ صرف امیر ہی تمام دولت نہ سنبھال لیں۔ غریب لوگوں کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ امیر معاویہؓ نے سارا معاملہ حضرت عثمان کو لکھدیا کہ حضرت ابو ذر کی وجہ سے لوگ میرے خلاف ہو رہے ہیں۔ حضرت عثمان نے حضرت ابو ذر کو مدینہ بلایا اور حالات دریافت کئے اور کہا کہ آپ میرے پاس رہیں میں آپ کا کفیل ہوں گا۔ لیکن حضرت ابو ذرؓ تارک الدنیا ہو کر مقام ربذہ چلے گئے بہر حال شام میں بھی کسی نہ کسی حد تک شرارت شروع ہو گئی۔

انسدادِ فتنہ کی آخری کوشش

حضرت عثمان نے جب ہر طرف سے فتنہ کی خبر سنی تو حکام کو مدینہ میں طلب کیا۔ جب اکٹھے ہو گئے تو آپ نے میا

ی منعقد کروائی اور سب سے پوچھا کہ یہ شورش اور فتنہ کیسا
، آپ سب کیا مشورہ دیتے ہیں ؛ سب حکام نے مختلف مشورے
حضرت عبداللہ بن عامر نے کہا کہ کسی ملک میں جہاد کیا جائے تاکہ
ب لوگ ادھر مشغول ہوجائیں حضرت امیر معاویہؓ کہنے لگے ہر حاکم
نے علاقے میں امن رکھنے کی ذمہ داری لے۔ حضرت سعید بن عاصؓ
لے، ساری شورش ایک خاص گروہ کے بل بوتے پر کھڑی ہے
اس گروہ کے رہنما قتل کر دیئے جائیں تو امن ہو جائے گا۔
رت عبداللہ ابن سعدؓ نے کہا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اگر انہیں بہت
مال و دولت دے دیا جائے۔ تو فتنہ رک سکتا ہے۔ الغرض
لاح کی کوئی جامع صورت نظر نہ آئی اس لئے حضرت عثمانؓ نے
کام کو واپس بھیج دیا اور خود معاملے پر غور کرنے لگے۔

اس کے علاوہ حضرت عثمانؓ نے اہل کوفہ کی خواہش کے مطابق
حضرت سعید بن عاصؓ کو معزول کر کے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ
کو وہاں کا والی مقرر کر دیا۔ اس طرح اہل کوفہ کی تمنا پوری کر دی گئی
پھر آپ نے حضرت طلحہؓ کے مشورہ کے مطابق تمام ملکوں میں تحقیقاتی
وفد بھیجے جو فتنہ کی تحقیقات کریں، اصلاح کی کوشش کریں، اور اعلان
کر دیں کہ جن لوگوں کو کسی حاکم کے خلاف شکایت ہو۔ حج کے دنوں
میں آکر امیرالمومنین سے بیان کرے۔

مدینہ پر مفسدین کا حملہ عبداللہ بن سبا کی جماعت نے
حضرت عثمانؓ کے قتل کی سازش
تیار کی اور مختلف مقامات سے لوگوں کے گروہ مدینہ کی

طرف روانہ کئے اور ظاہر یہ کیا کہ ہم امیرالمومنین سے معاملات طے کرنے جا رہے ہیں۔ تاکہ ملک کا نظم و قائم رہے یہ سب لوگ مدینہ کے قریب پہنچکر رک گئے حضرت عثمانؓ کو علم ہوا تو انہوں نے دو آدمیوں کو کرنے کے لئے بھیجا۔ اطلاع ملی کہ وہ امیرالمومنین سے نالاں ہیں۔ اس لئے مطالبہ کرتے ہیں کہ یا وہ خلافت دستبردار ہو جائیں۔ یا پھر وہ قتل کر دیئے جائیں گے عثمان نے اکابر مدینہ کو بلایا اور مشورہ کیا۔ بعض نے دیا کہ انہیں قتل کروا دیا جائے تاکہ فتنہ ختم ہو جائے عثمان نے فرمایا یہ بات غلط ہے۔ اس لئے نہیں مانی سکتی۔ چنانچہ انہوں نے مفسدین کی تمام شکایات اور ایک ایک کر کے سب کا تسلی بخش جواب د اس کے بعد سب کو رخصت کر دیا۔

مفسدین جب واپس لوٹے تو باقی لوگوں سے مشورہ خط و کتابت کر کے یہ طے کیا کہ کوفہ، بصرہ اور مصر سے ایک ہزار آدمیوں کا دستہ نکلے اور یہ ظاہر کرے کہ ہم عمرہ (چھوٹا حج) کے لئے مکہ جا رہے ہیں۔ چنانچہ تینوں مقامات سے یہ لوگ تھوڑے تھوڑے ہو کر نکلے اور باہر آکر جگہ پہ سب مل گئے۔ عبداللہ بن سبا بھی ان کے ساتھ تھا۔ یہ لوگ نئے خلیفے کے انتخاب میں تو اختلاف رکھتے تھے۔ کہ کس کو نیا امیر بنایا جائے لیکن اس بات پہ سب

ن۔ تھے کہ حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا جائے۔ زیادہ لوگ
رت علیؓ کی خلافت کے حق میں تھے تین ہزار آدمیوں
یہ دستہ مدینہ کے قریب آکر رکا اور آگے صرف دو
میوں کو روانہ کیا۔ تاکہ مدینہ کے حالات سے آگاہ کریں
ب یہ معلوم ہو گیا کہ مدینہ میں امن ہے اور خلیفہ کی حفاظت
لئے کوئی بیرونی فوج نہیں منگوائی گئی تو ان لوگوں کے
آدمی پھر مدینہ گئے اور حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ،
رت زبیرؓ سے ملاقات کی اور ہر ایک سے خلیفہ
نے کی درخواست کی۔ تینوں نے انکار کیا تو یہ چند آدمی
اپس اپنے گروہ میں پہنچ گئے پھر مفسدین نے فیصلہ کر
یک دم نعرے لگاتے ہوئے مدینہ پہ حملہ کر دیا اور
لدی سے امیرالمومنین حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ
ر لیا۔

تمام مدینہ میں شور بہ پا ہو گیا۔ صحابہ کرامؓ گھروں سے
کل نکل کر امیرالمومنینؓ کے گھر کی طرف چلے گئے۔ حضرت
علیؓ نے آکر مفسدین سے پوچھا کہ تم لوگ واپس جا کر
پھر کیوں حملہ آور ہوئے انہوں نے جواب دیا ہمیں رستے
میں ایک قاصد ملا تھا جو حضرت عثمانؓ کی طرف سے مصر
کے حاکم کے پاس جا رہا تھا کہ جب یہ لوگ مصر پہنچیں تو
ان سب کو قتل کروا دو۔ چنانچہ ہم انتقام لینے کے لئے
آئے ہیں اب ہمیں کوئی روک نہیں سکتا۔ مفسدین نے

حضرت علیؓ سے یہ بھی کہا کہ آپ نے بھی ہمیں خطوط لکھے اس لیئے اب آپ بھی ہمارے ساتھ شریک ہوں۔ حضرت علیؓ نے کہا یہ کیا غلط بات میری طرف منسوب کر رہے میں نے تو کبھی ایسا خط تمہیں نہیں لکھا تھا۔ معلوم ہوتا ہے تم لوگوں نے سازش کو مضبوط کرنے کے لیئے اس قسم کے غلط خط ایک دوسرے کو لکھے ہوں گے۔ پھر حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا۔ "خدا گواہ ہے میں نے ایسا کوئی قاصد مصر کی طرف نہیں بھیجا تھا اور نہ ہی میرے علم میں کوئی ایسی بات ہے۔" مفسدین نے امیرالمومنین سے مطالبہ کیا آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ نے جو عزت مجھے بخشی ہے۔ میں اپنے ہاتھ سے اسے ختم نہیں کر سکتا۔"

جب حضرت عثمانؓ نے خلافت سے دستبردار ہونے سے انکار کیا تو مفسدین نے محاصرے کو بہت سخت کر دیا یہاں تک کہ کھانے پینے کا سامان بھی پہنچانا مشکل ہو گیا۔ بڑے بڑے صحابہ کو بھی حضرت عثمانؓ سے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ صرف ہمسائے کی مدد سے کچھ کھانے پینے کا سامان بڑی مشکل سے پہنچتا تھا۔ اسی محاصرے کے دوران حج کا وقت آ گیا۔ حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کو حاجیوں کا امیر مقرر کر دیا۔ حضرت عثمانؓ ہر چند باغیوں کو نصیحتیں کرتے لیکن ان بے رحم لوگوں پر بالکل کچھ اثر نہ ہوتا۔

شہادتِ عثمانؓ

مفسدین نے سوچا کہ حج کے ختم ہوتے ہی لوگ مدینہ کا رُخ کریں گے اور ہو سکتا ہے امیر المومنین کی حفاظت کے لئے باہر سے کوئی فوج بھی پہنچ جائے اس لئے انہوں نے زیادہ دیر کو مناسب نہ سمجھا اور جلدی سے فیصلہ کر کے حضرت عثمانؓ کے گھر کے دروازہ کو آگ لگا دی اور اُسے توڑ کر اندر داخل ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ کے بیٹے اور چند پڑوسی حضرت عثمانؓ کی مدد کو پہنچے لیکن باغیوں کے سامنے پیش نہ گئی۔ جب معاملہ نازک ہو گیا تو حضرت عثمانؓ نے اپنے مددگاروں کو چلے جانے کا حکم دیا اور خود اللہ کے بھروسے پہ قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔

باغیوں میں سب سے آگے محمد بن ابی بکر تھا۔ اس نے حضرت عثمانؓ سے سخت کلامی کی اور آپ کی ریش مبارک کو پکڑا حضرت عثمان نے کہا " اے بھتیجے! اگر تمہارے والد زندہ ہوتے تو تمہیں بتاتے کہ کیا کر رہے ہو۔" محمد بن ابی بکر پیچھے ہٹ گیا۔ پھر کنانہ بن بشر نے لوہے کی لاٹھی آپ کی پیشانی پر ماری۔ آپ گرنے لگے تو مصر کے باغیوں کے سردار غافقی نے چھرے سے حملہ کیا۔ پھر سودان بن حمران نے تلوار سے وار کیا۔ حضرت عثمانؓ کے خون کے فوارے جاری ہو گئے۔ آپ کی بیوی نائلہؓ آگے بڑھیں اور قاتلوں کو روکنا چاہا لیکن ایک شخص نے تلوار سے ان پر بھی وار کیا جس سے ان کے ہاتھ کی انگلیاں کٹ گئیں ایک دوسرے شخص نے بڑھ کر تلوار ماری اور امیر المومنین

کا سر جدا کر دیا۔ اس کے بعد تمام شہر میں حضرت عثمانؓ کے قتل کا اعلان کر دیا اور حضرت عثمانؓ کا سارا مال لوٹ لیا۔ یہ واقعہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو پیش آیا۔ مدینہ کے ہر گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ حضرت علیؓ نے سُنا تو فوراً ہاتھ اٹھائے اور کہا "اے اللہ میں عثمانؓ کے خون سے بری ہوں" حضرت ابن عباسؓ نے کہا "اگر تمام لوگ عثمان کے قتل میں شریک ہوتے تو آج قوم لوط کی طرح آسمان سے پتھر برستے۔" حضرت عائشہؓ نے کہا "عثمانؓ مظلوم قتل ہوئے۔" حضرت ابو ہریرہؓ اونچی آواز سے روتے پھرتے تھے۔

حضرت عثمانؓ کے فضائل و خصائل

حضرت عثمانؓ قبول اسلام سے پہلے ہی پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ عہد رسالت میں آپ کاتبانِ وحی میں سے تھے۔ آپ تقریر میں مہارت نہیں رکھتے تھے۔ لیکن تحریر کا اسلوب نہایت عمدہ تھا۔ جو کچھ لکھتے یا بولتے نہایت جامع اور مؤثر ہوتا۔

آپ کو قرآن مجید سے بہت شغف تھا۔ چنانچہ آپ حافظ قرآن تھے۔ رسول اللہ صلعم کی صحبت سے براہِ راست علم قرآن سیکھا تھا۔ اس لئے آیات ربانی کا صحیح صحیح مفہوم سمجھنے اور اس سے استنباط احکام کے فن میں خاصی مہارت رکھتے تھے۔ فہم و فراست

میں بھی مانے ہوئے النسان تھے اس لئے عہد رسالتؐ سے لے کر اپنے عہد تک ہر زمانے میں اُن سے تمام معاملات میں مشورہ لیا جاتا اور ان کی رائے کی قدر کی جاتی۔ قرآن سے محبت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے قرآن کی صحیح نقلیں کروا کر بیرونی ممالک میں بھجیں اور اس طرح قرآن کو تحریفات سے محفوظ کر دیا۔ شہادت کے وقت بھی آپ مشغول تلاوتِ قرآن تھے۔

حدیث کی روایت میں آپ بہت زیادہ محتاط رہتے تھے۔ اس کے باوجود کہ آپ کسی بھی بات کو وضاحت کے ساتھ صحیح صحیح بیان کرنے کا ملکہ بھی رکھتے تھے۔ کثرت روایت سے سخت اجتناب کرتے تھے۔ فقہی مسائل کو نہایت عمدگی سے حل کرتے۔ حج کے مسائل میں تو آپ خاص شہرت رکھتے تھے۔ ان مسائل میں تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی آپ سے فیصلہ کر والتے اور فتویٰ ہی لیتے۔ فن جہاد میں حضرت عثمانؓ نے کئی مسائل کا فیصلہ کر کے عام لوگوں کے لئے مستقل طور پر سہولت پیدا کر دی۔ بعض مسائل میں آپ اپنے اجتہاد پر اتنے مطمئن ہوتے کہ دوسرے صحابہؓ کے اختلاف کے باوجود دلیل پیش کرتے اور اپنے فیصلے سے رجوع نہ کرتے۔

علم تقسیم ترکہ (فرائض) میں حضرت عثمانؓ بہت مہارت رکھتے تھے۔ آپ کے علاوہ صرف زید بن ثابتؓ ایک ایسے صحابی تھے جو اس علم کے ماہر تھے۔ یہ دونوں بزرگ اس علم کے امام سمجھے جاتے تھے اور دونوں ہی وراثت کے جھگڑوں کا فیصلہ کیا کرتے تھے

دوسرے صحابہؓ کو تو اندیشہ تھا۔ کہ ان کی وفات کے بعد کہیں یہ علم ختم ہی نہ ہو جائے۔

حضرت عثمانؓ طبعاً نیک اور پارسا انسان تھے۔ قبولِ اسلام سے پہلے بھی آپ نہایت نیک اور راستباز انسان سمجھے جاتے تھے یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکرؓ کے کہنے پر ہی آپ اسلام کی حقانیت سے واقف ہو گئے اور اسلام لے آئے۔ آپ کو خوفِ خدا اس قدر رہتا تھا کہ آپ اکثر روتے رہتے۔ جنازہ اور قبروں کو دیکھ کر بھی آپ آبدیدہ ہو جاتے۔ یہاں تک کہ آپ کی داڑھی تر بتر ہو جاتی۔ خوفِ خدا کی یہ حالت رسول اللہ صلعم سے محبت اور فیضِ یاب کا اثر تھا آپ کو آنحضرت صلعم سے بہت زیادہ محبت تھی۔ اکثر آپ تحائف وغیرہ پیش کرتے رہتے۔ جب جنگ تبوک کی تیاری کے لئے آنحضرت صلعم نے مدد کے لئے فرمایا تو حضرت عثمانؓ نے ایک تہائی فوج کے تمام اخراجات کا ذمہ اپنے اوپر لے لیا اہلبیت سے بھی آپ کو بیحد الفت تھی۔ اپنے عہد میں ازواج مطہرات کے وظائف بڑھا دیئے اور ان کا خاص خیال رکھتے۔ رسول اللہ صلعم سے محبت کا نتیجہ تھا کہ آپ سنتِ رسول پر پورا پورا چلنا بہت پسند کرتے تھے۔ یہاں تک کہ معمولی سے معمولی بات میں بھی اتباعِ سنت کو ترجیح دیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ وضو کرنے کے بعد مسکرائے۔ لوگوں نے پوچھا تو فرمایا میں نے رسول اللہ صلعم کو اسی طرح وضو کرنے کے بعد مسکراتے دیکھا تھا۔

حضرت عثمانؓ ایک متمول گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اس

ناز و نعمت میں پلے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ اچھی غذا کھاتے اور نرم لباس پہننے کے عادی تھے۔ لیکن اس کے باوجود زہد و تقویٰ میں بلند مقام رکھتے تھے۔ حیا کا یہ عالم تھا کہ خود رسول اللہ صلعم اس کے معترف تھے اور ایک مرتبہ فرمایا کہ عثمانؓ کی حیا سے فرشتے بھی شرماتے ہیں۔ آپ مکان کے اندر اور تنہائی میں بھی برہنہ نہیں ہوتے تھے۔ یہ آپ کی انتہائی شرم و حیا کا اثر تھا۔

باوجود اس بات کے کہ گھر میں کئی غلام اور خادم موجود ہوتے حضرت عثمانؓ اپنا کام خود کرنے سے کبھی گریز نہیں کرتے تھے دوسروں کو تکلیف دینے سے ہمیشہ پرہیز کرتے۔ اگر کوئی سخت کلامی سے بھی پیش آتا تو آپ غصہ میں نہیں آتے تھے اور نہایت حلم، بردباری اور حوصلے سے جواب دیتے یا خاموش ہو جاتے۔

فیاضی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اس لئے ایثار کا جذبہ بھی بہت زیادہ تھا۔ آپ سب سے زیادہ دولت مند تھے۔ اس لئے دل کھول کر غرباء کی مدد کرتے۔ مدینہ کا ایک کنواں بیر رومہ خرید کر آپ نے عام لوگوں کے لئے وقف کر دیا اس سے پہلے لوگوں کو سخت تکلیف تھی۔ غزوۂ تبوک میں آپ نے ایک تہائی (تقریباً دس ہزار) فوج کے تمام اخراجات خود برداشت کئے۔ آنحضرت صلعم اس قدر فیاضی پہ بہت خوش تھے۔ اور حضرت عثمانؓ کے دینار خوشی سے ہاتھوں پہ اچھالتے تھے۔ حضرت عثمانؓ ہر جمعہ کے دن ایک غلام خرید کر آزاد کر دیتے تھے۔

عام لوگوں کے علاوہ اپنے عزہ و اقارب سے بھی خاص سلوک

کرتے۔ انہیں گراں قدر رقمیں دیتے اور اپنے عہد خلافت میں انہیں اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا۔ آپ کے چچا حکم بن العاص کو آنحضرت صلعم نے جلا وطن کر دیا تھا۔ لیکن آپ نے رسول اللہ صلعم سے اس کا گناہ معاف کروا دیا اور اپنے عہد میں اسے واپس مدینے بلا کر نوازا اور اس کے بیٹے سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا اور ایک کثیر رقم بھی ساتھ دی۔ عام لوگوں کو بھی رقمیں دے کر پھر واپس نہیں لیتے تھے۔

حضرت علیؓ مرتضیٰ

حضرتِ علیؓ مرتضیٰ

(عہدِ خلافت: ۳۵ھ-۴۰ھ)

نام و نسب آپ کا نام علیؓ تھا۔ کنیت ابو تراب اور ابوالحسن تھی حیدرِ کرّار (حملہ کرنے والا شیر) آپ کا لقب تھا والد کا نام ابوطالب اور والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد تھا۔ آپ آنحضرت صلعم کے چچا زاد بھائی تھے۔ نسب نامہ یہ ہے: علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدِ مناف بن قصی بن کلاب۔ آپ باپ اور ماں دونوں طرف سے ہاشمی تھے۔

قبل از اسلام زندگی حضرت علیؓ کی پیدائش رسول اللہ صلعم کی بعثت سے دس برس پہلے ہوئی آپ کے والد ابوطالب کثیر العیال تھے اور معاشی حالت معمولی درجہ کی تھی۔ حضرت علیؓ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ قحط سالی کی وجہ سے ابوطالب کی معاشی حالت اور کمزور ہو گئی اور حالات پریشان کن ہو گئے۔ آنحضرت رسول اللہ صلعم بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تو آپ کے چچا ابوطالب

نے ہی آپ کی پرورش کی تھی۔ آنحضرت صلعم ہمیشہ اپنے چچا ابوطالب
اور اپنی چچی فاطمہ بنت اسد کی تعریف کیا کرتے تھے کہ انہوں نے
نہایت مہربانی اور شفقت سے مجھے پالا تھا۔ فاطمہ بنت اسد مسلمان
ہوگئی تھیں۔ اور ہجرت کرکے مدینہ چلی گئیں۔ جب ان کا انتقال ہوا
آنحضرت صلعم نے اپنی قمیض مبارک کفن کے لئے دی اور ان کی قبر
میں پہلے خود لیٹے پھر اپنی چچی کو دفن کیا۔ لوگوں نے پوچھا تو فرمایا
کہ " ان کا میں بہت ممنون ہوں کیونکہ انہوں نے مجھے بالکل ماں جیسی محبت
اور شفقت سے پالا تھا۔

آنحضرت صلعم نے جب دیکھا کہ ان کے چچا ابوطالب کی معاشی
حالت کمزور ہے تو اپنے دوسرے چچا حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ
ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیئے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ
کی پرورش اپنے ذمہ لی اور انہیں اپنے گھر لے آئے اور حضرت عباسؓ
نے حضرت علیؓ کے بھائی جعفرؓ کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔

قبولِ اسلام

جب آنحضرت صلعم کو بارگاہِ الہی سے نبوت سے نوازا گیا تو اس وقت حضرت علی دس برس
کے بچے تھے۔ ایک دن حضرت علیؓ نے آنحضرت صلعم اور حضرت خدیجہؓ ۱۵
کو مشغولِ عبادت دیکھا تو آنحضرت صلعم سے دریافت کیا کہ آپ دونوں
یہ کیا کر رہے تھے ؟ آپؐ نے انہیں اپنی نبوت سے آگاہ کیا اور بتایا
کہ میری نبوت کا یہ مقصد ہے کہ میں کفر اور شرک کو مٹا کر
توحید کو بلند کردوں۔ حضرت علیؓ گو فطرتاً نیک دل تھے لیکن اس
نئی اور نا آشنا چیز کو سن کر بولے " میں اپنے والد ابوطالب سے

سے پوچھوں گا۔" آنحضرت صلعم نے فرمایا " ابھی مجھے اعلانیہ تبلیغ کرنے کا حکم نہیں ملا اس لئے خاموش رہو۔ خود سوچو اور دوسروں سے اس کا ذکر مت کرو۔" حضرت علیؓ نے حکم کی تعمیل نہایت فرمانبرداری سے کی اور سارا دن اس معاملے کو سوچتے رہے۔ دوسرے دن ہی آنحضرت صلعم سے کہا کہ مجھے آپ کی نبوت سے پورا اتفاق ہے، لہٰذا میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ کم سن بچوں میں حضرت علیؓ پہلے بچے تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا۔

ابتدائے اسلام میں جب آنحضرت صلعم کو بارگاہِ الٰہی سے اعلانیہ تبلیغ دین کا حکم ملا تو آپ نے سب سے پہلے اپنے خاندان کے لوگوں کو ایک دعوت پر بلایا۔ کم و بیش چالیس حضرات شریک ہوئے۔ طعام کے بعد آنحضور صلعم نے فرمایا کہ "اے بنی مطلب! اللہ کی قسم میں تمہارے سامنے دُنیا اور آخرت کی سب سے بہتر نعمت پیش کرتا ہوں۔ تم میں سے کون ہے جو قبول کرے اور اسلام میں میرا مددگار بن جائے۔"

سب خاموش رہے لیکن حضرت علیؓ جن کی عمر ابھی کوئی پندرہ برس کی تھی، بولے، اگر میں سب سے چھوٹا ہوں اور مجھے آشوب چشم کی بیماری ہے اور میری ٹانگیں بھی دبلی ہیں۔ لیکن میں ہر حالت میں آپ کا مددگار ہوں۔"

آنحضرت صلعم نے تین بار۔ لوگوں سے پوچھا لیکن ہر بار حضرت علیؓ ہی اُٹھے اور یہی الفاظ کہے۔ پھر آنحضور صلعم نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔ "بیٹھ جاؤ۔ تم تو میرے بھائی اور وارث ہو۔"

ہجرتِ مدینہ کے وقت جب آنحضور صلعم کو قتل کرنے کا منصوبہ
اور جس رات کفارِ مکہ نے آنحضور صلعم کے گھر کا محاصرہ کرنا تھا۔ آپ نے
وحی الٰہی سے خبر پاکر حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سُلا دیا اور خود حضرت
ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ اسی رات مکہ سے مدینہ کے لئے روانہ ہو
لیکن اگلی صبح کو جب اُن کے ارادے ناکام ہو گئے اور ان کی توقع
خلاف آنحضور صلعم کی بجائے حضرت علیؓ اس کاشانۂ مبارک سے
باہر نکلے تو کفار اپنی عقل اور تدبیروں پہ افسوس کرنے لگے اور حضرت
علیؓ سے انھوں نے بالکل کچھ نہ کہا کیونکہ ان سے اُن کا کوئی جھگڑا
تھا بہر حال زبردست خطرہ کی حالت میں حضرت علیؓ کا اپنے آپ کو قربا
کے لئے پیش کرنا اور پورے اطمینان سے رات گزارنا ایک عظیم کا
اور رسول اللہ صلعم سے انتہائی محبت کا ثبوت تھا۔

آنحضرت صلعم کے مکہ سے چلے جانے کے دو تین دن بعد حضرت
بھی مدینہ پہنچ گئے اور مواخات کے سلسلے میں آپ آنحضرت صلعم کے بھا
بنے۔ تمام غزوات میں آپ شریک ہوئے اور دادِ شجاعت حاصل کی
غزوۂ بدر میں سب سے پہلے جو تین حضرات مسلمانوں کی طرف سے
میدان میں اُترے اُن میں حضرت علیؓ بھی تھے اور اپنے حریف ولید کو
پہلے ہی وار میں ٹکڑے کر دیا۔ پھر بڑھکر حضرت جلیدہؓ کے حریف
شیبہ پہ حملہ کیا اور اسے بھی قتل کر دیا۔

حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے شادی

۲ سنہ ھ میں آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ
نے خواہش ظاہر کی کہ ان کے ساتھ حضرت فاطمہؓ کا نکاح کر دیں

ں سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی اسی سلسلے میں اپنی
ہشات ظاہر کر چکے تھے لیکن ان کے معاملے میں آنحضرت صلعم خاموش
ہے۔ جب حضرت علیؓ نے عرض کیا تو آنحضور صلعم نے پہلے اندر جاکر
رت فاطمہؓ سے ذکر کیا اور اُن کی رضا مانگی۔ آپ خاموش رہیں۔ آنحضور
عم نے دوبارہ پوچھا اور دوبارہ سکوت کو رضا سمجھ کر باہر تشریف لائے
حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لئے
ہے؟ حضرت علیؓ بولے میرے پاس سوائے ایک گھوڑے اور
ک زرہ کے کچھ نہیں ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا زرہ کو بیچ دو۔ حضرت
ؓ نے زرہ حضرت عثمانؓ کے پاس فروخت کر دی اور قیمت لاکر پیش
۔ بازار سے خوشبو منگوائی گئی اور پھر آنحضور صلعم نے خود نکاح پڑھا
ور میاں بیوی کے لئے دعائے خیر کی۔ نکاح کے تقریباً ایک سال بعد
ضرت فاطمۃ الزہراؓ کی رخصتی ہوئی۔ اس سے پہلے حضرت علیؓ وہیں آنحضور
صلعم کے پاس رہا کرتے تھے۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا جہیز ان چیزوں پر
مشتمل تھا: ایک چارپائی، ایک بستر، ایک چادر، دو چکیاں اور ایک
چھوٹی مشکیزہ۔ حضرت علیؓ نے رخصتی کے بعد اس رقم سے جو مہر ادا
کرنے کے بعد بچ رہی تھی دعوتِ ولیمہ کی۔ حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ
اس زمانہ میں یہ سب سے بہتر ولیمہ تھا۔

فتح خیبر

خیبر وہ مقام تھا جس میں مدینہ کے یہودی جلاوطن ہو کر
جا بسے تھے۔ یہ مقام مدینہ سے تقریباً دو سو میل شمال
کی طرف واقع تھا۔ یہودیوں نے وہاں بڑے مضبوط قلعے تعمیر کر رکھے
تھے اور مسلمانوں کے خلاف آئے دن سازشیں تیار کرتے رہتے۔ بکنہ

میں سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کی سرکردگی میں اسلامی دستہ اس کی تسخیر
کے لیئے گیا لیکن ناکام واپس آیا۔ پھر حضرت عمرؓ گئے لیکن وہ بھی کامیاب
نہ ہوئے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کو بھیجا گیا اور آنحضور صلعم
روانہ کرنے سے پہلے بشارت دی کہ فتح اُن کے ہاتھ پر ہوگی۔ حضرت
علیؓ گئے اور اپنی خاص حسن تدبیر سے یہ قلعہ مسخر کیا۔

خلافت تک دیگر حالات

حضرت علیؓ تمام غزوات اور دوسرے اہم واقعات میں شریک رہے لیکن غزوۂ تبوک میں آپ شامل نہ ہو سکے۔ آپ کو اہل بیت کی حفاظت کے لئے پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا۔ اسی سال ۹ھ میں جب حضرت ابوبکرؓ امیر حج بنا کر مکہ بھیجے گئے تو حضرت علیؓ بھی ساتھ تھے۔ آنحضور صلعم کے حکم کے مطابق حضرت علیؓ نے سورۂ برأت میں لوگوں کو پڑھ کر سنائی اور خانہ کعبہ کا احترام اور آداب انہیں سمجھائے۔

خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکرؓ کی بیعت ہوئی تو حضرت علیؓ چھ ماہ تک بیعت نہ کر سکے وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلعم کی وفات سے حضرت فاطمہؓ کو سخت صدمہ پہنچا تھا اور دن رات اسی غم میں روتی رہتیں۔ حضرت علیؓ بھی بہت پریشان تھے اور ہر وقت انہی کی خدمت میں حاضر رہتے اور دلجوئی کرتے رہتے۔ جب حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہوا تو آپ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں حضرت علیؓ مجلس شوریٰ کے اعلیٰ رکن تھے۔ حضرت عمرؓ تمام امور میں حضرت علیؓ سے مشورہ لیتے تھے اور آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے مراسم حضرت

لیؓ سے اس قدر زیادہ ہو گئے کہ حضرت علیؓ کی صاحبزادی اُم کلثوم
نکاح حضرت عمرؓ کے ساتھ ہو گیا۔
حضرت عثمان کے عہدِ خلافت میں بھی حضرت علیؓ کے مشورے
ند مرتبہ رکھتے تھے۔ آپ حضرت عثمانؓ کو ہمیشہ کہتے رہتے کہ آپ
بت زیادہ نرمی سے کام لیتے ہیں اس لئے آپ کے عمّال اور حکام
بے اعتدالیوں پر اتر آتے ہیں اور یہی وجہ شورش اور فتنہ کے باعث
ی ہے حضرت عثمان کی شہادت کے وقت باغیوں کو آپ نے ہر چند
بھایا کہ اپنی حرکت سے باز آجاؤ لیکن وہ باز نہ آئے۔ حضرت علیؓ نے
پنے دونوں صاحبزادوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو حضرت عثمانؓ
ی حفاظت کے لئے مقرر کیا۔ گو وہ باغیوں کو روک نہ سکے کیونکہ ان
ی تعداد بہت زیادہ تھی۔ بہر حال انہوں نے اپنے والد کا حکم سر آنکھوں
پر رکھا اور حفاظت کی پوری کوشش کرتے رہے اور اسی دوران
یں کچھ زخم بھی کھائے۔

بیعتِ خلافت

حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تو تین روز تک
لوگ حضرت علیؓ کو خلیفہ بننے پر مجبور کرتے
رہے۔ حضرتِ عثمانؓ کی شہادت سے حضرت علیؓ کو بہت قلق تھا۔
آخر تیسرے روز جب بہت اصرار ہوا تو آپ نے منظور کر لیا اور
لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یہ ۲۱ ذی الحجہ ۳۵ھ کو
دوشنبہ (پیر) کا دن تھا۔ حضرت علیؓ بیعت لینے کے بعد منبر پر
کھڑے ہوئے اور ایک فصیح خطبہ دیا۔ لوگوں کو فتنہ و فساد سے
بچنے اور اس کو روکنے کی ہدایت فرمائی۔ تقویٰ اور پرہیزگاری سے

زندگی بسر کرنے کی نصیحت کی۔

قاتلوں کی تفتیش

حضرت علیؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد سب سے پہلے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کی تفتیش کی کوشش شروع کی۔ لیکن اس میں بڑی دقت پیش آئی کیونکہ شہادت کے وقت حضرت عثمانؓ کی بیوی حضرت نائلہ ہی موجود تھیں اور وہ پردہ دار عورت ہونے کی وجہ سے سوائے محمد بن ابی بکر کے اور کسی کو پہچان نہیں سکتی تھیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکر کو گرفتار کر کے قاتلوں کے متعلق دریافت کیا۔ محمد بن ابی بکر نے قسم کھائی کہ میں قتل کے ارادہ سے گھر میں داخل ضرور ہوا تھا لیکن حضرت عثمانؓ نے جب ایک جملہ بول کر مجھے غیرت دلائی تو میں فوراً ہٹ گیا۔ جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا ان کو میں خود بھی نہیں جانتا تھا۔ حضرت نائلہ نے کہا کہ ہاں محمد بن ابی بکر نے بالکل صحیح بیان دیا ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکر کو چھوڑ دیا اور وقتی طور پر تفتیش بند کر دی۔ کیونکہ فتنہ و فساد پیدا کرنے والے لوگ ابھی تک مشتعل تھے اور جب تک حضرت علیؓ خلافت سنبھال کر ان لوگوں پر قابو نہ پا لیتے۔ قاتلوں کی مزید تفتیش ناممکن تھی اور نہ ہی ایسے حالات میں قانونی نقطۂ نظر سے کسی کو بلا تصدیق سزا دی جا سکتی تھی۔

حکام کی معزولی

حضرت علیؓ عہدِ عثمانی میں ہی یہ سمجھتے تھے کہ فتنہ و فساد کی اصل جڑ وہ بہت سے حکام ہیں جو اموی خاندان سے تعلق رکھتے تھے لیکن حضرت عثمانؓ نے اپنے بھروسے اور اعتماد کے لئے ایسا کیا ہوا تھا۔ بہرحال

حضرت علیؓ نے خلیفہ بنتے ہی تمام حکام اور عمال کی معزولی کے حکمنامے تحریر کر ڈالے۔ بعض مدبرین مثلاً عبداللہ بن عباسؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ نے انہیں ایسا کرنے سے روکنا چاہا لیکن حضرت علیؓ اس بات کا اٹل فیصلہ کر چکے تھے۔ اس لئے عثمان بن حنیف کو بصرہ کا۔ عبداللہ بن عباسؓ کو یمن کا، عمارہ بن شہاب کو کوفہ کا سہیل بن حنیف کو شام کا اور قیس بن عبادہ کو مصر کا حاکم مقرر کر کے روانہ کیا۔

بہتر تو یہ تھا کہ پہلے حضرت علیؓ سب حکام سے اپنی خلافت کی بیعت لے لیتے اور اس کے بعد جس کو چاہتے معزول کر دیتے۔ کیونکہ بیعت لے لینے سے یہ بات لازم ہو جاتی کہ سب لوگ اور حکام حضرت علیؓ کو خلیفہ تسلیم کر چکے ہیں۔ اس کے بعد خلیفہ کو یہ حق حاصل ہے کہ جسے چاہے رکھے جسے چاہے۔ معزول کر دے ....

لیکن فوری طور پہ معزولی کے حکمنامے جاری کرنے سے حکام نے اپنی بے عزتی سمجھی اور بیعت سے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ سہیل بن حنیف جب تبوک کے مقام پہ پہنچے تو انہیں ایک شامی دستہ ملا، جس نے ان سے پوچھا کہ آپ کیسے آئے ہیں؟ سہیل بن حنیف نے کہا کہ میں خلیفہ کی طرف سے شام کا حاکم مقرر ہو کر بھیجا گیا ہوں شامی سپاہیوں نے کہا اگر آپ حضرت عثمانؓ کی طرف سے حاکم مقرر ہو کر آئے ہیں تو تشریف لائیے ورنہ واپس چلے جائیں چنانچہ سہیل بن حنیف کو واپس آنا پڑا۔ قیس بن سعد رضؓ جب مصر گئے تو کچھ لوگ ان کے موافق ہو گئے، کچھ مخالفت پہ اتر آئے اور کچھ کہنے لگے کہ اگر حضرت علیؓ نے قاتلوں سے قصاص (بدلہ) لیا تو ہم خلافت

تسلیم کریں گے ورنہ ہم بھی خلاف ہیں۔ اسی طرح عثمان بن حنیف جب
بصرہ پہنچے تو اس وقت وہاں کے حاکم عبداللہ بن عامر حج کے لئے
مکہ آئے تھے۔ چنانچہ وہاں بھی تین قسم کی جماعتیں بن گئیں۔ کوفہ سے کچھ
کچھ لوگ طلحہ بن خویلد اسدی کے ہمراہ قاتلوں سے قصاص لینے روانہ
ہو چکے تھے۔ راستہ میں عمارہ بن شہاب نئے حاکم جاتے ہوئے ملے۔
طلحہ بن خویلد نے کہا آپ واپس جائیں ورنہ ہم تمہیں بھی قتل کر دیں گے
الغرض اکثر جگہوں پر انکار اور نافرمانی سے ہی واسطہ پڑا۔

قصاص کا مطالبہ اور شورش حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کو لکھا کہ مدینہ کے لوگوں نے میرے ہاتھ
پر بیعت کر لی ہے۔ لہٰذا تم بھی بیعت کرو ورنہ دوسری صورت جنگ
ہو گی۔ امیر معاویہؓ نے پہلے خاموشی اختیار کی پھر کچھ دنوں بعد اپنے قاصد
کے ہاتھ جواب میں ایک خط حضرت علیؓ کے نام بھیجا جس میں سوائے بسم اللہ
الرحمٰن الرحیم، اور حضرت علیؓ کے نام کے کچھ نہیں لکھا تھا قاصد جب مدینہ
پہنچا تو اس نے بتایا کہ تمام شامی سخت نالاں ہیں اور جب تک حضرت
عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص نہیں لیں گے تو چین سے نہیں بیٹھیں گے
اور حضرت علیؓ کے بھی سخت مخالف ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے قاتلوں
سے بدلہ لینے کا بندوبست نہیں کیا اور قاتلوں کی جماعت کو اپنے لشکر
میں شامل کر رکھا ہے۔

دوسری طرف مکہ سے یہ خبر پہنچی کہ حضرت عائشہؓ نے جو اس
وقت حج کے سلسلے میں مکہ گئی ہوئی تھیں، حرم کعبہ میں پرجوش تقریر کر
کے لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص لینے کے لئے ابھارا

ہے اور اس سلسلے میں حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ، عامل مکہ عبداللہ بن حضرمی اور بصرہ سے آئے ہوئے یعلیٰ بن منبہ بھی حضرت عائشہؓ سے ہم خیال ہو کر ساتھ مل گئے۔ چنانچہ مکہ سے ایک بڑی جماعت حضرت عائشہ کے ساتھ بصرہ روانہ ہوئی اور بصرہ کے قریب جا کر ٹھہر گئی۔ کیونکہ حضرت علیؓ کے مقرر کردہ حاکم بصرہ عثمان بن حنیف نے چند آدمی بھیجے تاکہ وہ اس جماعت کے آنے کا مقصد پوچھیں۔ جواب ملا کہ ہم سب حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا قصاص لینا چاہتے ہیں۔ اور اس غرض سے بصرہ کو مرکز بنانا چاہتے ہیں۔ عثمان بن حنیف نے چاہا کہ انہیں روک رکھیں تاکہ حضرت علیؓ کی طرف سے ہی تمام کام سرانجام پائیں۔ دوسرے حکیم بن جبلہ نے جو ایک شرارتی شخص تھا۔ اور عبداللہ سبا کا ساتھی اور اس جماعت کا زبردست حامی تھا۔ شرارتیں شروع کیں اور جنگ وجدل تک نوبت لانے کی پوری کوشش کی۔ لیکن حضرت عائشہ کی تقاریر اور اثر و رسوخ سے بصرہ کے بیشتر لوگ ان کے ساتھ مل گئے اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ صرف بنو سعد ہی ایسے تھے جو حضرت علیؓ کے ہم خیال ہونے کی وجہ سے علیحدہ رہے۔ آخر حضرت عائشہ کی جماعت کے ساتھ عثمان بن حنیف کی جھڑپ ہوئی۔ عثمان بن حنیف گرفتار ہوا۔ لیکن حضرت عائشہ کے حکم سے رہا کر دیا گیا۔ پھر بصرہ کے لوگوں میں سے حضرت عثمان کے قاتلوں کی جماعت کے جن آدمیوں کا ثبوت ملا قتل کروا دیئے گئے

ادھر مدینہ میں جب حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ اور دوسرے لوگ مکہ سے بصرہ روانہ ہو رہے ہیں۔ تو انہوں نے جلدی سے بصرہ پہنچنے کی تیاری شروع کر دی تاکہ بصرہ کے بیت المال پر جو سب

سے زیادہ بڑا اور مال و دولت سے بھرا تھا قبضہ کر لیا جائے دلیسے بھی حضرت علیؓ کو بصرہ کے لوگوں پر اعتماد تھا کہ وہ پند و نصیحت سے وفاداری کا حلف اٹھالیں گے۔ مدینہ کے اکابرین نے جن میں حضرت عقبہؓ بن عامر بھی تھے۔ حضرت علیؓ کو بہت سمجھایا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے مدینہ میں ہی بیٹھ کر تمام علاقے فتح کئے تھے اس لئے مناسب نہیں کہ دارالحکومت کو چھوڑ کر آپ باہر چلے جائیں لیکن حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میرا وہاں جانا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ اگر مخالفین وہاں قابض ہو گئے تو پھر ہمیں بہت مشکل پیش آئے گی چنانچہ چند اصحابؓ کے علاوہ سب لوگ آپ کے ہمراہ ہوئے۔ بصرہ کے قریب مقام ذی قار پہنچے تو معلوم ہوا کہ مکہ کی جماعت پہلے ہی وہاں پہنچ چکی ہے۔ اور بہت سے لوگوں نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے ہاتھوں پر بیعت بھی کر لی ہے۔ چنانچہ یہ سب لوگ یہیں رک گئے۔

ذی قار سے حضرت علیؓ نے اپنے بڑے صاحبزادے حضرت امام حسنؓ کو چند آدمیوں کے ساتھ کوفہ روانہ کیا تاکہ وہاں جا کر اہل کوفہ کو حضرت علیؓ کی بیعت پر آمادہ کریں۔ جب لوگ کوفہ آئے تو وہاں حضرت عبداللہ بن قیسؓ (حضرت ابوموسی اشعریؓ) کوفہ کی بڑی مسجد میں لوگوں کو خطاب کر رہے تھے کہ یہی وہ وقت ہے جس کا آنحضرت رسول اللہ صلعم نے پتہ دیا تھا کہ فتنہ برپا ہوگا۔ اس لئے میرا مشورہ ہے کہ تم سب لوگ کسی بھی کام میں شرکت مت کرو اور ہتھیار پھینک دو اور گوشہ نشین ہو

جاؤ۔ حضرت امام حسنؓ نے سخت الفاظ سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی مخالفت کی اور لوگوں کو پُرجوش تقریر کے ذریعے حضرت علیؓ کی بیعت پہ ابھارا۔ کوفہ کے ایک باا‌ثر بزرگ حضرت حجر بن عدیؓ نے بھی حضرت امام حسنؓ کی پرزور تائید کی اور خود سب سے پہلے بیعت کے لئے تیار ہوئے۔ چنانچہ ان دو تقاریر کا یہ اثر ہوا کہ تقریباً دس ہزار لوگ حضرت علیؓ کی بیعت کے لئے آمادہ ہو گئے اور حضرت امام حسنؓ کے ساتھ ذی قار پہنچ کر بیعت کر لی۔

حضرت علیؓ اہل کوفہ کو ساتھ لے کر بصرہ کی طرف روانہ ہوئے بصرہ میں اس وقت تین جماعتیں تھیں۔ غیر جانب دار خاموش جماعت نے ہر چند کوشش کی یہ خانہ جنگی رک جائے اور اختلافات ختم کر کے باہم صلح ہو جائے۔ چنانچہ اس جماعت نے سر توڑ کوشش کی ادھر حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت علیؓ بھی یہی چاہتے تھے کہ جنگ نہ ہو اور صلح ہو جائے اس لئے صلح کی صورت نظر آنے لگی۔ لیکن دونوں طرف سبائی (عبداللہ بن سبا) جماعت کے کچھ ایسے لوگ شامل تھے جو اندر ہی اندر شرارت اور لڑائی کا سامان پیدا کر رہے تھے۔ کیونکہ اگر مصالحت ہو جاتی تو سبائی جماعت کو سخت نقصان پہنچتا تھا۔

جنگِ جمل

حضرت علیؓ بصرہ کے قریب پہنچ کر فروکش ہوئے اور وہاں سے قعقاع بن عمرو کو آگے ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ کے پاس بھیجا کہ معلوم کریں کہ ان کا کیا مقصد ہے۔

حضرت عائشہ رضہ نے فرمایا ہم صلح چاہتے ہیں اور اس کی صورت یہ ہے کہ قاتلوں سے قصاص لیا جائے۔ قعقاع نے ایک لمبی چوڑی تقریر کر کے حضرت عائشہ اور ان کی فوج کو سمجھایا کہ پہلے امن قائم کیا جائے پھر قصاص آسانی سے لیا جائے گا۔ قعقاع کی تقریر نے سب پر بڑا اثر کیا۔ حضرت عائشہ اور سب لوگ تیار ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے جب سُنا تو بہت خوش ہوئے اور دوسرے ہی دن بصرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن بصرہ کے پاس پہنچے تو رات آ گئی۔ اس لئے ٹھہر گئے۔

سبائی جماعت کے آدمیوں نے موقع دیکھا کہ دونوں فریق آمنے سامنے ہیں۔ اس لئے انہوں نے رات کے اندھیرے میں اٹھ کر حضرت عائشہ رضہ کی فوج پر حملہ کر دیا۔ رات کو اچانک حملہ ہو جانے سے اور دوسرے صلح و صفائی کی بات چیت ہو جانے کے بعد ایسی صورت پیدا ہو جانے پر حضرت عائشہ رضہ کی فوج کے آدمی بہت گھبرائے اور دھوکہ سمجھ کر سب جوابی حملہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ادھر حضرت علیؓ سخت پریشان ہوئے اور پوچھا کہ کیا معاملہ ہے۔ سبائی لوگوں نے جواب دیا کہ اہل بصرہ نے حملہ کر دیا ہے۔ غرض دونوں طرف غلط فہمی ایسی پھیلا دی کہ جنگ کے سوا کوئی صورت باقی نہ رہی۔ چنانچہ دونوں فریق آمنے سامنے آ گئے اور عام جنگ شروع ہو گئی۔ حضرت عائشہ رضہ آہنی ہودج میں اونٹ پر سوار تھیں۔ اور ان کی فوج اس اونٹ کو گھیرا ڈالے ہوئے تھی۔ اسی نسبت سے اس کا نام جنگ جمل (اونٹ والی لڑائی) مشہور ہوا۔

حضرت علیؓ بڑھ کر آگے گئے اور حضرت زبیر رضہ کو پکار کر فرمایا

اے ابو عبداللہ! تمہیں وہ دن یاد ہے جب آنحضرت صلعم نے تم سے فرمایا تھا "کہ تم علیؓ کو دوست سمجھتے ہو؟" اور تم نے جواب دیا تھا کہ ہاں " تمہیں یاد ہے کہ تم کو رسول اللہ صلعم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ایک دن تم ناحق علیؓ سے لڑو گے ۔" حضرت زبیرؓ کہنے لگے " بیشک مجھے یاد آگیا ۔" پھر حضرت زبیرؓ نے اپنے صاحبزادے سے واقعہ کہہ سنایا لیکن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جو پیادہ فوج کے سردار تھے ۔ جنگ چھوڑنے سے انکار کر دیا ۔ حضرت زبیرؓ خود ہی میدانِ جنگ سے نکل کر ایک طرف چل دیئے ۔ حضرت طلحہؓ بھی یہ دیکھکر چلنے لگے ۔ لیکن مروان بن حکم نے زہر میں ڈوبا ہوا تیر پیچھے سے مارا اور انہیں وہیں ختم کر دیا باقی لوگ بڑے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے ۔ حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے گرد جاں نثار کٹ کٹ کر گر رہے تھے ۔ حضرت علیؓ نے دیکھا کہ جب تک حضرت عائشہؓ کا اونٹ سلامت ہے جنگ بند نہیں ہو سکتی ۔ چنانچہ انہوں نے ایک شخص کو بھیجا کہ اونٹ کو گرا دیا جائے ۔ چنانچہ ایک شخص نے جاکر اونٹ کے پاؤں پر تلوار ماری اور وہ نیچے بیٹھ گیا ۔ اونٹ کا بیٹھنا تھا کہ حضرت عائشہؓ کی فوج نے ہمت ہار دی اور لڑائی بند ہو گئی ۔ حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو بھیجا کہ ان کی حفاظت کریں اور اعلان کروا دیا کہ مال غنیمت نہ لوٹا جائے جو بھاگ جائے اس کا تعاقب نہ کریں اور لوگوں پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے اور زخمیوں پر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں ۔

پھر حضرت علیؓ خود حضرت عائشہؓ کے پاس آئے ۔ احوال

پلو چھے اور نہایت احترام کے ساتھ انہیں ساتھ لے کر بصرہ پہنچے۔ چند دن قیام کیا پھر محمد بن ابی بکر کے ہمراہ حضرت عائشہ رضؓ کو مدینہ روانہ کرتے وقت بصرہ کی چالیس معزز خواتین کو بھی محافظت کی خاطر ساتھ بھیجا اور خود بھی کچھ فاصلے تک ساتھ گئے۔ رخصت ہونے سے پہلے حضرت عائشہ نے فرمایا "مجھ میں اور علیؓ میں کوئی سابقہ جھگڑا نہیں تھا معمولی تکرار گھروں میں ہوا ہی کرتے ہیں۔ یہ سب جھگڑا صرف غلط فہمی کا نتیجہ تھا میں اب بھی علیؓ کو بہترین انسان سمجھتی ہوں۔" حضرت علیؓ نے بھی فرمایا ام المومنین نے بالکل سچ فرمایا ہے۔ ان کا رتبہ اور عزت بہت زیادہ ہے۔ اور مجھے ان کا پورا پورا احترام ہے جس طرح یہ دنیا میں رسول اللہ کی بیوی تھیں اسی طرح آخرت میں بھی ہوں گی۔" رخصتی کے وقت حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ بھی ساتھ تھے۔ پھر باپ کے ساتھ ہی واپس بصرہ لوٹ آئے۔ اس جنگ میں طرفین کے دس ہزار مسلمان کام آئے۔

تبدیلی دارالخلافہ

امن ہو جانے پر حضرت علیؓ نے اہل بصرہ سے بیعت لی اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو وہاں کا والی مقرر کر دیا اور خراج کی تحصیل کے لئے زیاد بن ابی سفیان مقرر کئے گئے پھر حضرت علیؓ چند روز کے بعد کوفہ گئے اور ۱۲ رجب ۳۶ھ ( ) وہاں پہنچ کر محلات میں رہنے کی بجائے میدان میں قیام فرمایا۔ پھر جمعہ کے دن پہ اٹھ خطبہ دیا اور لوگوں کو وفاداری کی نصیحت فرمائی۔ اس کے بعد وہاں ہی مستقل طور پہ رہنے کی خواہش ظاہر کر کے مدینہ کی بجائے کوفہ کو صدر مقام بنا دیا۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت

سے مدینہ (حرم نبوی) کی جو توہین ہوئی تھی اُس کا حضرت علیؓ کے دل پر بہت صدمہ تھا۔ اس لئے انہوں نے مدینہ کو علمی اور مذہبی مرکز ہی رہنے دیا۔ اور سیاسی مرکز (صدر مقام) علیحدہ بنا لیا۔

جنگِ صفین

حضرت علیؓ نے واقعۂ جمل سے فارغ ہو کر اور عراق پر قبضہ کرنے کے بعد امیر معاویہؓ کو ایک خط جریر بن عبداللہ کے ہاتھ بھیجا جس میں لکھا کہ مہاجرین و انصار نے مل کر مجھے خلیفہ منتخب کیا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تم اور تمہارے ماتحت بھی میری بیعت کریں جو انکار کرے گا اُسے قوت سے زیر کیا جائے گا۔ تم اطاعت قبول کر کے قاتلوں کے قصاص کا مقدمہ میرے سامنے پیش کرو۔ میں کتاب اللہ اور سُنّت رسولؐ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ امیر معاویہؓ بیس بائیس برس سے شام پر حکمران چلے آ رہے تھے اس لئے وہاں خاصا اثر قائم کر چکے تھے۔ سب شامی ان کے حامی تھے۔ لوگوں کو حضرت عثمانؓ کی شہادت کا جوش دے دے کر ابھار رکھا تھا۔ حضرت عمرو بن عاصؓ کو مصر کی حکومت دینے کا عہد دے کر اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ تمام اموی حکام جنہیں حضرت علیؓ نے معزول کر دیا تھا وہ شام پہنچ کر امیر معاویہؓ کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ مختصر یہ کہ امیر معاویہؓ نے خاصی جمعیت پکڑ رکھی تھی چنانچہ حضرت علیؓ کی بیعت کرنے سے صاف انکار کر دیا اور اپنا قاصد ابو مسلم حضرت علیؓ کے پاس بھیجا۔ قاصد نے آ کر دیکھا کہ ہزار ہا آدمی یک زبان کہہ رہے ہیں کہ ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں۔" حضرت علیؓ نے قاصد سے فرمایا" دیکھ لو کہ مجھے ان لوگوں پر کتنا اختیار

ہے جن سے امیر معاویہ رضؓ بدلہ لینا چاہتے ہیں " چنانچہ قاصد واپس شام چلا گیا۔

حضرت علیؓ نے پھر ایک خط امیر معاویہ رضؓ کو لکھا اور ایک خط علیحدہ حضرت عمرو بن عاصؓ کو بھیجا کہ حضرت عثمان رضؓ کے قتل میں کا کچھ اختیار نہیں تھا۔ اس لئے حالات کی نزاکت کو مدِ نظر رکھکر ان کی بیعت کر لیں ورنہ یہ حذ مسلمانوں کے لئے کشت و خون کا باعث ہو گی۔ لیکن اس بار بھی مصالحت ناکام رہی۔ آخر حضرت علیؓ جنگ لئے مجبور ہو گئے " اور تقریباً اسی ہزار کا فوجی دستہ لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے۔ دریائے فرات پار کر کے ملک شام میں داخل ہوئے۔ تو شامی دستے سے ایک جھڑپ ہوئی۔ اسی دوران حضرت علیؓ کی فوج (علوی فوج) کو مزید کمک پہنچ گئی۔ یہ دیکھکر شامی دستے کے امیر نے اپنی فوج کو پیچھے ہٹا لیا اور امیر معاویہ رضؓ کو اطلاع دی۔ شامی فوجوں نے صفین کے میدان پہ قبضہ جما کر دریا سے پانی لینے کے تمام رستے روک دیئے۔ علوی فوج صفین پہنچی تو پانی نہ ملنے کی تکلیف ہوئی۔ حضرت علیؓ نے زبردست حملہ کیا اور شامی کو منہ کی کھا کر دریا سے پیچھے ہٹنا پڑا۔ لیکن حضرت علی رضؓ کی ضمیر اقدس نے گوارا نہ کیا کہ دشمن بھی پیاسے رہیں۔ اور انہیں دریا سے پانی کی اجازت دے دی چنانچہ باہمی آمد و رفت سے مصالحت کے آثار دکھائی دینے لگے۔ حضرت علیؓ نے آخری بار پھر اپنا قاصد امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا۔ لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ بنی دونوں فوجیں تین ماہ تک میدان میں پڑی رہیں اور طرفین سے

فل حضرات مصالحت کی کوشش کرتے رہے لیکن نتیجہ صفر رہا۔
آخر تین ماہ بعد جمادی الآخر کے شروع میں دونوں فوجیں نبرد آزما ہیں۔ اور تقریباً ایک ماہ جنگ وجدل میں گزر گیا۔ ہر روز تھوڑا تھوڑا وقت صبح و شام لڑائی ہوتی۔ پھر فوجیں اپنے اپنے خیموں میں واپس چلی جاتیں۔ رجب کا مہینہ شروع ہوتے ہی لڑائی رک گئی۔ اور اخیر محرم ۳۷ھ تک کوئی جنگ نہ ہوئی۔ اسی دوران میں مصالحت کی بہت کوشش ہوئی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ صفر کے شروع سے پھر لڑائی شروع ہوگئی۔ اس مرتبہ حضرت علیؓ نے بڑے جوش و خروش سے حملہ کیا تھا۔ شامیوں کو پاؤں اکھڑتے نظر آئے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ حضرت علیؓ کے مقابلے کے لئے نکلے۔ حضرت علیؓ نے انہیں سخت زخمی کر دیا جب امیر معاویہؓ کو شکست دکھائی دینے لگی۔ تو مصالحت کی درخواست کی لیکن اب حضرت علیؓ نے انکار کر دیا۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے ایک چال چلی اور اپنی فوج کے آگے کچھ آدمیوں کو قرآن مجید کے چند نسخے نیزوں پر لٹکا کر روانہ کیا۔ حضرت علیؓ سمجھ گئے کہ یہ دھوکہ ہے اسلئے اپنی فوج کو سمجھایا کہ لڑتے رہو۔ یہ محض چال ہے لیکن علوی فوج کے کچھ لوگوں نے کہا کہ قرآن درمیان میں آگیا ہے اس لئے اب ہم نہیں لڑ سکتے۔ چنانچہ جنگ بند ہوگئی اور طرفین کے علماء نے فیصلہ دیا کہ جنگ اور تنازعات کا فیصلہ صرف دو آدمی کریں گے جو دونوں طرف سے لیے جائیں۔ شامیوں کی طرف سے حضرت عمرو بن عاصؓ ثالث مقرر ہوئے اور حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعری مقرر ہوئے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کوفہ سے نکل کر شام کے ایک

گاؤں میں گوشہ نشین ہو چکے تھے چنانچہ وہاں سے بلائے گئے اسطرح اس ہولناک جنگ کا خاتمہ ہو گیا جس میں تقریباً نوے ہزار مسلمان مارے گئے عہد رسالت سے لے کر اب تک سارے مقتولین مسلمان بھی اس جنگ کے مقتولین سے کم تھے۔

ثالثوں کا تقرر اور نتیجہ

جب دو ثالثوں کا تقرر ہو گیا، تو انہوں نے فریقین سے مندرجہ عہد نامہ لکھوالیا۔

۱۔ علیؓ اور معاویہؓ اور ان دونوں کے حمایتی باہم رضامندی یہ عہد کرتے ہیں کہ جو فیصلہ ابو موسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن عاص دیں گے، انہیں منظور ہو گا۔

۲۔ فیصلہ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے مطابق ہو گا۔

۳۔ اگر فیصلہ قرآن و سنت کے مطابق نہ ہو تو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اور فریقین کو حق ہو گا کہ جنگ کے ذریعہ فیصلہ کریں۔

۴۔ ثالثوں کی جان اور مال محفوظ رہیں گے۔

۵۔ فیصلہ ماہ رمضان تک سنا دیا جائے گا۔ لیکن اگر ضرورت ہوئی تو کچھ تاخیر ہو سکے گی۔

۶۔ فیصلہ تک لڑائی قطعاً بند رہے گی۔

۷۔ شہادت کے لئے جس شخص کی ضرورت ہو گی طلب کیا جا سکے گا اور شہادت تحریر کی جائے گی۔

۸۔ فیصلہ شام اور عراق کے درمیانی علاقہ میں ہو گا۔

۹۔ اگر قضائے الٰہی سے کوئی ثالث فوت ہو جائے تو اس کی جگہ

دئی دوسرا شخص اس کی جگہ بھیج دے گی۔
یہ معاہدہ ۱۳ صفر ۳۷ھ کو لکھا گیا اور دونوں فریقین نے
ہم فیصلہ اور معاہدہ کی رو سے دومتہ الجندل کا مقام ثالثوں کے
لئے مقرر کیا۔ ماہِ رمضان آیا تو ہر فریق نے اپنے حکم (ثالث) کے
ہمراہ چار چار سو کی جمعیت روانہ کی اور یہ لوگ دومتہ الجندل پہنچ گئے
علوی فوج کی سرکردگی شریح بن ہانی کے سپرد تھی اور ان کے ساتھ
مذہبی رہنما حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے۔ اکابرین امت میں سے
حضرت عبداللہ بن عمرؓ، سعد بن وقاصؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ بھی
شامل تھے۔ مغیرہ بن شعبہؓ نہایت ذی فہم اور متقی بزرگ تھے اور
جنگ سے علیحدہ رہے تھے۔ لیکن جنگ کا خاتمہ سن کر ثالثوں کا فیصلہ
سننے کے لئے شامل ہو گئے تھے۔ چنانچہ مغیرہ بن شعبہؓ نے پہلے ہی
بات کر کے اندازہ لگا لیا کہ عمرو بن عاصؓ صحیح فیصلہ نہیں ہونے دیں
گے۔ اور نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔

حضرت عمرو بن عاصؓ نہایت ہوشیار اور چالاک تھے چنانچہ
انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی بہت عزت و تکریم شروع کر دی
تاکہ وہ ان کے ہم خیال بن جائیں۔ دورانِ گفتگو حضرت عمرو بن عاصؓ نے
زور دیا کہ امیر معاویہؓ ہی قاتلوں سے قصاص لینے کے زیادہ حقدار
ہیں۔ اس لئے وہی خلیفہ بنائے جائیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ
حضرت علیؓ کے حق میں تھے اور ان کی رسول اللہ صلعم سے قرابت
اور مہاجرین اولین میں سے ہونے سے انہی کو فضیلت دیتے تھے۔
بات بنتی نظر نہ آئی تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے کہا پھر عبداللہ بن عمرؓ

کو خلیفہ بنا دیا جائے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ کہنے لگے میرے بیٹے
عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کو کیوں نہ خلیفہ بنایا جائے۔ جب کو
صورت فیصلہ کی نہ بنی تو طے ہوا کہ فیصلہ امت پر چھوڑ دیا جا
وہ جس کو چاہیں خلیفہ بنالیں۔ ہم دونوں حضرت علیؓ اور امیر معاویہ
کو خلافت کے حق سے علیحدہ کرتے ہیں۔

چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کھڑے ہوئے اور فیصلہ
دیا لیکن حضرت عمرو بن عاصؓ جلدی سے کھڑے ہوئے اور کہا
فیصلہ یہی ہے لیکن مجھے صرف یہ کہنا باقی ہے کہ میں حضرت علیؓ کی
معزولی سے تو متفق ہوں اور امیر معاویہؓ کو خلافت پر بحال رکھتا
کیونکہ وہ قاتلوں سے قصاص لینے کے زیادہ حقدار ہیں۔ حضرت
ابوموسیٰ اشعریؓ یہ سن کر بہت غضبناک ہوئے اور دونوں ثالثوں
میں سخت کلامی شروع ہو گئی۔ شریح بن ہانی نے بڑھکر حضرت عمرو
عاصؓ کو مارا لیکن لوگ درمیان میں آ گئے۔ اور بچاؤ ہو گیا۔ حضرت
ابوموسیٰ اشعریؓ سخت نادم ہوئے اور مکہ پہنچکر گوشہ نشینی اختیار کر

خوارج کی ابتدا

جنگ صفین کا عہد نامہ ثالثی لکھا
تو دونوں گروہ اپنے اپنے علاقے میں
اعلان کرنے کے لئے نکلے۔ عراق کی طرف اشعث بن قیس اس
پر مامور ہوئے اور جب وہ عہد نامہ سناتے ہوئے گزر رہے
تو بنو تمیم کے ایک آدمی عروہ بن اُدیہ نے بڑھکر اُن سے کہا کہ
کے فیصلے کے لئے آدمیوں کے فیصلہ کو کیوں مانا جائے؟
اس شخص نے تلوار سے اشعث بن قیس پر وار کرنا چاہا لیکن بچا

ہ گیا۔ اسی طرح اور بہت سے آدمیوں نے مختلف مقامات پر ناراضگی
اظہار کیا۔ اور اس طرح ایک خاصی جماعت ہم خیال ہو گئی اور علوی
ج سے تقریباً بارہ ہزار آدمی علیحدہ ہو کر مقام حراؤ پر آ ٹھہرے
ضرت علیؓ نے حضرت عباسؓ کو بھیجا۔ تاکہ انہیں سمجھائیں لیکن کچھ اثر
ہوا۔ آخر حضرت علیؓ خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں
جھا بجھا کر اپنے ساتھ کوفہ لے آئے۔ لیکن اندر سے یہ لوگ حضرت
ؓ کے بھی مخالف ہو گئے اور کہنے لگے کہ حضرت علیؓ نے ثالثی فیصلہ منظور
نے کا عہد کیا اس لئے وہ بھی خلافت کے حقدار نہیں رہے۔ چنانچہ اس
رح خارجیوں کا ایک مستقل طور پر فرقہ بن گیا۔ جو حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ
ونوں کو خلافت کا حقدار نہیں سمجھتا تھا۔ اس فرقہ کا یہ عقیدہ تھا کہ دینی
حالات میں قرآن کا حکم مانا جائے گا۔ ثالث مقرر کرنا کفر ہے۔ اور جو ،
الث مقرر کرے گا وہ کافر ہوگا۔ اس عقیدے کے تحت ان لوگوں
نے دوسروں کو ہم خیال بنانا شروع کیا۔ اور جو ان کا ہم خیال نہ بنتا اسے
ارتے یا موقع ملتا تو قتل کر دیتے۔ عبداللہ بن خباب اور اس کی بیوی
و انہی خارجیوں نے نہایت بے رحمی سے قتل کیا حضرت علیؓ کو جب خوارج
کی اس سرکشی کا علم ہوا تو انہوں نے حارث بن مرہ کو حالات معلوم کرنے
کے لئے بھیجا۔ لیکن خارجیوں نے حارث بن مرہ کو بھی قتل کر دیا۔

جنگِ نہروان خوارج کی سرکشی اور ظلم و ستم کے وقت حضرت علیؓ
شام پر دوبارہ حملہ کرنے کی تیاری میں
مصروف تھے۔ لیکن جب ان لوگوں نے ظلم کی انتہا کر دی تو حضرت علیؓ
شام کی مہم کو ملتوی کر کے ایک کثیر فوج کے ساتھ خوارج کی سرکوبی

کے لئے نکلے اور مقام نہروان فروکش ہوئے یہاں سے آپ نے دو اشخاص ابو ایوب انصاریؓ اور قیس بن سعد بن عبادہؓ کو خوارج کے پاس بھیجا کہ ان کو سمجھا کر ان کی حرکتوں سے روکیں لیکن اس سفارت کا اثر نہ ہوا۔ پھر حضرت علیؓ نے خارجیوں کے ایک سردار کو اپنے پاس بلایا اُسے پند و نصیحت کی لیکن اس دفعہ بھی ناکامی ہوئی۔ آخر امیر المومنین حضرت علیؓ نے فوج کی صف آرائی کی اور حملہ کا حکم دے دیا۔ خارجی بڑے زور شور سے مقابلہ کے لئے نکلے۔ لیکن خارجیوں کے تقریباً ... آدمی جو حضرت علیؓ کے ساتھ لڑنا نہیں چاہتے تھے نکل کر الگ ہو گئے حضرت علیؓ نے اعلان کیا۔ کہ جن لوگوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل نہیں کیا اور امان چاہتے ہیں ہمارے جھنڈے تلے آجائیں۔ یا خارجیوں سے علیحدہ ہو کر کوفہ یا کسی اور شہر کی راہ لیں۔ چنانچہ بہت سے خارجی نکل کر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور ایک کثیر تعداد علوی جھنڈے کے نیچے آگئی اب لڑنے والے خارجیوں کی تعداد تقریباً چار ہزار رہ گئی تھی دونوں طرف سے حملہ شروع ہوا۔ خارجی بڑے ثبات سے لڑ رہے تھے کشتوں کے پشتے لگ گئے لیکن منہ نہیں موڑتے تھے۔ اعضا کٹ کٹ کر گرتے لیکن آندھی کی طرح برابر بڑھتے جاتے۔ ادھر حضرت علیؓ کی فوج بھی پیچھے کب ہٹنے والی تھی۔ آخر خارجی ایک ایک کر کے کٹ مرے لڑائی ختم ہوئی۔ زخمیوں کو اٹھوا کر ان کے رشتہ داروں کے سپرد فوج کو شام کی مہم پر جانے کا حکم دیا۔ لیکن لوگوں نے کہا امیر المومنین ہمیں کچھ آرام ملنا چاہیئے۔ تاکہ ہم تازہ دم ہو کر لڑیں پھر ہمارے نیزے اور تیر ختم ہو چکے ہیں۔ تلواریں کند ہو گئی ہیں۔ کچھ دن ٹھہرنے

ے ہتھیار بھی ٹھیک کر سکیں گے۔ چنانچہ کچھ دن مقام نخیلہ میں ٹھہرے
ر وہاں سے کوفہ چلے گئے کیونکہ لوگ تھکے ہوئے تھے اس لئے زیادہ
ام چاہتے تھے۔ جنگ نہروان ۳۸ھ میں پیش آئی۔

یر معاویہؓ کا مصر پر قبضہ

حضرت علیؓ نے خلافت سنبھالتے ہی جب تمام عمال کو معزول
کے نئے حاکم مقرر کئے تو اس وقت سے مصر کے نئے حاکم
س بن سعدؓ انصاری مقرر تھے۔ یہ بہت ہوشمند اور معاملہ فہم
سان تھے۔ چنانچہ انہوں نے مصر کے لوگوں کو حضرت علیؓ کی
افت پر رضامند کر لیا۔ اور نہایت سمجھداری سے اُن پر حکومت
نے لگے۔ صرف ایک چھوٹے سے علاقے خرتبا کے لوگ بیعت
رضامند نہ تھے۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ وہ اس وقت تک بیعت
نہیں کر سکتے جب تک سب معاملات طے نہ ہو جائیں۔ البتہ
والیٔ مصر کی اطاعت وہ پوری طرح کرتے رہیں گے۔ قیس بن سعدؓ
نے معاملہ فہمی سے کام لیتے ہوئے ان لوگوں سے الجھنا مناسب
نہ سمجھا۔ اور انہیں اپنے حالات پر چھوڑ دیا۔

اُدھر امیر معاویہؓ یہ سوچ رہے تھے کہ اگر حضرت علیؓ
شام پر حملہ آور ہوئے اور مصر سے انہیں مدد پہنچ گئی تو وہ
بچ نہیں سکیں گے۔ چنانچہ انہوں نے قیس بن سعدؓ کو خط لکھ
کر اپنے ساتھ ملانا چاہا۔ لیکن قیس بن سعدؓ نے بھی بات سمجھ
لی۔ اور جواب میں انکار کر دیا۔ امیر معاویہؓ نے دوبارہ
خط لکھا اور دھمکی دی کہ وہ طاقت سے اُسے زیر کرتے ہیں۔

قیس بن سعدؓ نے بھی ویسا ہی سخت جواب دے دیا۔ امیر معاویہ نے پھر ایک چال چلی اور مصر میں یہ مشہور کر دیا کہ قیس بن سعد ہمارے ساتھ ہیں اور اس غلط بات کو حضرت علیؓ کے کانوں تک پہنچا دیا مزید پختگی کے لئے یہ بیان بھی دیا کہ قیس بن سعدؓ نے اہل سے جو بیعت نہیں لی یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ہیں۔ حضرت علیؓ نے ان افواہوں کو صحیح سمجھتے ہوئے قیس بن سعد کو اہل خرتبا سے لڑکر بیعت لینے کا حکم بھیجا۔ قیس بن سعدؓ نے عرض کیا۔ کہ امیر المومنین اہل خرتبا دس ہزار اشخاص پر مشتمل ہیں ان میں بہت سے جنگجو اور بہادر لوگ ہیں۔ اس لئے ان سے اس وقت لڑنا مناسب نہیں ہے۔ لیکن جب حضرت علیؓ نے اصرار کیا انہوں نے مصر کی حاکمیت سے استعفاء دے دیا۔

حضرت علیؓ نے ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو حاکم مصر مقرر کیا۔ لیکن یہ کمسن اور تیز طبیعت کے انسان تھے اس لئے خرتبا کے لوگوں سے جنگ شروع کر دی۔ اہل خرتبا نے محمد بن ابی بکر کو تنگ کرنا شروع کیا حضرت علیؓ نے جنگ صفین کے بعد اشتر نخعی کو (جو جزیرہ کے حاکم تھے) والئ مصر بنا کر بھیجا۔ لیکن امیر معاویہؓ نے ایک سازش کے تحت انہیں راستے میں زہر دلوا دیا جس سے وہ مصر پہنچنے سے پہلے ہی ہلاک ہو گئے پھر امیر معاویہؓ نے عمرو بن عاصؓ کی سرکردگی میں فوجی دستہ دے کر مصر میں محمد بن ابی بکر کے مقابلے میں بھیجا۔ محمد بن ابی بکر بڑے جوش سے لڑے لیکن عمرو بن عاص کے ساتھ امیر معاویہؓ خود ایک فوجی دستہ لے کر آملے۔ دوسری طرف

بل خرتبا بھی ان کی مدد کے لئے آگئے۔ چنانچہ محمد بن ابی بکر کی فوج کے بہت سے آدمی قتل ہوئے۔ کچھ بھاگ نکلے۔ خود محمد بن ابی بکر بھاگ کر چھپ گئے۔ لیکن پکڑے گئے اور معاویہ بن خدیج ایک خرتبا کے سردار نے انہیں قتل کرکے ایک مردہ گدھے کے پیٹ میں بند کرکے نذر آتش کر دیا۔ یہ واقعہ ۳۸ھ کا ہے۔ محمد بن ابی بکر نے لڑائی کے شروع میں ہی حضرت علیؓ کو لکھا تھا۔ کہ انہیں مدد بھیجی جائے ادھر لوگ مصر میں جانے سے تامل کر رہے تھے۔ حضرت علیؓ نے بڑی کوشش سے دو ہزار آدمی تیار کئے۔ لیکن ابھی روانہ ہو رہے تھے کہ محمد بن ابی بکر کے قتل کی خبر پہنچ گئی۔ حضرت علیؓ کو اس واقعہ کا بہت افسوس ہوا۔

امیر معاویہؓ کا جارحانہ طریقہ

۳۸ھ میں ہی امیر معاویہؓ نے عبداللہ بن حضرمی کو بصرہ بھیجا تاکہ وہ وہاں کے علوی حاکم زیادہ کو مار بھگائے اور اس علاقہ کے لوگوں سے زبردستی ان کے حق میں بیعت لے۔ عبداللہ بن حضرمی کے بصرہ آتے ہی بنو تمیم اس کے ساتھ مل گئے۔ اس لئے اس نے جارحانہ طریقہ پر لوگوں سے بیعت لینی شروع کی۔ بصرہ کے حاکم زیاد کو وہاں سے بھاگنا پڑا۔ حضرت علیؓ کو اطلاع ملی تو انہوں نے ایمین بن جنیعہ کو عبداللہ بن حضرمی کی سرکوبی کے لئے بھیجا لیکن جب یہ بصرہ پہنچے تو قتل کر دیئے گئے۔ حضرت علیؓ نے اطلاع پاکر جاریہ بن قدامہ کو بصرہ بھیجا۔ جاریہ نے نہایت سمجھداری اور حکمت عملی سے عبداللہ بن حضرمی کو گرفتار کرکے ان کی جائے رہائش

کو جلا دیا۔ اہل بصرہ دوبارہ حضرت علیؓ کی بیعت میں آ گئے۔

امیر معاویہؓ نے اپنا جارحانہ طرز عمل بدستور جاری رکھا۔ ۳۹ھ میں مختلف مقامات کی طرف فوجی دستے بھیجے تاکہ لوگوں سے زبردستی بیعت لی جائے نعمان بن بشیر کو علاقہ عین التمر کی طرف روانہ کیا۔ وہاں کے علوی حاکم مالک بن کعب نے حضرت علیؓ سے مدد مانگی حضرت علیؓ کی کوشش کے باوجود کوفہ سے کوئی شخص وہاں نہ پہنچا۔ اسی طرح امیر معاویہؓ کی طرف سے سفیان بن عوف نے چھ ہزار کے فوجی دستے کے ساتھ انبار اور مدائن (عراق و ایران) پر حملہ کیا اور جارحانہ طور پر وہاں کے لوگوں سے مال و دولت چھینا، خراج وصول کیا اور واپس لوٹا۔ حضرت علیؓ نے اس کا تعاقب کیا لیکن وہ پکڑا نہ گیا۔

عبداللہ بن مسعدہ کو امیر معاویہؓ نے تیماء کی طرف فوجی دستہ دے کر روانہ کیا۔ لیکن حضرت علیؓ نے مسیّب کو فوجی دستے کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ مسیّب کے تیماء پہنچنے پر فریقین میں جنگ ہوئی۔ آخر عبداللہ بن مسعدہ بھاگ نکلا۔ اسی طرح ضحاک بن قیس امیر معاویہؓ کی طرف سے واقصہ (بصرہ سے متصل علاقہ) پر حملہ آور ہوا۔ اور زبردستی لوگوں سے امیر معاویہؓ کے حق میں بیعت لی۔

۴۰ھ میں دجلہ کے ساحلی علاقوں پر امیر معاویہؓ خود حملہ آور ہوئے اور بسر بن ارطاۃ کو تین ہزار فوج دے کر حجاز اور یمن پر حملہ آور ہونے کے لئے بھیجا۔ بسر بن ارطاۃ نے بغیر کسی مزاحمت کے مدینہ اور مکہ پر قبضہ کر لیا۔ اور زبردستی امیر معاویہؓ کے حق میں لوگوں سے بیعت لی۔ پھر وہ حجاز سے یمن پہنچا اور جارحانہ

عمل شروع کیا۔ یمن کے حاکم عبید اللہ بن عباس کو مکہ سے حضرت علیؓ نے پہلے سے بسر بن ارطاۃ کے ظالمانہ اقدام اور یمن پر حملہ آور ہونے کی اطلاع دے دی تھی۔ اس لئے اُنہوں نے بسر بن ارطاۃ کے یمن پہنچنے سے پہلے اپنا نائب مقرر کر کے کوفہ کی راہ لی بسر بن ارطاۃ نہایت ظالم اور بے رحم شخص تھا۔ اُس نے لوگوں کے ساتھ بہت سختی کی اور صنعاء (یمن کا صدر مقام) میں عبید اللہ ابن عباسؓ کے دو کمسن بچوں کو جنہیں وہ وہاں چھوڑ کر خود مدد کے لئے کوفہ گئے تھے نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کر دیا۔

بسر بن ارطاۃ کے ظلم وستم سن کر حضرت علیؓ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود دو سرداروں کو اس کی سرکوبی کے لئے تیار کیا چار ہزار فوج ان کے ساتھ کی اور خود کوفہ کے لوگوں کو پُرجوش تقریروں کے ذریعے ابھارا۔ لیکن جب روانہ ہونے کا وقت آیا صرف تین سو اشخاص رہ گئے۔ حضرت علیؓ کو لوگوں پر بہت افسوس ہوا۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے اکابرین سے مشورہ کیا اور اعلان کروا دیا کہ تمام مردوں کو جنگ میں شریک ہونا پڑے گا، جو پیچھے ہٹے گا۔ اُسے سخت سزا دی جائے گی۔ لیکن ابھی تیاریاں ہی ہو رہی تھیں کہ حضرت علیؓ کی شہادت کا وقت آ گیا۔

شہادت علیؓ عام بدامنی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خارجیوں کے تین افراد عبد الرحمٰن ملجم، مراوی برک بن عبد اللہ اور عمرو بن بکر تیمی نے باہم طے کیا کہ اس ساری افراتفری کا حل یہ ہے کہ ہم تینوں اس بات کا عہد کریں کہ حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ

اور عمرو بن عاصؓ کو قتل کر دیں۔ چنانچہ ابن ملجم نے حضرت علیؓ کے قتل کا ذمہ اٹھایا۔ برک بن عبداللہ نے امیر معاویہؓ کا اور عمرو بن بکر تیمی نے عمرو بن عاصؓ کو ختم کرنے کا تہیہ کیا۔ تینوں اپنے اپنے مقصد کے لئے روانہ ہو گئے۔ ابن ملجم کوفہ پہنچا تو وہاں جنگ نہروان کے مقتولین میں سے ایک کی بیٹی قطام بنت شجنہ پر اس کی نظر پڑ گئی۔ قطام بہت خوبصورت لڑکی تھی۔ ابن ملجم نے اس سے نکاح کی درخواست کی قطام نے کہا مجھے منظور ہے لیکن اس شرط پر کہ مہر میں تین ہزار درہم، ایک لونڈی اور ایک غلام ادا کرے۔ اور حضرت علیؓ کا سر کاٹ کر دے۔ ابن ملجم تو پہلے ہی سے اسی مقصد کے لئے آیا تھا۔ قطام کے حسن و دلفریبی سے اور بھی ارادہ مضبوط ہو گیا۔

۱۵ رمضان سنہ ھ کو تینوں خارجیوں نے اپنے اپنے مقامات پر حملہ کیا۔ امیر معاویہؓ پر تلوار کا وار ٹھیک نہ پڑا۔ صرف معمولی سا زخم آیا جو چند دنوں میں ٹھیک ہو گیا عمرو بن عاصؓ اس روز بیماری کی وجہ سے مسجد میں امامت کے لئے نہ آئے۔ عمرو بن بکر تیمی نے امام کو غلطی سے عمرو بن عاصؓ سمجھ کر وار کیا اور اس طرح پکڑا گیا۔ ابن ملجم اس روز مسجد میں سویا ہوا تھا۔ جب حضرت علیؓ صبح کو نماز کے لئے تشریف لائے تو ابن ملجم کو جگایا کہ اٹھو اور نماز پڑھو۔ جب امیرالمومنین نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو سجدہ کی حالت میں ابن ملجم نے زہر آلود تلوار سے ان پر وار کیا۔ آپ کے سر پر سخت زخم آیا۔ لوگوں نے ابن ملجم کو گرفتار کر لیا۔

زخم کاری تھا۔ اور زہر جسم میں اثر کر چکا تھا۔ لوگوں نے عرض

لیا۔ " امیرالمومنین اگر آپ منظور فرمائیں تو آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت امام حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی جائے۔" حضرت علیؓ نے فرمایا:" میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ آپ جیسا مناسب سمجھیں کرلیں۔" اس کے بعد آپ نے کچھ وصیتیں فرمائیں۔ اور حضرت قاتلوں سے معمولی طور پہ قصاص لینے کی نصیحت کی اور مزید تاکید کی کہ اس کے اعضائے نہ کاٹے جائیں صرف قتل کریں۔ آخر ۲۱ رمضان ۴۰ھ کو آپ فوت ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن۔

حضرت امام حسنؓ نے خود تجہیز و تکفین کی اور کوفہ کے عزمی نامی قبرستان میں دفن کیا۔ حضرت علیؓ کا عہدِ خلافت پورے پانچ سال کا تھا۔

نظامِ سلطنت

حضرت علیؓ جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو اس وقت تمام اسلامی ممالک میں شور و غل مچا ہوا تھا۔ اموی خاندان کے لوگ، حضرت عثمانؓ کے قتل کا قصاص فوری طور پہ چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے علیحدہ جماعت بنا لی۔ اور امیر معاویہؓ کو اپنا امیرالمومنین بنا بیٹھے۔ حضرت عائشہؓ۔ حضرت زبیرؓ، اور حضرت طلحہؓ علیحدہ اپنے طور پر قاتلوں سے قصاص لینے کے لئے بصرہ پہنچ گئے اور زبردست شورش برپا کر دی۔ الغرض ہر طرف بدامنی سی پھیل گئی۔ حضرت علیؓ نے ذمہ داریوں کا عہدہ سنبھالتے ہی ملک میں نظم و نسق قائم کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ عہد خلافت کے پورے پانچ سال کے عرصہ میں پل بھر چین سے نہ بیٹھ سکے۔ لیکن اپنی

مساعی اور ذمہ داری میں کبھی تساہل سے کام نہیں لیا۔ اور اپنی حالت میں نظم و نسق اور تمام اہم صیغوں کا برابر انتظام کرتے رہے۔

فوجی نظام

ملک میں بد امنی کی وجہ سے باقاعدہ فوجی نظام نہ تھا جو لوگ آپ کے ساتھ ہوتے وہی آپ کی فوج تھی بہرحال آپ بڑے بہادر اور جنگی امور میں تجربہ کار تھے اسلئے جو کچھ بھی ممکن تھا کرتے۔ شامی سرحد پہ آپ نے کئی فوجی چوکیاں قائم کیں۔ سنہ ھ میں جب امیر معاویہؓ کی طرف سے عراق پر جا اقدام ہوئے تو اپنی فوجی چوکیوں نے سب سے پہلے شامی فوج روکا۔ عام بد امنی اور یورشوں کی وجہ سے آپ نے عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے کئی مقامات پہ مضبوط قلعے بنوائے اصطخر کا قلعہ حصن زیاد کے نام سے بہت مشہور تھا۔ جنگ صفین میں دریائے فرات پہ فوجی ضرورت کے لئے پل تعمیر کروایا۔

مالی نظام

بیت المال کے سلسلے میں آپ نے بڑی عمدگی سے انتظامات کئے۔ مال کی جانچ و حولی میں سختی سے کام لیتے تھے لیکن غرباء اور مساکین کے ساتھ نہایت رحم و کرم سے پیش آتے بدامنی اور بغاوتوں کے باوجود آپ رحم سے کام لیتے اور درگزر اور عفو سے لوگوں کو موہ لیتے اور فیاضی سے مال خرچ کرتے حضرت علیؓ نے پہلی دفعہ محکمہ جنگلات قائم کیا اور جنگلات سے بھی خاصی آمدنی شروع ہو گئی۔ عہد نبویؐ میں گھوڑوں پہ زکواۃ نہیں لی جاتی تھی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے جب دیکھا کہ گھوڑوں کی تجارت شروع ہو گئی ہے تو ان پہ بھی زکواۃ مقرر کر دی۔

حضرت علیؓ نے گھوڑوں پر زکوٰۃ اس لئے بند کر دی کہ ان کی نسل بڑھے اور ان سے جنگی اور دوسر فوائد حاصل ہوسکیں۔

حکام کی نگرانی صوبہ جات کے حکام مقرر کرتے وقت آپ انہیں پند و نصیحت کرتے اور ان کے فرائض کی وضاحت کر دیتے۔ حکام کی نگرانی کے لئے تحقیقاتی وفود بھیجتے حضرت کعب بن مالکؓ اکثر اس کام کے لئے بھیجے جاتے اور ان کے ساتھ ایک فوجی دستہ حفاظت کے لئے روانہ کرتے۔ حکام کی غلطیوں اور بداعتدالیوں کا سختی سے جائزہ لیتے علاقہ اردشیر کے حاکم مصقلہ نے ایک دفعہ بیت المال کی رقم سے پانچسو لونڈی اور غلام خرید کر آزاد کر دیئے اور یہ رقم اپنے نام قرض لکھوا دی۔ کچھ عرصے بعد جب حضرت علیؓ نے قرض کا مطالبہ کیا تو مصقلہ نے کہا کہ "حضرت عثمانؓ تو اتنی قلیل رقم کی پرواہ بھی نہیں کیا کرتے تھے۔ لیکن آپ تو ایک ایک پیسے کا مطالبہ کرتے ہیں۔" اور خود بھاگ کر امیر معاویہؓ کے پاس پہنچ گیا۔ حضرت علیؓ کو جب اس کے بھاگنے کا علم ہوا تو فرمایا "اس کا برا ہو اس نے یہ کیا خیانت کی کہ اگر وہ نہ بھاگتا تو زیادہ سے زیادہ قید ہوجاتا اور اگر قرضہ ادا نہ کر سکتا تو میں معاف کر دیتا۔" اسی طرح ایک دفعہ آپ نے اپنے چچیرے بھائی عبداللہ بن عباسؓ والیٔ بصرہ سے بازپرس کی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جواب دیا "میں نے اتنی رقم بیت المال سے لی تھی۔ جس سے زیادہ میرا حق تھا۔"

تعزیر و حدود مجرموں کو سخت سزائیں دیتے تھے۔ آپ نے بعض نئی سزائیں ایجاد کیں۔ مثلاً چوری کے

علاوہ دوسرے جرائم پر بھی ہاتھ کاٹنا۔ سنگین جرم پہ زندہ جلا
مکانات تباہ کرنا۔ زندہ جلانے کے سلسلے میں جب حضرت عبداللہ
عباس ؓ نے آپ کو بتایا کہ آنحضرت صلعم نے زندہ جلانے کی سزا
منع فرمایا ہے تو حضرت علیؓ پہلی دی ہوئی سزاؤں پر نادم ہوئے
اور آئندہ اسے بند کر دیا۔ دُرّے سے مارنے کی سزا میں آپ نے
ہدایت کی ہوئی تھی کہ چہرہ اور شرم گاہ پہ دُرّے نہ مارے جا
اور برہنہ نہ کیا جائے۔ صرف جرم ثابت ہونے پہ سزا دی جاتی۔ جرم
کے شبہ میں سزا نہیں دی جاتی تھی۔ دس درہم سے زیادہ کی چوری
پہ ہاتھ کاٹے جاتے۔

خدمت دین

حضرت علیؓ گو ہر وقت ملکی نظم و نسق اور بد امنی ختم کرنے
میں مصروف کار رہتے لیکن دینی خدمات کے سلسلے میں کبھی تساہل
نہیں برتا۔ آپ کے عہد میں ایران اور آرمینیہ کے کچھ نو مسلم لوگ
مُرتد ہو کر عیسائی ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے فوراً توجہ کی اور سختی سے
ساتھ ان کی سرکوبی کے لئے فوجی دستہ بھیجا۔ چنانچہ وہ تائب ہو کر
مسلمان ہو گئے۔

آپ کو دین سے اس قدر شغف تھا کہ اپنی کوتاہی یا غلطی پر جب
کوئی عالم دین انگشت نمائی کرتا تو فوراً رجوع کر لیتے اور دینی معاملات
میں علمائے دین سے پہلے مشورہ کرتے پھر عمل کرتے۔ چنانچہ جب
حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے آپ کو بتایا کہ رسول اللہ صلعم نے زندہ
جلانے کی سزا سے منع فرمایا ہے تو آپ نے اپنی پہلی سزاؤں پہ ندامت
اظہار فرمایا اور آئندہ اس کرنے سے احتراز کیا

حضرت علیؓ کے فضائل و خصائل

حضرت علیؓ بچپن سے ہی رسول اللہ صلعم کے زیر سایہ آگئے تھے
اس لئے ان کا علم و فضل میں کمال حاصل کرنا بالکل فطری بات تھی۔ شروع
سے ہی رشد و ہدایت سے فیض یاب ہوتے رہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب
آنحضرت صلعم نبوت سے سرفراز ہوئے تو بچوں میں سے آپ سب
سے پہلے اسلام لائے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلعم کی وفات تک ہر
موقعے اور ہر جنگ میں آپ شریک رہے۔ آنحضرت صلعم کے داماد
ہونے کا فخر بھی حاصل ہوا اور اس کی بھی وجہ سے آپ رسول اللہ صلعم
سے بہت قریب رہتے۔ اسی تقرب کی وجہ سے آپ دن رات دینی
علوم سے سرشار ہوتے رہے۔ شان نزول (نزول کی وجہ اور
موقعہ) سے آپ واقف ہوتے اور آیات کی تفسیر رسول اللہ صلعم
سے براہ راست دریافت فرماتے۔ بچپن سے ہی لکھنا پڑھنا سیکھ
لیا تھا اس لئے ابتدائے وحی سے ہی آپ کاتبان وحی میں سے تھے۔
صلح حدیبیہ اور دوسرے کئی صلح نامے اور خطوط رسول اللہ صلعم آپ
سے لکھوایا کرتے تھے۔

رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد آپ بہترین مفسر قرآن سمجھے
جاتے تھے۔ آپ حافظ قرآن تھے اور خود فرماتے ہیں کہ "میں ایک
ایک آیت کے متعلق بتا سکتا ہوں کہ کیوں اور کہاں نازل ہوئی۔"
صحابہؓ میں سے مفسر قرآن کی حیثیت سے آپ کا ہم پلہ صرف
حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہی نظر آتے ہیں۔ خلیفہ اول حضرت ابو بکرؓ

کی بیعت میں آپ نے چھ ماہ دیر کی اور اس دوران میں آپ نے
قرآن کی آیات اور سورتوں کو نزول کی ترتیب کے ساتھ قلمبند کیا
عہد رسالت میں آپ نے کچھ حدیثیں لکھی تھیں لیکن احادیث کی روا
کا موقع تمام اکابر صحابہ میں سے آپ کو زیادہ ملا کیونکہ آپ نے د
عمر پائی۔ بہرحال آپ روایت حدیث میں بہت محتاط تھے۔ اس لئے
۵۸۶ احادیث آپ سے مروی ہیں۔ فقہی مسائل کو حل کرنے کا بھی آپ
کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کئی دفعہ
مسائل کے لئے حضرت علیؓ سے مشورہ لیتے۔ ایک مرتبہ ایک مجنو
عورت زنا کے جرم میں گرفتار ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے سزا کا حکم
دے دیا۔ حضرت علیؓ کو علم ہوا۔ تو فوراً آئے اور فرمایا کہ یہ فیصلہ
غلط ہے۔ مجنون شرعی سزاؤں سے بری ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ
نے حکم واپس لے لیا۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ سے کسی نے وضو
میں موزوں (جرابوں) پر مسح کرنے کا مسئلہ دریافت کیا۔ حضرت
عائشہؓ نے فرمایا حضرت علیؓ سے جاکر معلوم کرو کیونکہ و
آنحضور صلعم کے ساتھ اکثر شریک سفر رہے ہیں۔

حضرت علیؓ تقریر اور خطابت میں خاص مہارت رکھتے تھے
اور فصاحت اور بلاغت میں مشہور تھے۔ آپ ایسی پر اثر تقریر
کہ لوگوں کے ذہن بدل دیتے اور انہیں اپنی رائے سے اتفا
کرنے پر مجبور کر دیتے۔ آپ کے خطبات اور تقریریں اس قدر
مشہور ہوئیں کہ انہیں "نہج البلاغۃ" کے نام پر چار جلدوں
میں مدون کر لیا گیا ہے۔ اس مجموعے کے متعلق اس کے مصنف

شریف رضی) نے خود لکھا ہے کہ "ان خطبوں نے ہزاروں لاکھوں
انوں کو فصیح و بلیغ بنا دیا۔"
جس طرح آپ علم و فضل میں کمال رکھتے تھے اسی طرح عادات و
اق میں بھی نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ رسول اللہ صلعم سے تربیت
ئی تھی۔ اس لئے وہی عادات و خصائل آپ میں نظر آتے تھے آپ
یت و دیانت دار اور امین انسان تھے۔ ہر کام نہایت ایما نداری
ے کرتے اور اس میں کسی رشتہ دار یا دوسرے بڑے سے بڑے
ص کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کچھ نارنگیاں آئیں آپ کے
احبزادوں نے ایک ایک اٹھالی۔ حضرت علیؓ نے ان سے چھین کر واپس
ہ دیں اور لوگوں میں تقسیم کروا دیں۔ مال غنیمت آتا تو بڑی احتیاط سے
تم کرتے اور کچھ کمی بیشی ہو جاتی تو قرعہ اندازی سے بانٹ دیتے تاکہ
د بری الذمہ ہو جائیں۔
زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ساری عمر اپنے گھر کے مال میں اضافہ نہیں
و سکا۔ جو چند اشیاء پر مشتمل تھا۔ اور رسول اللہ صلعم نے اپنی بیٹی جناب
اطمۃ الزہرا رضؓ کو جہیز میں دیا تھا۔ جب کوفہ میں مستقل رہائش کے لئے
شریف لائے تو لوگوں نے محلات میں انتظام کر رکھا تھا لیکن حضرت علیؓ
نے پسند نہ فرمایا اور کھلے میدان میں رہائش اختیار کی۔ گھر میں جناب
فاطمہؓ خود چکی پیس کر کھانا تیار کرتی تھیں اور باقی بھی سارا کام خود کرتیں
کوئی خادمہ نہ تھی۔ حضرت علیؓ خود فرصت ہوتی تو گھر کے کام کاج میں
ہاتھ بٹاتے۔ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔
شجاعت حضرت علیؓ کا بچپن سے ہی ایک نمایاں وصف تھا۔

ہجرتِ مدینہ کے وقت جب آنحضور صلعم نے آپ کو اپنے بستر پر لٹا دیا اور خود راتوں رات حضرت ابو بکر رضہ کے ساتھ مدینہ چل نکلے اس وقت آپ کی عمر بیس بائیس برس کی تھی۔ اس نو عمری میں آپ ذرا نہ گھبرائے اور اپنے آپ کو موت سے بے خبر کر کے رات بھر سورہے غزوۂ بدر اور خیبر میں جو شجاعت آپ نے دکھائی وہ آج بھی تاریخ میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ اپنے عہد میں وفات تک شورش اور بدامنی قائم رہی لیکن علیؓ مرتضیٰ کے پاؤں کبھی بھی نہیں لڑکھڑائے۔ رات دن باغیوں کی سرکوبی اور نظم و نسق میں مصروف رہتے تھے۔

حسن سلوک میں بھی آپ کا نمایاں درجہ ہے۔ آپ بڑی ہمت اور شجاعت سے دشمنوں کا مقابلہ کرتے لیکن جب دشمن زیر ہو جاتا تو نرمی سے برتاؤ کرتے اور اکثر معاف کر دیتے۔ جنگِ جمل میں اعلان کروا دیا کہ زخمیوں کے اوپر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں۔ جو بھاگ جائے اس کا تعاقب نہ کیا جائے۔ اپنے قاتل ابن ملجم کے لئے وصیت کر دی کہ اعضا نہ کاٹے جائیں صرف قصاص یعنی قتل کیا جائے اور اس کے علاوہ کسی پر گرفت نہ کی جائے۔

امام حسنؓ

(عہد خلافت ۴۰ - ۴۱ ہجری)

امام حسنؓ حضرت علیؓ کے بڑے لڑکے تھے۔ آپ کی والدہ حضرت فاطمۃ الزہرہ رضہ آنحضور صلعم کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ امام حسن شکل و شباہت میں آنحضرت صلعم سے بہت مشابہ تھے۔ ۳ ہجری میں

رمضان کے مہینے میں پیدا ہوئے. آنحضرت صلعم ان سے بہت پیار
کرتے تھے. جب کبھی روتے تو آنحضور حضرت فاطمہؓ سے فرماتے.
اسے مت رولاؤ مجھے یہ بہت عزیز ہے۔"

حضرت علیؓ کی وفات کے بعد اہل کوفہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت
کی چند ماہ تک آپ نے خلافت کی ذمہ داری اٹھائے رکھی. لیکن
اس کے بعد امیر معاویہؓ نے عراق پر فوج کشی کر دی. حضرت امام حسنؓ
بھی فوج لے کر نکلے. لڑائی ہوئی اور بہت سے عراقی مارے گئے. امام
حسنؓ نے صلح کی درخواست کی. امیر معاویہؓ نے منظور کر لیا. امام حسنؓ
جنگ وجدل کو پسند نہیں کرتے تھے اس لئے خلافت سے دست بردار
ہو گئے اور خلافت کا حق امیر معاویہؓ کو دے دیا. امیر معاویہؓ نے امام حسنؓ
سے کہا کہ آپ جو شرائط چاہیں مجھے منظور ہوں گی. امام حسنؓ نے لکھدیا
کہ اہل عراق پر سختی نہ کی جائے، کسی سے بدلہ نہ لیا جائے علاقہ اہواز
کی آمدنی مجھے ملتی رہے. میرے بھائی حسینؓ کو بیس لاکھ درہم
سالانہ وظیفہ دیا جائے. امیر معاویہؓ نے یہ سب شرائط منظور کر لیں
چنانچہ امام حسنؓ، حسینؓ اور تمام دوسرے لوگوں نے امیر معاویہؓ
کی بیعت کر لی۔

خلافتِ راشدہ پر ایک نظر

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے عہد سے لے کر حضرت علی رضؓ کے عہد اختتام تک کا زمانہ خلافت راشدہ کہلاتا ہے۔ حضرت ابو بکر رضؓ کو ان کے عہد میں خلیفۂ رسول کے نام سے پکارا گیا۔ لیکن حضرت عمر رضؓ نے اپنے لیے امیر المومنین کا لقب پسند فرمایا اور بعد کے دو خلفاء حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو بھی امیر المومنین کے لقب سے ہی خطاب کیا گیا۔ خلیفہ امام یا امیر درحاصل ایک ہی مفہوم ادا کرتے ہیں۔

وظیفۂ خلافت

خلافت ہر خلیفہ کا وہ عہدِ حکومت تھا جس میں دینِ اسلام کی رہنمائی میں مسلمانوں کی ایک ریاست تھی۔ ریاست کے تمام اُمور قرآن و سنت کی روشنی میں طے ہوتے تھے۔ معاملات کا فیصلہ اور پیچیدہ مسائل کا فقہی حل سب علماء دین باہم مشورہ سے کیا جاتا۔ ہر خلیفہ کے عہد میں اس کام کے لئے ایک مجلس شوریٰ قائم تھی جس میں ممتاز علماء ارکان مجلس ہوتے تھے۔ بہت اہم مسائل کے حل کے لئے مجلس شوریٰ کے علاوہ قبائل کے سرداروں اور عام لوگوں کے مشورے سے فیصلہ کیا جاتا تھا۔ ہر شخص کو حکومت پہ نکتہ چینی کرنے کا پورا حق حاصل تھا۔ اسی لئے خلیفہ تک رسائی ہر شخص کے لئے آسان تھی۔ خلیفہ کے لئے کوئی حفاظتی دستہ یا دربان مقرر نہ تھا۔ براہ راست خلیفہ لوگوں میں چلا جاتا اور لوگ

خلیفہ تک پہنچ سکتے تھے۔ خلیفہ کا کام صرف طے شدہ مسائل یا امور
و نافذ کرنا تھا۔ وہاں اگر کسی فقہی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو خلیفہ کو حق
حاصل ہوتا کہ وہ مسئلہ کی کسی صورت کو ترجیح دے کر حکم نافذ کر دے۔

خلیفہ کا انتخاب جمہوری طرز پر تھا۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ
صدیق کو بالاتفاق مدینہ کے لوگوں نے منتخب کیا اور سب نے بیعت
کی۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے ارکان شوریٰ سے مشورہ کرکے اور ان کی
رائے معلوم کرکے حضرت عمرؓ کا نام خلیفۂ دوم کے لئے تجویز کیا اور
اپنے مکان کے بالاخانے پر چڑھ کر اس کا اعلان کیا۔ لوگوں نے بالاتفاق
اسے قبول کیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ کے چھ
ممتاز ارکان کے نام اس وقت تجویز کئے جب ان سے حد سے زیادہ
اصرار کیا گیا۔ اس میں بھی حضرت عمرؓ نے نہ تو اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ
کا نام دیا اور نہ ہی دوسروں میں سے کسی ایک کا نام تجویز کیا اور فرمایا
کہ ان چھ حضرات میں سے جسے چاہیں چن لیں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ اور
اور حضرت علیؓ کے سوا باقی چاروں نے اپنے حقوق دونوں کے حق میں
واپس لے لئے۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے تین دن تین رات
متواتر مدینہ کے لوگوں سے مشورہ کیا اور بالآخر لوگوں کے منشاء کے
مطابق حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر سب نے بیعت کر لی۔ چوتھے خلیفہ
کے وقت حالات نہایت خراب تھے۔ ہر طرف بدامنی پھیلی ہوئی تھی۔
مدینہ کے لوگوں نے بالاتفاق حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔
چونکہ پہلے بھی تینوں خلفاء کو مدینہ کے مہاجرین اور انصار نے پہلے
منتخب کیا تھا اور بعد میں تمام باہر کے مسلمان بیعت کر لیتے تھے۔

اس لیے حضرت علیؓ بھی مدینہ کے لوگوں سے منتخب ہو کر اپنے آپ کو برحق خلیفہ یا امیر سمجھتے تھے ۔ چنانچہ انہوں نے باہر کے تمام حکام اور امراء کو اپنی امارت پر بیعت کرنے کے لئے لکھا ۔ لیکن چونکہ حضرت عثمانؓ کی شہادت ظالمانہ طریقہ پر ہوئی تھی اس لئے حضرت عثمان کے بہت سے حامیوں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ جب تک آپ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص نہ لے لیں ۔ ہم آپ کی بیعت نہیں کر سکتے ۔ امیر معاویہؓ شام کے علاقہ میں اس شرط کے سب سے بڑے دعوے دار تھے ۔ حضرت عائشہ رضؓ ، حضرت زبیر رضؓ اور حضرت طلحہ رضؓ نے ایک کثیر جماعت تیار کر کے خود ہی قاتلوں سے قصاص لینے کی مہم شروع کر دی اور بصرہ پہنچکر اپنا مرکز قائم کر لیا اس طرح ہر طرف بدامنی اور بے اطمینانی سی پھیل گئی ۔

الغرض جہاں تک ممکن تھا ہر خلیفہ کے عہد میں جمہوریت کی روح پوری طرح قائم تھی ۔ خلیفہ وقت اپنے آپ کو لوگوں کا امیر بھی سمجھتا اور عوام کا خادم بھی ۔ شاہانہ جاہ و جلال کا نہ تو کوئی نشان نظر آتا تھا اور نہ ہی لوگوں کی زبانوں پر خلیفہ کے لیئے قوی الشوکت اور رفیع الشان کے غیر ضروری بڑائی کے کلمات ہوتے تھے خلفاء کو خود اپنا ہر کام کرنے میں انتہائی خوشی ہوتی بلکہ خادموں کے کاموں میں ہاتھ بٹا دینا بھی عار نہیں سمجھتے تھے ۔ مساوات کی یہ برابری حقیقتاً جمہوریت اسلام کی روح تھی ۔

ملکی نظام حضرت ابو بکر رضؓ کے عہد میں فتوحات تو شروع ہو چکی تھیں لیکن حکومت دراصل عرب کے علاقہ

پر ہی تھی۔ چنانچہ انہوں نے عرب کو مختلف صوبوں میں منقسم کر کے ہر ایک صوبہ میں ایک حاکم یا والی مقرر کر دیا۔ عہدِ صدیقی میں مکہ، طائف، صنعاء، حضرموت، بحرین، خولان، زبید، نجران اور جرس نو صوبہ جات تھے۔ اس عہد میں عدالت اور انتظامیہ علیحدہ علیحدہ نہیں تھے بلکہ حاکم یا والی کے ذمہ دونوں کام ہوتے تھے۔ حاکم مقرر کرتے وقت حضرت ابوبکر صدیق رض انہیں مناسب ہدایت اور نصائح دیتے۔ حضرت ابوبکر رض کا کوئی وزیر نہیں تھا۔ حضرت عمر رض صرف مشیر کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔

حضرت عمر رض کے عہد میں چونکہ فتوحات کا سلسلہ کافی وسیع ہو گیا تھا۔ اس لئے بڑے بڑے صوبے مکہ، طائف، صنعاء، بحرین، جند، بصرہ کوفہ، شام اور مصر تھے۔ حضرت عمر رض عمال کی نگرانی نہایت سختی سے کرتے تھے۔ حاکم مقرر کرنے سے پہلے اُسے دینی معیار پر پرکھتے پھر اس کے فرائض کی وضاحت فرماتے اور علاقہ کے عوام میں حاکم کے کام اور فرائض کو پڑھ کر سنایا جاتا تاکہ وہاں کے لوگ بھی حاکم پر نظر رکھیں کہ وہ کوئی کام خلاف شریعت نہ کرے۔ حکام کی نگرانی کے لئے تحقیقاتی وفود بھیجے جاتے اور اگر کسی نے غلطی کا ارتکاب ثابت ہو جاتا تو اُسے سزا دیتے اور اس سلسلے میں سخت سے سخت سزا دینے میں ذرہ بھر تامل نہ کرتے۔ چنانچہ مصر کے حاکم عیاض بن غنم کو باریک کپڑا پہننے اور گھر کے دروازہ پر دربان مقرر کرنے کی سزا میں جو نگرانی کا صحیح نمونہ حضرت عمر رض نے پیش کیا، پوری دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتا۔

عہد عثمانی میں بھی فتوحات برابر جاری رہیں اور طرابلس، قبرص

وغیرہ اور مراکش کے مزید علاقے فتح ہو گئے۔ کئی بغاوتیں فرو ہوئیں
بحری فتح بھی اسی عہد میں پہلی بار حاصل ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں
مصر ایک بڑا صوبہ تھا اور اس کے تین چھوٹے اور علیحدہ علیحدہ صو
دمشق، اُردن اور فلسطین تھے اور ان کے علیحدہ علیحدہ حاکم مقرر تھے
لیکن حضرت عثمان نے مصر کو ایک بڑا صوبہ ہی رہنے دیا اور ایک حاکم
کے تحت کر دیا۔ طرابلس، قبرص، آرمینیہ اور طبرستان نئے صوبے
بنے۔ حضرت عثمانؓ نے تمام صوبوں کی نگرانی اور انتظامات بالکل
طرح کئے جس طرح عہد فاروقی سے چلے آرہے تھے۔ صرف اتنا
فرق کر دیا کہ پہلے حاکم صوبہ کے ذمہ انتظام ملک اور فوجی افسری
دونوں ہوتے تھے، انہوں نے فوج کا افسر علیحدہ مقرر کر کے یہ نیا
عہدہ ایجاد کیا۔

حضرت علیؓ کے عہد میں ہر طرف بدامنی پھیلی ہوئی تھی اور ان کی
تک بغاوتوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوا تھا۔ اس لئے فتوحات کا مزید پروگرام
نہ بن سکا۔ بدنظمی کے باوجود آپ نے حضرت عمرؓ کے مطابق نظام
قائم کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ عمال کی نگرانی بالکل اسی طرح کی۔
تحقیقاتی وفود اکثر حضرت کعب بن مالکؓ کے تحت بھیجے جاتے بازپرس
کے سلسلے میں قریبی رشتہ دار تک کی پرواہ نہ کرتے تھے۔

فوجی نظام

خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں فوج
نظام نہ تھا۔ ضرورت کے وقت لوگ رضاکارانہ
طور پر اپنے آپ کو پیش کر دیتے تھے اور شوق جہاد اس قدر تھا کہ
بھی یہ دقت پیش نہیں آئی کہ وقت پر فوج مہیا نہ ہو۔ چھوٹے دستو

کے علیٰحدہ امیر ہوتے اور سب فوج پر حضرت خالد بن ولید رض کمانڈر انچیف تھے۔ فوج کو روانہ کرتے وقت نصیحت کی جاتی کہ پہلے حسن اخلاق سے تبلیغ اسلام کی جائے اور ناگزیر صورت میں ہی حملہ کیا جائے۔

حضرت عمر رض نے تمام اسلامی ممالک میں باقاعدہ مردم شماری کروائی اور تمام لوگوں کو فوجی بنا دیا۔ سب کی تنخواہیں مقرر ہوئیں۔ عورتوں اور بچوں تک کے وظائف مقرر ہوئے۔ فوجی سپاہیوں کو تنخواہ کے علاوہ کھانا اور کپڑا بھی مہیا کیا جاتا۔ ہر دس سپاہیوں پر عریف مقرر تھا جو اپنے لوگوں کو تنخواہ اور دوسری اشیاء تقسیم کرتا تھا۔ جو سپاہی کسی جنگ میں بہادری کے نمایاں جوہر دکھاتا۔ اس کی تنخواہ میں اضافہ کر دیا جاتا اور انعام بھی دیا جاتا تھا۔ فوجیوں کی تربیت کا خاص خیال رکھا جاتا اور انہیں زراعت اور تجارت کرنے سے منع کر رکھا تھا۔ تاکہ ان کاموں میں پڑ کر اصلی سپاہیانہ جوہر ختم نہ کر بیٹھیں۔ ان کی صحت کا خیال یوں کیا جاتا کہ پہلے کسی علاقہ کی آب و ہوا کا پتہ کیا جاتا۔ پھر وہاں فوجیوں کو رہائش کی اجازت ملتی۔ تربیت کے لئے فوجی ٹریننگ یعنی گھوڑا دوڑانا، تیرنا۔ ننگے پاؤں چلنا اور تیر اندازی کا کام سکھایا جاتا۔ ہر سپاہی کو چار ماہ بعد اپنے بچوں میں جانے کی اجازت دی جاتی۔ فوجی مراکز میں فوج ہر وقت متعین رہتی۔ خزانچی، مترجم، طبیب، جراح، جاسوس وغیرہ لوگ فوج کے ساتھ رہتے۔

حضرت عثمان رض کے عہد میں فوج کو قدرے مزید ترقی ملی۔ آپ نے فوجیوں کی تنخواہوں میں اضافہ کر دیا۔ حاکم کی بجائے فوج کو علیٰحدہ افسر کے ماتحت کر دیا۔ مفتوحہ علاقہ جات میں فوج متعین کر کے

فوجی مراکز میں اضافہ کر دیا۔ چراگاہیں بھی پہلے سے زیادہ بنوادی گئیں۔ فوجی سلسلے میں عہدِ عثمانی میں بحری انتظامات کی بھی ابتدا ہوئی۔

حضرت علیؓ کے عہد میں باوجود بدنظمی اور پریشانی کے بہت سے فوجی انتظامات ہوئے۔ شام کی سرحد پہ فوجی چوکیاں قائم ہوئیں۔ عورتوں، بچوں اور بیت المال کی حفاظت کے لئے مضبوط قلعے تعمیر کئے گئے اور ضرورت کے لئے دریاؤں پہ پل بنوائے گئے۔

باب چہارم

تعلیماتِ اسلام

(عقائد و عبادات)

و

(اخلاقِ اسلامی)

اِصطلاحات

دینِ اِسلام اللہ کی اطاعت اور اس کے احکام کے سامنے سرِتسلیم خم کرنا دینِ اسلام یا مذہبِ اسلام کہلاتا ہے۔ مذہب یا دین طریقِ زندگی کا نام ہے۔ چنانچہ دینِ اسلام سے مراد وہ طریقِ زندگی ہے۔ جو پیغمبروں کے ذریعے اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایات کے مطابق ہو۔ اس کو دینِ حق بھی کہتے ہیں۔

اسلام کی بُنیادی تعلیم یہ ہے، کہ ایک خدا پر ایمان لاؤ اور صرف اسی کی پرستش کرو۔ اس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی ہدایت پر عمل کرو۔ کیونکہ ایک دن (موت کے بعد) تم سب نے اللہ کے پاس واپس لوٹنا ہے۔ وہاں اس کی عطا کی ہوئی نعمتوں کا حساب دینا ہوگا۔ نیک اور اچھے کاموں کا بہترین صلہ ملے گا اور بُرے اعمال کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

چونکہ اللہ ہی لوگوں کی رہنمائی کے لیے اپنے رسول بھیجتا ہے۔ اس لیے دنیا میں جتنے بھی رسول آتے رہے۔ سب کی تعلیم یہی تھی اور جو لوگ اپنے زمانے کے پیغمبر پر ایمان لاکر اس کی بتائی ہوئی ہدایات پر عمل کرتے رہے وہ سب مسلمان تھے۔ تمام پیغمبر چونکہ ایک ہی مقصد اور تعلیم لے کر آتے رہے اس لیے تمام رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ پیروی صرف اپنے وقت کے نبی کی ضروری ہوتی ہے۔ کیونکہ آخری نبی نے پچھلے تمام نبیوں سے مختلف اور اپنے ماحول کے مطابق شریعت (قوانین) سے کرایا ہے۔ لہٰذا اب دینِ اسلام سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے دین (قرآن) اور اس کی پیروی ہے۔ کیونکہ حضرت محمد صلعم تمام انسانوں کے لیے

اور ہمیشہ کے لئے پیغمبر بناکر بھیجے گئے تھے۔ (مختلف انبیاء علیہم السلام کی آمد کی وجہ اور ضرورت کی مزید وضاحت آگے "ایمان بالرسل" یعنی رسولوں پر ایمان کے شروع میں دیکھئے۔)

ایمان کسی چیز کو سمجھ کر مان لینا ایمان کہلاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ ایمان کسی چیز کے یقینی علم کو کہتے ہیں اسی مناسبت سے مومن یا مسلم اس شخص کو کہا جائے گا، جو ایک اللہ کو کل کائنات کا خالق و مالک مانتا ہو۔ اس کے پیغمبروں کو برحق سمجھتا ہو اور موت کے بعد اپنے اعمال کی جزا اور سزا پر دلی یقین رکھتا ہو، اور پیروی آخری نبی کی کرتا ہو۔

انسان کی نیت (دلی خواہش) اس کے اعمال کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے، کہ "اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے" یہی نیت دراصل انسان کا ایمان ہوتی ہے، جو اسے مخصوص کام پر آمادہ کرتی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ایمان اور عمل کا بنیادی تعلق ہے۔ جتنا مضبوط اور مستحکم ایمان ہوگا۔ اسی حیثیت سے اعمال ظاہر ہوں گے۔ اسلام پر ایمان کی مضبوطی سب سے بڑی نعمت ہے۔ کیونکہ اس سے وہ ہدایت ملتی ہے۔ جس سے دنیا اور آخرت دونوں کی فلاح اور کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

کفر لغوی اعتبار سے کفر کسی چیز کے چھپانے یا پردہ پوشی کو کہتے ہیں۔ دینی اصطلاح میں کفر یہ ہوگا، کہ جب کسی شخص کے سامنے دین اسلام پیش کیا جائے اور وہ شخص جاننے کے بعد بھی اس پر ایمان نہ لائے یا اس کے احکام کی پیروی سے انکار کر دے۔

اس لئے رسول اللہ صلعم کی بعثت سے پہلے کے زمانہ کو زمانۂ جاہلیت

تا ہے اور ان لوگوں کو جاہل، کیونکہ جب تک ان کے سامنے حقائق دین نہ
ئے وہ جاہل یعنی نادان، بے خبر اور ان سمجھ تھے، کافر نہ تھے۔ کافر اس وقت
لائے جب ان کے سامنے اسلام پیش کیا گیا اور انہوں نے جان کر بھی اس سے
کار کر دیا۔

کفر دراصل سب سے بڑی جہالت ہے۔ جو انسان کی عقل پر پردہ ڈال
یتا ہے اور اصل حقائق سے بہت دور رکھتا ہے۔ کافر بھی اللہ ہی کی
ی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ لیکن اللہ کے احکام کی پیروی سے
کار کر کے سب سے بڑی ناشکری کا اظہار کرتا ہے۔ اللہ نے ہی اسے پیدا
یا۔ دل و دماغ عطا کئے، ہاتھ پاؤں دیئے اور دنیا میں ہر ضرورت کی چیز
یدا کر دی۔ حقیقت میں یہ اللہ کا سب سے بڑا اس پر احسان ہے۔ لیکن
فر اللہ کی حقیقت سے انکار کر کے سب سے بڑا نمک حرام بنتا ہے۔ غور
یجئے۔ کافر پھر بھی اللہ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ جو کچھ کرتا ہے، خود اپنے اوپر
لم کرتا ہے۔

شرک شرک کے لغوی معنی ساجھی بنانا، شریک ٹھہرانا، حصہ یا حصہ دار
بنانا کے ہیں۔ مذہبی اعتبار سے شرک کے معنی اللہ کا ساجھی بنانا
ہے یعنی جو صفات اللہ تعالےٰ کی ہیں وہ اللہ کے سوا کسی اور میں بھی ماننا جیسے
ی کو یہ سمجھنا کہ اسے ہر بات معلوم ہے جو چاہے کر سکتا ہے، بھلا یا برا کرنا اس کے
ختیار میں ہے اور یہ کہ اللہ کی تعظیم اور سجدہ بھی کسی اور کو کرنا۔ یہ تمام صفات
رف اللہ ہی کے لیے ہیں۔ اگر کسی اور جاندار اور بے جان چیز میں یہ صفات
ان میں سے ایک صفت بھی مانی جائے تو یہ شرک ہوگا اور اللہ کو شرک اس
ذر ناپسند ہے کہ اس کا قطعی فیصلہ کر دیا کہ شرک کرنے والا (مشرک) ہرگز بخشا۔

نہیں جائے گا۔ سورۂ نساء کے اٹھارویں رکوع کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۞

اللہ کے ہاں بس شرک ہی کی بخشش نہیں ہے۔ اس کے سوا اور سب کچھ معاف ہو سکتا ہے جسے وہ معاف کرنا چاہے۔ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔

بالکل یہی مضمون اور مفہوم سورۂ نساء کے ساتویں رکوع میں بھی بیان ہے۔ دراصل اس سے زیادہ کیا گناہ ہے کہ جیسے خدا سے مراد مانگی جائے۔ ویسے ہی اس کے بندوں یا کسی بت وغیرہ سے مانگی جائے تو گویا مالک اور غلام خالق اور مخلوق کو برابر کر دیا۔ یہی شرک ہے۔ مسلمان کو شرک سے توبہ کرنا سب چیزوں پر مقدم ہے۔ کیونکہ اور گناہ اگرچہ کبیرہ (بڑے) ہوں ان میں بخشش کی امید ہے۔ اور شرک وہ بلا ہے کہ جس کو اللہ تعالےٰ ہرگز نہ بخشے گا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا "اللہ کے ساتھ شرک نہ کرو۔ اگر تمہیں کوئی قتل کرے یا جلا دے۔"

نفاق

نفاق اس دورنگی کو کہتے ہیں جس میں بظاہر زبان سے نیک اور عمدہ باتیں کہی جاتی ہیں۔ لیکن دل سے ان کے خلاف عمل ہوتا ہے۔ یہ دراصل سب سے خطرناک دھوکا ہے اور ایسا کرنے والے کو منافق کہا جاتا ہے۔ منافقین چونکہ معاشرے کے بدترین دشمن اور سب سے زیادہ بگاڑ پیدا کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس لیے قرآن نے بہت سی جگہوں پر ایسے لوگوں

صحیح صحیح نفسیاتی تجزیہ بیان کیا ہے تاکہ نیک اور اللہ سے ڈرنے والے لوگ ایسے لوگوں سے ہوشیار رہیں اور معلوم ہو جانے پر ان لوگوں کو دوست نہ بنایا جائے اور نہ ہی ان پر کسی معاملہ میں اعتماد کیا جائے۔ منافق لوگ بظاہر اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرتے ہیں لیکن اندر سے مسلمانوں کی جڑ کاٹتے رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ معاشرے میں کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن میں دی ہوئی وضاحت کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:۔

منافقین اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں۔ یہ لوگ اپنے نفاق کی بیماری کے چکر میں ہی ساری دوڑ دھوپ کرتے رہتے ہیں کیونکہ انہیں اپنی اس دورخی اور فریب کاری پر پورا بھروسہ ہوتا ہے اور دیانت دارانہ طور پر وہ کام اس لیے نہیں کرتے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ دیانتداری سے کہیں وہ کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔ لیکن جب اللہ ان کے دل میں چھپی ہوئی بات ظاہر کر دیتا ہے۔ تو دوسرے اہل ایمان تب حیران ہو کر کہتے ہیں کہ کیا یہ وہی لوگ ہیں جو فلاں فلاں نیکی اور دیانت داری کے وعدے کیا کرتے تھے یعنی نفاق آخر کار کھل کے ہی رہتا ہے۔ پھر ان سے دوستی کی ممانعت ہے۔ کیونکہ یہ دوسروں کو بھی کفر میں مبتلا کر کے اپنے ساتھ ملانا چاہتے ہیں۔ ان منافقوں کی پالیسی بڑی عجیب قسم کی ہوتی ہے ۔ یہ دیکھتے ہیں کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے اگر فائدہ اپنی طرف تو ادھر اگر فائدہ دوسری طرف تو پھر یہ بھی دوسروں کے بھائی۔ حقیقتاً یہ لوگ کفر و ایمان کے درمیان ڈانواں ڈول ہوتے ہیں، نہ پورے اس طرف اور نہ پورے اس طرف (سورۂ آل عمران رکوع ۱۷، سورۂ النساء رکوع ۱۲-۲۰-۲۱، سورۂ مائدہ رکوع ۸)

منافق اپنے کردار اور اعمال کے لحاظ سے کافروں سے کسی طرح کم نہیں ہوتے آخرت میں ان کے اعمال بالکل ضائع ہو جائیں گے اور یہ ناکام و نامراد ہو کر سب سے بڑی سزا پائیں گے۔

إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا

یقین جانو کہ اللہ منافقوں اور کافروں کو جہنم میں ایک جگہ جمع کرنے والا ہے۔

(سورۂ نساء۔ رکوع ۲۰)

حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ۔

ان کے سب اعمال ضائع ہو گئے۔ اور آخرکار یہ ناکام و نامراد ہو کر رہے۔

(سورۂ مائدہ۔ رکوع ۸)

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا۔

یقین جانو کہ منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں جائیں گے اور تم کسی کو ان کا مددگار نہ پاؤ گے۔

(سورۂ نساء رکوع ۲۱)

عقائدِ اسلام

کسی چیز پر دلی یقین ہونا عقیدہ کہلاتا ہے۔ اسلام میں مندرجہ ذیل پانچ عقائد پر ایمان لانا لازمی ہے :۔

۱۔ اللہ پر ایمان۔
۲۔ اس کے فرشتوں پر ایمان
۳۔ اس کی کتابوں پر ایمان
۴۔ اس کے پیغمبروں پر ایمان
۵۔ قیامت پر ایمان

ان عقائد کو اجزائے ایمان بھی کہتے ہیں اور اس مکمل ایمان کو ایمان مفصل کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ فقہاء اسلام نے ایمان مفصل کو قرآن اور سنت کی روشنی میں یوں بیان کیا ہے۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ ط	میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں اور اسکے پیغمبروں پر اور آخرت کے دن (قیامت) پر اور نیکی اور بدی کا اندازہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے اور موت کے بعد زندہ ہونا حق ہے۔

۱۔ ایمان باللہ

(اللہ پر ایمان)

اللہ کی توحید پر ایمان اسلام کی سب سے زیادہ اہم اور بنیادی تعلیم ہے۔
عقیدۂ توحید یہ ہے کہ اللہ ایک ہے۔ صرف وہی عبادت کے قابل ہے وہ
کسی چیز کا محتاج نہیں بلکہ سب لوگ اس کے محتاج ہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد
ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ کوئی دوسرا اس کی برابری کرنے والا
نہیں ہے۔

نیز وہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا اور مارنے والا ہے۔ وہی رازق ہے
جسے چاہے زیادہ دے، جسے چاہے کم دے، وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے
تمام کائناتِ ارض و سما کے انتظامات اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ اس لیے انسان
کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسی کے آگے ہاتھ پھیلائے اور ہر چیز کے حصول
پر اسی کا شکریہ ادا کرے۔

عقیدۂ توحید کا کئی لحاظ سے انسانی زندگی پر اثر پڑتا ہے۔ جو مختصراً مندرجہ
ذیل ہے

(۱) چونکہ اللہ انسان کی ہر حالت سے باخبر رہتا ہے۔ اس لئے مسلمان ہر
ظاہری حالت میں اس سے ڈرتا رہتا ہے اور برائیوں سے بچ کر نیک
کاموں کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(۲) ایک ہی آقا و مالک کا محتاج ہونے سے مسلمان میں حد درجہ عجز و انکسار

پیدا ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے توحید کے نہ ماننے والا ہر کمال کو اپنی قابلیت کا نتیجہ سمجھ کر مغرور اور سرکش ہو جاتا ہے۔

(۳) مسلمان صرف اللہ ہی کو رازق سمجھ کر اس کے دیئے ہوئے پر قناعت کر کے سکونِ قلب حاصل کرتا ہے۔ لیکن کفار دہریے اور مشرکین حرص و ہوس کے بندے ہوتے ہیں۔ اس لیے سکون سے ہمیشہ محروم رہتے ہیں۔

(۴) مسلمان صرف اللہ ہی کو ہر شے پر قادر سمجھتا ہے۔ اس لیے کبھی اس سے ناامید اور مایوس نہیں ہوتا۔ مشرکین، کفار اور دہریے اپنے محدود بھروسے کی وجہ سے مایوسی کے متوقع رہتے ہیں۔

(۵) خدا ہی چونکہ نفع و نقصان پر قدرت رکھتا ہے۔ اس لیے مسلمان اس کے سوا اور کسی سے نہ ڈرتا ہے، نہ جھکتا ہے اور اس طرح اپنے اندر ایک خودداری پیدا کر لیتا ہے۔

(۶) چونکہ خدا ہی وسیع کائنات کا مالک اور پالنے والا ہے۔ اس لیے اس پر ایمان رکھنے والا بھی وسیع النظر ہو جاتا ہے۔ اور محدود وسائل رکھنے والوں کی طرح تنگ نظر نہیں ہوتا۔

(۷) خدا چونکہ ہر چیز سے بے نیاز ہے اور بغیر اثر و رسوخ کے عدل و انصاف کرتا ہے۔ اس لیے مسلمان اپنی نجات کے لیے نیک عمل کرتا ہے۔ اور تزکیۂ نفس کا ہمیشہ خیال رکھتا ہے۔ لیکن دوسری طرف کفار اور مشرکین اپنے بزرگوں کی سفارش کو ذریعہ نجات سمجھ کر ہر برا کام کرنے سے گریز نہیں کرتے اور دہریے تو اپنے آپ کو ہر گرفت سے آزاد سمجھتے ہیں۔

(۸) مسلمان خدا کو ہر شے کا مالک سمجھتا ہے۔ اس لیے اس کی خوشنودی کے

لیے جان و مال تک قربان کر دینے کو تیار ہو جاتا ہے ۔ موت پر بھی اللہ ہی کو دا
سمجھ کر بے خوف اور بہادر بنتا ہے ۔ اس کے برعکس کفار مشرکین ا
اور دہریے موت سے ڈرتے ہیں ۔ اس لیے نہایت بزدل اور کمزو
رہتے ہیں ۔

(۹) ایک اللہ پر ایمان رکھنے والا صرف اللہ سے ہی مدد اور فتح کا متو
رہتا ہے ۔ اس لیے ہر کام یقین اور پختہ ارادے سے کرتا ہے ۔
اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ اس آقا و مالک کی مدد سے کام کر رہا ہے
قادر مطلق ہے ۔

اسمائے حسنیٰ

اسمائے حسنیٰ اگر اد وہ تمام نام ہیں جو خدا کی صفات ظاہر کرتے ہیں ۔ خدا کا اپنا ذاتی نام اللہ ہے ۔ جو کہ دوسری ہستی کے لیے استعمال نہیں ہو سکتا ۔ قرآن مجید میں اللہ کے صفاتی جا بجا ملتے ہیں ۔ علمائے کرام نے ان ناموں کو ننانوے (۹۹) تک گنا ہے ان میں سے چند نام مندرجہ ذیل ہیں ۔

اَلْاَحَدُ :۔ اکیلا ۔ یکتا	اَلْحَسِیْبُ :۔ حساب لینے والا
اَلْوَاحِدُ :۔ ایک	اَلْغَفَّارُ :۔ معاف کرنے والا
اَلْخَالِقُ :۔ پیدا کرنے والا	اَلسَّمِیْعُ :۔ سننے والا
اَلْحَیُّ :۔ زندہ رہنے والا	اَلْبَصِیْرُ :۔ دیکھنے والا
اَلْجَبَّارُ :۔ زبردست	اَلْعَلِیْمُ :۔ جاننے والا

یہ صفاتی نام قرآن میں اکثر آیات کے اختتام پر آتے ہیں ۔ یعنی جہاں یہ
نام آتے ہیں اس سے پہلے کی آیت یا آیات کے مضمون میں حقیقتاً انہی ناموں
کی وضاحت اور تفصیل ہوتی ہے ۔ مثلاً سورۃ نساء کے آٹھویں رکوع اور آیت

نمبر ۵۸ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کر دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔ اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقیناً اللہ سب کچھ سنتا (سمیع) اور دیکھتا (بصیر) ہے" اس آیت میں دو صفاتی نام بیک وقت استعمال ہوئے ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ نے لوگوں کو ایک عمدہ نصیحت کے ذریعے حکم دیا کہ امانتوں میں خیانت نہ کی جائے بلکہ حقداروں کو واپس لوٹا دی جائیں اور معاملات میں پورا عدل و انصاف ہونا چاہیئے۔ بعد میں اللہ فرماتا ہے کہ میں سمیع اور بصیر ہوں اس طرح کہ اگر تم نے میرے حکم کی ذرا بھر بھی نافرمانی کی تو اس گمان میں مت رہنا کہ تم چوری چھپے جو کر لو گے اس کو پوچھنے والا کوئی نہیں رہیں تو ہر چیز اور بات کو سنتا ہوں اور خوب دیکھتا ہوں ایک ایک عمل تمہارا تمہارے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ جب تم لوٹ کر میرے پاس آؤ گے۔

اسی طرح باقی نام بھی قرآن میں جہاں کہیں آئے ہیں اپنی پوری وضاحت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ ان اسمائے حسنیٰ کے بیان کر دینے کی اصل غرض و غایت یہ ہے کہ انسان کہیں اپنی نادانی اور جہالت کی بنا پر ان تمام صفات کو کسی دوسری ہستی (اللہ کے سوا) کے ساتھ شامل نہ کر دے کیونکہ ایسا کرنا اور یقین رکھنا شرک ہے۔

یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ خدا کے ذاتی نام "اللہ" کے علاوہ باقی نام (صفاتی) انسانوں کے نام رکھے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ یہاں انسانوں کے ساتھ (نعوذ باللہ) ان ناموں سے اللہ کی صفات شامل کرنا مقصود نہیں ہوتا یہاں تو صرف ایک بہتر نام ہے کسی کو پکارنے کے لیے نام رکھا جاتا ہے اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ چونکہ انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب کی حیثیت سے دنیا میں آیا ہے اس لیے وہ اس (اللہ)

کی ہر صفت کا مظہر بننے کی کوشش میں لگا رہے تاکہ خلافت اپنے صحیح معنو
میں نمودار ہو۔ یعنی اگر اللہ رب العالمین ہے تو انسان بھی اپنی استطاعت
لحاظ سے کمزوروں کی پرورش اور تربیت سے غافل نہ رہے، اگر اللہ رحم
ہے تو انسان بھی دوسروں کے لیے رحمت کا نمونہ بنتا رہے، اور اگر اللہ اکعدل
مقسط (انصاف والا) ہے تو انسان بھی عدل وانصاف کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے د

۲- ایمان بالملائکہ

(فرشتوں پر ایمان)

اس عقیدے سے عقیدہ توحید مضبوط ترین ہو جاتا ہے۔ مشرکین ایک کے بجائے کئی خدا
کے قائل ہوتے ہیں۔ ان کے لیئے دنیا میں ہر کام کے لیے علیحدہ علیحدہ خدا کی ہستی ہے جیسے
دیوتا یا ایسے ہی کسی دوسرے نام سے پکارتے ہیں مثلاً آگ، سورج، پانی وغیرہ سب ا
کے دیوتا ہیں اور انہی خداؤں سے وہ ہر مدد کے متوقع رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ ان کے
نزدیک بہت سے خیالی اور پوشیدہ خداؤں کا بھی تصور ہے۔ جو اپنی طاقت پر قدر
رکھتے ہیں۔ ان پوشیدہ خداؤں کے بت اور مورتیاں بنا کر انہیں پوجا جاتا ہے اور
طرح کی نذریں بھی ان پر چڑھائی جاتی ہیں۔

فرشتوں پر ایمان لانے سے ایسے تمام پوشیدہ دیوتاؤں اور خداؤں کو باطل اور
قرار دے دیا جاتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کے نظام کے لیے فرشتے پیدا کئے ہوئے
جو دنیا کا ہر کام اللہ کے حکم کے مطابق سرانجام دیتے ہیں۔ فرشتوں کو خود کچھ اختیار نہیں کہ ا
مرضی سے جو چاہیں کر دیں۔ وہ تو اللہ کی مرضی اور منشا سے ذرہ بھر سرکشی نہیں کر سکتے۔

فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں اسی لیے وہ وجود نہیں رکھتے اور نہ ہی ہمیں نظر آتے ہیں
یہ اللہ کی نیک مخلوق ہیں۔ جو گناہوں اور برائیوں سے بالکل پاک ہیں۔ اللہ کی عبادت ا
تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ اس کے حکم کی تعمیل کے لیئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ کچھ فرشتے انس
کے ہر چھوٹے بڑے عمل کو نوٹ کرتے رہتے ہیں جو انسان کی موت کے بعد اس کی زندگی کا
اعمال نامہ خدا کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک مقدس ا

برگزیدہ فرشتہ ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ کے احکام پیغمبروں کے پاس پہنچاتے ہیں۔ انسانوں کی روح قبض کرنے کے لیے عزرائیل فرشتہ مقرر ہیں۔ الغرض دنیا میں ہر کام کے لیے اللہ نے علیحدہ علیحدہ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں۔

۳۔ ایمان بالکتب

(کتابوں پر ایمان)

ایمان بالکتب سے مراد اللہ کی ان کتابوں پر ایمان ہے۔ جو اس نے مختلف زمانوں میں اپنے پیغمبروں پر نازل کیں۔ حضرت ابراہیم کے پاس صحیفے اترتے تھے جن کو صحفِ ابراہیمؑ کہتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ پر تورات نازل ہوئی۔ حضرت داؤدؑ کو زبور دی گئی۔ حضرت عیسیٰؑ پر انجیل اتاری گئی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل کیا گیا۔ ان الہامی کتابوں کے علاوہ اور بہت سی کتابیں ہوں گی۔ جو دوسرے پیغمبروں پر اتاری گئیں۔ لیکن ان کے نام ہمیں بتائے نہیں گئے۔ اس لیے وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اور کون سی کتاب ہے۔ جو کسی پیغمبر پر اتاری گئی۔ ہمارا عقیدہ اس معاملے میں یہ ہے کہ اللہ کی بھیجی ہوئی کتابیں سچی اور برحق تھیں۔

قرآن مجید سب سے آخری الہامی کتاب ہے جو مکمل راہ ہدایت ہونے کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے نازل کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ باقی کتابیں یا تو سرے سے گم ہیں یا جو ملتی ہیں مثلاً زبور تورات اور انجیل تو

یہودیوں اور عیسائیوں نے طرح طرح کی خود سا
چیزیں شامل کر دی ہیں ۔ اصل کتابیں نہیں ملتیں
کتابوں میں تحریف (بات کا محل بدلنا) کا پتہ قرآن
بھی ملتا ہے اور خود یہودی اور عیسائی بھی مانتے ہیں کہ ا
کے پاس اصل کتابوں کی بجائے صرف ترجمے باقی ہیں ۔ قرآ
اور اس سے پہلی کتابوں میں مندرجہ ذیل فرق ہے :۔

۱۔ پہلی کتابوں میں سے کوئی کتاب بھی زندگی کے ہر شعبے
راہ نمائی کے لیے مکمل نہیں ۔ لیکن قرآن ہر لحاظ سے زند
کی پوری پوری راہ نمائی کرتا ہے ۔

۲۔ پچھلی تمام کتابیں خاص اپنی اپنی قوم کے لیئے نازل ہوئیں
اس لئے ہر زمانے کے لیے قابل عمل نہیں ہیں ۔ لیکن قرآن ہمیش
کے لیے نازل کیا گیا ہے ۔ اور ساری دنیا کے لیے ہدایت لے کر آیا

۳۔ ان کتابوں کے صرف ترجمے ملتے ہیں ۔ اصل کتابیں ناپید ہیں
دوسرے ان کتابوں کی اصل زبان دنیا میں اب کہیں نہیں بولی جاتی
اس لیے اصل کتابوں کو بھی سمجھنا انسان کے بس سے باہر ہے ۔
لیکن قرآن کی زبان (عربی) کروڑوں انسان بولتے ہیں ۔ اور نہ

۴۔ پرانی کتابوں کے لیے تاریخی شواہد اور سند بھی موجود
نہیں کہ فلاں کتاب کس زمانہ میں اور کس نبی پر اتری تھی ۔
لیکن قرآن کی ایک ایک آیت کے متعلق تاریخی سند اور
شہادتیں موجود ہیں کہ کب اور کس موقع پر نازل ہوئیں ۔

۵۔ پچھلی کتابوں میں کلام اللہ کے ساتھ لوگوں نے اپنی طرف سے بہت

چیزیں شامل کردی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض کتابوں میں بے راہ روی، بے انصافی، ظلم وستم اور بد اخلاقی تک کی چیزیں ملادی گئی ہیں۔ لیکن قرآن ایسی تمام خرافات اور شورشوں سے پاک ہے۔ اس میں ایک لفظ تک کی تحریف نہیں ہوئی۔

ان وجوہ کی بناء پر ہمارا عقیدہ پچھلی کتابوں سے متعلق صرف یہ ہے کہ تمام کتابیں جو پیغمبروں پر نازل ہوئیں سچی اور برحق تھیں۔ وہی تعلیم جو کتابوں کی تھی، قرآن نے کر آیا لیکن جو چیزیں ادھوری اور نامکمل تھیں کو پورا کردیا۔ اس لیے اب یہ لازمی ہوگیا کہ پچھلی کتابوں کی بجائے صرف ان کی پیروی کی جائے اور یہ ہدایت کسی قوم یا خطۂ ارض کے لیے نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لیے اور ہمیشہ کے لیے نازل ہوئی ہے۔

قرآن میں جن چار مشہور کتابوں کا ذکر آیا ہے۔ ان کے مختصر حالات درجہ ذیل ہیں:۔

تورات یہ کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اس کی زبان عبرانی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے پیرو یہودی تھے یہودیوں پر کے ہمسایہ ملک اکثر حملہ آور ہوتے رہے جس کی وجہ سے ان کے ملک میں تباہی بربادی ہوتی رہی۔ ان انقلابات کی وجہ سے تورات بھی کئی دفعہ ضائع ہوئی اور ربار یہودی علماء نے اسے پھر لکھا۔ اور اس طرح خود غرض لوگوں نے بہت سی خود ساختہ چیزیں اس میں شامل کردیں۔ اور اصل کتاب کی بجائے تحریف شدہ تورات کی پیروی ہونے لگی۔ جس میں بے راہ روی اور بداخلاقی تک کی چیزیں بھی شامل ہوچکی تھیں۔

مروجہ تورات پانچ حصوں پر مشتمل ہے:۔

کتاب پیدائش :۔ اس کتاب میں پیدائش کائنات سے لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کے وقت تک کے حالات درج ہیں

کتاب الخروج :۔ اس میں حضرت موسیٰؑ کے ابتدائی حالات اور بنی اسرائیل کا مصر سے خروج درج ہے

باقی کتابوں میں حضرت موسیٰؑ کی زندگی اور ان کی شریعت کی تفصیل ملتی ہے۔

۲۔ زبور

معنوی لحاظ سے زبور لکھی ہوئی کتاب کو کہتے ہیں۔ زبور جمع زُبُر ہے۔ یہ کتاب اللہ تعالےٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل فرمائی۔ قرآنِ مجید میں اللہ نے فرمایا ہے کہ "ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔ (بنی اسرائیل)

حضرت داؤد بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے۔ آپ حضرت عیسٰی علیہ السلام سے تقریباً ایک ہزار سال پہلے گزرے ہیں۔ بڑے طاقت ور اور شجاع بادشاہ تھے۔ ان کا دارالحکومت یروشلم (بیت المقدس) تھا۔ آپ نے قریب کی پہاڑیوں میں ایک مخصوص جگہ اللہ کی عبادت کے لیے بنائی ہوئی تھی۔ آپؑ کو اللہ تعالےٰ نے نہایت بلند اور سُریلی آواز بخشی ہوئی تھی۔ جب آپؑ زبور پڑھتے تھے تو چرند اور پرند تک وہاں اکٹھے ہو جاتے اس کے علاوہ اللہ نے آپ کو یہ خوبی بھی عطا کی ہوئی تھی کہ آپ کے ہاتھ پر لوہا موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔ چنانچہ لوہے سے بہت سے صنعتی کام لیے گئے۔

۳۔ انجیل

یہ کتاب حضرت عیسٰی علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ قرآن مجید میں انجیل کا ذکر بہت سی جگہوں پر ہوا ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے:

"ہم نے عیسیٰؑ ابن مریم کو ان (پیغمبروں) کے نقش قدم پر بھیجا۔
جس نے پہلے بھیجی ہوئی تورات کی تصدیق کی اور ہم نے اُس
(حضرت عیسیٰؑ) کو انجیل دی۔ جس میں ہدایت اور نور تھی اور اس
میں پہلے اتری ہوئی تورات کی تصدیق اور پرہیزگاروں کے لیے
ہدایت اور نصیحت ہے۔"

کچھ عرصہ بعد لوگوں نے حضرت عیسیٰ کے حالاتِ زندگی قلمبند کرنا شروع
[کیا]۔ جس میں بہت سی غیر مستند چیزیں شامل ہو گئیں۔ پھر ان چیزوں کو اصل
[ان]جیل کے ساتھ ملا کر کئی بار نئے سرے سے انجیل لکھی گئی۔ ہر بار کچھ نہ کچھ اضافے
[ہو]تے گئے۔ آج بھی انجیل کی کتابوں کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ
[خ]دا کے کلام کے ساتھ ایسی ایسی چیزیں لکھی ہوئی ہیں جن کا خدا کے کلام سے
[دو]ر کا تعلق بھی نہیں۔ انجیل کے ترجمے بہت سی زبانوں میں کئے گئے ہیں اور کئی
[کت]ابوں میں سے مندرجہ ذیل چار کتابیں عیسائیوں کے ہاں معتبر مانی جاتی
ہیں :-

۱۔ متی کی انجیل ۔ ۲۔ مرقس کی انجیل ۔ ۳۔ لوقا کی انجیل ۔ ۴۔ یوحنا کی انجیل

۴۔ قرآن مجید

قرآن سب سے آخری الہامی کتاب ہے جو حضرت
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی۔ آنحضرت
صلعم کی عمر چالیس برس کی تھی۔ جب آپؐ کو نبوت کے علم سے سرفراز کیا گیا۔ اور
قرآن کا نزول شروع ہوا۔ آہستہ آہستہ حالات اور ضرورت کے مطابق احکام
نازل ہوتے رہے اور پورے تیئس (۲۳) برس کی مدت میں سارا قرآن اتارا گیا۔
قرآن کا دو تہائی حصہ مکہ معظمہ میں نازل ہوا۔ سب سے پہلی آیات میں نبی کریم
صلعم کے لیے تعلیمات نازل ہوئیں۔ پھر لوگوں کے غلط رویہ کی نشان دہی کر کے

صحیح رویہ کی طرف دعوت دی گئی۔ اس کے نتیجہ سے جب ایک چھوٹی سی جماعت تیار ہو گئی اور کفار مخالفت پر تل گئے تو پر جوش خطیبوں کی شکل میں پیغامات نازل ہونے شروع ہوئے۔ جن میں رسول کی پیروی کرنے والوں کے لیے دنیا و آخرت میں انعامات بتلائے گئے۔ اور کافروں کو جہنم کے ہولناک مناظر دھمکایا گیا۔ اس کے بعد جب مخالفت بہت زیادہ بڑھ گئی تو مسلمانوں نے ہجرت کر کے مدینہ میں اپنی ریاست قائم کر لی یہاں انہیں معاشرتی اصول اور حکومت کے تمام قوانین کی ضرورت تھی۔ چنانچہ قرآن کے باقی ایک تہائی حصے میں انہی چیزوں کو قدرے تفصیل کے ساتھ نازل کیا گیا۔

صاف ظاہر ہے کہ اس طرح قرآن ایک دعوت کے ساتھ اترا اور ترتیب کے ساتھ سارے مرحلوں میں ضرورت کے مطابق حصے نازل ہوتے رہے اور تقریروں کی صورت میں جیسے اترتے ویسے ہی پھیلائے جاتے اگرچہ محفوظ بھی کر لیے جاتے تھے۔ اس لیے پیغامات اور احکام کا طرز خطابت دعوت کے عین مناسب حال تھا۔ ایک ہی چیز کو ہر بار نئے الفاظ اور نئے طریق سے ادا کیا گیا۔ تاکہ لوگ ایک ہی چیز کو ایک ہی انداز میں بار بار سننے سے تھک اور اکتا نہ جائیں۔

مکمل قرآن اترنے کے بعد دعوت اسلامی ارتقائی مرحلے طے کر کے پایۂ تکمیل تک پہنچ چکی تھی۔ اس لیے قرآن کی بھی ایک نئی اور مستقل ترتیب کی ضرورت تھی۔ مسلمانوں کو اب اسلام سے ناواقف لوگوں کے پاس دعوتِ اسلام اور تبلیغ دین کے لیے پہنچنا تھا۔

اور اس سلسلے کو ہمیشہ کے لیے جاری رکھنا درکار تھا۔ چنانچہ اسی ضرورت کے تحت قرآن کو مروجہ شکل میں ترتیب دیا گیا۔ یہ ترتیب اللہ تعالےٰ کے حکم اور

نام کے مطابق دی گئی۔ آنحضرت صلعم کو اس ترتیب میں کوئی ذاتی دخل نہ تھا۔

قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے اٹھایا ہے۔ قرآن میں ذکر ہے کہ "ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں"

(سورۂ حجر رکوع ۱)

رسول اللہ صلعم وحی آنے پر لوگوں کو سنا دیا کرتے تھے۔ کچھ لوگ حفظ کر لیتے تھے اور مقرر شدہ حضرات آیات لکھ لیا کرتے تھے۔ قیام مکہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ قرآن لکھا کرتے اور ہجرت کے بعد اور بہت سے صحابہ جن میں زیدؓ بن ثابت بھی تھے۔ کتابت کے کام پر مامور کیے گئے۔ خود آنحضرت صلعم لوگوں سے قرآن سنا کرتے تھے۔ تاکہ وحی کے ساتھ اقوال رسول بھی شامل نہ ہو جائیں۔ نزولِ وحی کے تھوڑے عرصے بعد خود لوگ بھی اس قابل ہو گئے تھے کہ وحی اور اقوال رسول میں بآسانی فرق سمجھ لیتے تھے حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں قرآن ابھی تک مختلف حصوں میں تھا۔ جنگ یمامہ میں بہت سے لوگ جو قرآن کے حافظ تھے۔ شہید ہو گئے۔ اس لیے حضرت عمرؓ کے مشورے سے حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کے تمام منتشر حصے اکٹھے کر کے اہتمام کے ساتھ یک جا لکھوا دیئے۔ قرآن کا یہ نسخہ حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس رہا۔ پھر ان کے بعد ان کی بیٹی حضرت حفصہؓ کی حفاظت میں رہا۔ پھر حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد خلافت میں بڑے اہتمام سے صحیح اور مستند قرآت (   ) کے مطابق ربہ صحتِ زبان اہل قریش) قرآن کے کچھ نسخے لکھوائے اور عرب سے باہر اسلامی ممالک میں بھی بھیج دیئے۔

بنو امیہ کے زمانے تک قرآن کے حروف پر زیر زبر پیش وغیرہ نہ تھیں۔
اہل عرب تو محاورے سے صحیح تلفظ کے ساتھ قرآن پڑھ لیتے تھے۔ لیکن
اہل عجم (غیر عربی) کے لیے صحیح صحیح پڑھنا بہت مشکل تھا۔ چنانچہ حجاج بن یوسف
نے جو بنو امیہ کے عہد میں (۹۵ھ) عراق کے ایک صوبے کا حاکم تھا
کے الفاظ پر نقطے اور زیر زبر پیش وغیرہ لگوائیں۔

۴۔ ایمان بالرسل

(رسولوں پر ایمان)

چوتھا عقیدہ اللہ کے پیغمبروں پر ایمان لانا ہے۔ چونکہ تمام پیغمبر اصولی طور پر
ایک ہی تعلیم لے کر آتے رہے۔ اس لیے کسی ایک پیغمبر کو جھٹلانا کفر ہے
اور تمام نبیوں کے جھٹلانے کے مترادف ہے۔ لہٰذا یہ لازمی ہو گیا کہ تمام انبیاء
پر اس حیثیت سے ایمان لایا جائے کہ وہ سب برحق نبی تھے اور اسلام کی تعلیم
لے کر آئے تھے۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار
نبی آئے۔ جن نبیوں کے نام اور تفصیلات قرآن میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ
نبیوں کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب اور کس قوم
میں آئے۔ اور ان کی کونسی کتابیں ہیں۔ ہم صرف ان کے پیغمبر ہونے کی تصدیق
یوں کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں ایک پیغمبر بھیجا جو اپنی قوم کو خدا کی بندگی
کرنے کی تلقین کرتا تھا اور شیطان سے بچنے کی ہدایت کرتا تھا۔ سورۃ النحل میں اللہ
تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِی كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا	اور ہم نے ہر قوم میں ایک پیغمبر بھیجا

...عبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ۔

رجس نے پیغام دیا، کہ اللہ کی بندگی کرو اور شیطان سے بچتے رہو۔

پھر سورۂ فاطر کے رکوع نمبر ۳ میں فرمایا

وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ۔

اور کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس میں کوئی ڈرانے والا (متنبہ کرنے والا) نہ آیا ہو۔

پیغمبر اعلیٰ طبیعت اور غیر معمولی قابلیت کا مالک ہوتا ہے کیونکہ اللہ لوگوں سے ایک بہترین انسان چن کر اسے دین کے علم سے سرفراز کرتا ہے اور اخلاق اور شریعت (قوانین) سکھاتا ہے۔ اس طرح پیغمبر اور ایک عام ان میں نمایاں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر پیغمبر لوگوں کو ہدایت سکھاتا ہے اور وہ باتیں بیان کرتا ہے جو عام انسان سوچ بھی نہیں سکتے۔ وہ ہمیشہ سچ بولتا ہے تمام معاملات نہایت دیانتداری اور خوش اسلوبی سے انجام دیتا ہے۔ بے جا اور برے کاموں سے پرہیز کرتا ہے لوگوں کو برے کاموں سے منع کرتا ہے اور نیک کاموں کی ترغیب دیتا ہے۔ اس کی زندگی سراپا ہدایت ہوتی ہے اس کا ہر کام اللہ کی خوشنودی کے لئے ہوتا ہے۔ خود غرضی قطعاً کہیں نہیں پائی جاتی۔ ان تمام اوصاف کی وجہ سے پیغمبر کی پہچان ہو جاتی ہے اور پہچان کے بعد اس کی پیروی لازمی بلکہ فرضِ اولین قرار پاتی ہے۔

پہلے زمانوں میں دنیا کی آبادی کم تھی۔ ذرائع آمدورفت محدود تھے مختلف قومیں اپنے اپنے علاقوں میں بستی تھیں۔ ہر قوم اپنا علیحدہ معاشرہ، حالات اور ضروریات رکھتی تھی۔ چنانچہ کسی ایک تعلیم اور ہدایت کا ہر قوم میں پہنچنا اور پھیلنا بہت مشکل تھا لہذا ضروری تھا کہ ہر قوم میں اس کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے

علیحدہ پیغمبر بھیجا جاتا۔ اسی ضرورت کے تحت اللہ تعالیٰ نے مختلف [illegible]
میں ہر قوم کے پاس ایک پیغمبر بھیجا جو ان کے مخصوص حالات کے مطابق [illegible]
لے کر آیا۔ چنانچہ ہر بعد کے آنے والے پیغمبر کی شریعت مختلف ہوتی [illegible]
حالات بدلنے لگے، لوگوں کے ذرائع بڑھتے گئے۔ ہر کام میں ترقی ہو[illegible]
آمدورفت آسان ہو گئی اور اس ترقی کے ساتھ ساتھ لوگوں کے ذہن بھی کس[illegible]
بلند ہوتے گئے۔ پیغمبر آتے رہے اور حالات کے مطابق تعلیم دیتے [illegible]
ضرورت محسوس ہونے لگی کہ مذہب کو دور دور پھیلایا جائے۔ لوگ [illegible]
کی تعلیمات لے کر دوسرے ممالک میں جانے لگے۔ یہ حالات حضرت [illegible]
کے زمانے تک پیدا ہو چکے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کے بعد دنیا کے لئے [illegible]
ہمہ گیر مذہب کی ضرورت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آخری نبی حضر[illegible]
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دینِ اسلام ایک جامع اور مکمل مذہب کی [illegible]
میں دے کر بھیجا۔

حضرت محمدؐ کی آمد پر یہ لازمی ہو گیا کہ اب صرف انہی کی پیروی کی جا[illegible]
آنحضرت صلعم تمام انسانوں کے لئے اور ہمیشہ کے لئے نبی بنا کر بھیجے
تھے۔ نیز پچھلے پیغمبروں کی تعلیمات یا تو سرے سے گم ہیں یا جو ملتی ہیں،
بعد کے لوگوں نے خود ساختہ چیزیں شامل کر کے انہیں ناقابل عمل بنا دیا [illegible]
یہ کہ پہلے پیغمبروں کی تعلیم وقتی ضرورت کے لئے ہونے کی وجہ سے [illegible]
لیکن آنحضرت صلعم کو ایک مکمل ہدایت (قرآن) دی گئی۔ جس کے آجا[illegible]
تعلیمات آپ سے آپ منسوخ ہو گئیں۔

اب چند ان مشہور پیغمبروں کے حالات مختصراً طور پر بیان کئے جا[illegible]
جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔

...رت آدم علیہ السلام

قرآن مجید میں آیا ہے۔ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَ
...نہ عرشہ علی الماء (اور وہ (اللہ) ایسا ہے کہ سب آسمان اور زمین
...دن میں پیدا کیا اور اس وقت اس کا عرش (حکومت) پانی پر تھا۔

(سورۃ ہود رکوع ۱)

...س سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے صرف پانی ہی
...ین و آسمان کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا
...ب سے پہلے انسان تھے۔ انہیں نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ علم دیا اور دنیا
...م چیزوں کے نام سکھا دیے۔ پھر اللہ نے حضرت آدمؑ کو زمین کی خلافت
...نے کا ارادہ کیا تو فرشتوں نے کہا کہ اے اللہ یہ تو زمین پر فساد کریں گے
...ن بہائیں گے اور ہم تو تیری حمد و ثنا میں مشغول رہتے ہیں۔ اللہ نے کہا جو
...جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ پھر اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ حضرت آدمؑ کو سجدہ
...شتوں نے حکم کی تعمیل کی لیکن ابلیس نے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ تو مٹی سے پیدا
...گئے ہیں جس کی فطرت نیچے کو گرنا ہے اور میں آگ سے بنایا گیا ہوں۔ جو
...ی شکل میں ہمیشہ اوپر کو اٹھتی ہے۔ میرا مقام بہر حال بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ کو
...رمانی پسند نہ آئی۔ چنانچہ ابلیس کو مردود (راندہ ہوا) قرار دے کر شیطان کا
...دیا۔

...تھوڑے عرصے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا (عورت) کو پیدا کیا۔ دونوں
...ت میں میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے لگے۔ انہیں حکم ہوا کہ جو چاہو کھاؤ لیکن
...ن خاص درخت کے پاس جانے کی اجازت نہیں۔ شیطان کے بہکانے سے
...رت آدمؑ نے اس درخت کا پھل کھا لیا۔ بعد میں انہوں نے غلطی محسوس کی۔

اللہ تعالیٰ نے غلطی تو معاف کر دی لیکن کہا کہ اب جنت کے مستحق تب
جب دنیا میں رہ کر میری ہدایت کے مطابق عمل کرو گے دوسروں (اپنی اولاد)
بھی ہدایت دو گے اور موت کے بعد لوٹ کر میرے پاس آؤ گے۔ چنانچہ
حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا کو زمین پر بھیج دیا گیا۔

حضرت آدمؑ اپنی بیوی کے ساتھ زمین پر رہنے لگے۔ ان کی اولاد پھیلی
پھولی۔ آج تمام انسان انہی کی اولاد ہیں۔ حضرت آدم ۹۳۰ برس کی عمر
فوت ہوئے۔

حضرت نوح علیہ السّلام

حضرت آدمؑ نے اپنی اولاد کو اللہ کی
سکھائی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد لوگ
کی نافرمانی کرنے لگے اور بتوں کی پرستش شروع کر دی۔ ان لوگوں کی ہدایت
لیے اللہ نے حضرت نوحؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو
طرف بلایا اور بت پرستی سے روکا۔ لیکن وہ باز نہ آئے۔ بلکہ حضرت نوح علیہ
کو تنگ کرنے لگے۔ آخر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے
بددعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو حکم دیا کہ تم ایک کشتی تیار کر لو کیونکہ
ایک بہت بڑا عذاب نازل کرنے والا ہوں۔ کشتی تیار ہو گئی تو حکم ملا کہ اس
جانوروں کا ایک ایک جوڑا (نرو مادہ) سوار کر لو۔ اس کے بعد زور کی بارش
چالیس دن تک متواتر ہوتی رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف پانی ہی پانی نظر آ
تمام نافرمان لوگ جن میں ایک حضرت نوحؑ کا بیٹا یام بھی تھا۔ تباہ و برباد ہو
کئی مہینے یہ طوفان برپا رہا۔ آخر پانی اترنے لگا۔ کشتی میں جو چند لوگ اور
سوار تھے۔ سب لوگ اللہ کے فضل سے محفوظ رہے اور انہی کی اولاد
پھر دنیا قائم ہوئی۔ اس لحاظ سے حضرت علیہ السلام کو آدم ثانی بھی کہ

[حض]رت نوحؑ ۹۵۰ برس کی عمر میں فوت ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام

تقریباً ساڑھے چار ہزار سال پہلے کا ذکر ہے کہ عراق کے ملک پر ایک بت پرست اور [ظال]م بادشاہ حکمران تھا جس کا نام نمرود تھا۔ لوگوں میں سورج چاند اور ستاروں کی [پر]ستش عام تھی۔ انہی لوگوں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک جلیل القدر [پی]غمبر حضرت ابراہیمؑ بھیجے۔ آپؑ نے لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور انہیں سمجھایا [ک]ہ یہ سورج، چاند اور ستارے سب اللہ ہی کی پیدا کردہ چیزیں ہیں اور اسی کے [حک]م سے یہ نکلتے ہیں اور ڈوب جاتے ہیں۔ اس لئے تم اس خدا کی پرستش کرو [جو] سب کا مالک ہے۔

ایک دفعہ حضرت ابراہیمؑ نے بتخانے میں جا کر بتوں کو توڑ پھوڑ دیا۔ اور ایک بڑے بت کے ہاتھ پر ایک کلہاڑا رکھ دیا۔ جب لوگوں کو علم ہوا تو انہوں نے حضرت ابراہیمؑ سے پوچھا۔ آپ نے کہا کہ اپنے بڑے بت سے پوچھو۔ لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ انہی کا کام ہے۔ چنانچہ نمرود کے پاس شکایت کی۔ بادشاہ غصہ میں آ گیا اور ایک بہت بڑی آگ تیار کروائی تا کہ حضرت ابراہیمؑ کو جلا دیا جائے۔ آگ جلائی گئی اور حضرت ابراہیمؑ کو اس میں ڈال دیا گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ "اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیمؑ کے لئے سلامتی کا باعث بن۔" آگ ٹھنڈی ہو گئی اور حضرت ابراہیمؑ کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ کچھ عرصہ بعد نمرود بیمار ہوا اور سخت تکلیف کی حالت میں مر گیا۔

حضرت ابراہیمؑ بڑے نرم دل اور بردبار طبیعت کے مالک تھے۔ اللہ کی خوشنودی کے لئے سخت سے سخت مصیبتیں جھیلیں وطن چھوڑ کر عرب آ گئے۔ لیکن تبلیغ دین سے منہ نہیں موڑا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بڑی تعریف کی ہے اور فرمایا کہ "میں

میں تجھے سب قوموں کا امام بنانے والا ہوں۔،،

تقریباً نوے سال کی عمر میں آپؑ کو اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹا عطا کیا۔ جس کا نام آپ نے اسمٰعیلؑ رکھا۔ اللہ کے حکم سے آپ نے اپنی بیوی ہاجرہؓ اور دودھ پیتے بچے کو ایک ویران جگہ میں چھوڑ کر اللہ کے سپرد کیا اور تبلیغ کے لئے آگے بڑھے۔ حضرتؓ ہاجرہ اللہ کی مرضی پر راضی تھیں۔ خاموش بیٹھ گئیں جب بچے نے پیاس کی شدت سے رونا شروع کیا تو حضرت ہاجرہؓ اپنے پاس کی دو پہاڑیوں صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے لگیں۔ اللہ تعالیٰ نے ماں اور بچے پر اپنے رحمتیں نازل فرمائیں۔ جہاں بچہ پاؤں مار رہا تھا۔ وہاں ایک عمدہ پانی کا چشمہ پیدا کر دیا۔ یہ وہی چشمہ ہے جسے آج زمزم کے نام سے پکارتے ہیں اور حضرت ہاجرہ کی دوڑ کو اللہ تعالیٰ نے اتنا پسند کیا کہ ادائیگی حج میں صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا لازمی قرار پایا۔

ایک دفعہ حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ کیا کہ اپنے بیٹے کو میرے لئے قربان کر دو۔ حضرت ابراہیم نے بیٹے سے پوچھا۔ فرمانبردار بیٹا اللہ کی خوشنودی پر راضی تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے چھری تیز کی اور حضرت اسمٰعیل کی آنکھیں باندھ کر زمین پر لٹا دیا۔ اللہ کو حضرت ابراہیمؑ کا جذبہ اور ایثار دیکھنا فوراً آپؑ کا ہاتھ روک لیا گیا اور فرمایا کہ اے ابراہیمؑ تو نے خواب سچا کر دکھایا مقصود تھا دیکھ لیا گیا اور بیٹے کی بجائے مینڈھے کی قربانی کا حکم ہوا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کے اس واقعے کی یاد تازہ رکھنے کے لئے آج بھی مسلمان ہر سال عیدالضحیٰ پر قربانیاں کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل کے ساتھ مل کر اللہ کی عبادت کے لئے ایک گھر بنایا جو بیت اللہ یا خانہ کعبہ کے نام سے یاد کیا

جاتا ہے۔ یہ دنیا کی پہلی مسجد تھی جو صرف اللہ کی عبادت کے لیے تعمیر کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو اتنی عزت بخشی کہ آج تمام مسلمان اسی کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے ہیں۔ اور اگر استطاعت ہو تو وہاں پہنچ کر فریضہ حج ادا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ حضرت ابراہیمؑ سے کیا تھا کہ ہم تجھے سب قوموں کا امام بنانے والے ہیں پورا کر دکھایا۔ آپؑ کی نسل میں سے بہت سے پیغمبر کئے حتیٰ کہ آخر میں سید المرسلین خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہی کی اولاد میں سے پیدا کئے۔ اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو خلیل اللہ کا لقب عطا کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام اسرائیل کے لقب سے مشہور تھے۔ اسی نسبت سے ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ ایک دفعہ سخت قحط کی وجہ سے بنی اسرائیل مصر چلے گئے اور وہیں آباد ہو گئے۔ کچھ مدت بعد مصر میں ایک ظالم بادشاہ ہوا۔ اس زمانے میں مصر کے بادشاہ فرعون کے لقب سے مشہور تھے یہ ظالم فرعون مصر اپنے آپ کو خدا سمجھنے لگا۔ ایک دن فرعون کے ایک نجومی نے اسے بتایا کہ تمہاری سلطنت میں ایک شخص پیدا ہونے والا ہے جو تیری حکومت کا تختہ الٹ دے گا۔ فرعون خدائی کا دعویدار تو تھا ہی غصہ میں آگیا اور حکم دیا کہ آج سے جب کسی کے لڑکا پیدا ہو اسے قتل کر دیا جائے۔ اس انتہائی ظلم سے لوگ بہت پریشان تھے۔ لیکن ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہو۔

اسی زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدا

کیا۔ حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے بیٹے کو ایک صندوق میں رکھ کر دریا میں بہا دیا اور حضرت موسیٰ کی بہن کو پیچھے جانے کے لئے روانہ کیا۔ فرعون کے محل کے سامنے سے دریا گزرتا تھا۔ جب یہ صندوق وہاں سے گزرا تو فرعون کی بیوی کی نگاہ پڑی۔ صندوق منگوا کر دیکھا تو ایک نہایت خوبصورت بچہ سویا ہوا نظر آیا۔ فرعون کی بیوی نے اپنے خاوند کو سمجھا بجھا کر بچے کو اپنے پاس رکھ لیا۔ بچہ کسی عورت کا دودھ نہ پیتا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کی بہن یہ سارا سلسلہ دیکھ رہی تھی اس نے کہا کہ فلاں عورت کو بھی بلا کر دیکھ لیں۔ شاید اس کا دودھ پی لے چنانچہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے پھر حضرت موسیٰؑ کو اپنی ماں سے ملا دیا۔ اور فرعون کے محلات میں پرورش ہونے لگی۔ اللہ کی شان دیکھئے۔ کہ جس فرعون نے نوزائیدہ لڑکے مروانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اسی کے گھر میں اس لڑکے کی پرورش شروع کرادی جو فرعون کو اس کے ظلم وستم کا مزہ چکھانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔

حضرت موسیٰؑ فرعون کے گھر ہی میں جوان ہوئے۔ ایک دن بازار میں ایک اسرائیلی اور ایک قبطی (مصر کا اصلی باشندہ) آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ حضرت موسیٰ کا وہاں سے گزر ہوا۔ اسرائیلی کی مدد کے لیے حضرت موسیٰؑ نے قبطی کو مکہ مارا۔ اتفاق سے قبطی مر گیا۔ تمام قبطی بدلہ لینے پر تل گئے اور فرعون کو بھی علم ہو گیا۔ حضرت موسیٰؑ وہاں سے بھاگ کر دور نکل آئے۔ راستے میں ایک جگہ حضرت شعیب علیہ السلام بیٹھے تھے اور ان کی دو لڑکیاں قریب ہی کنویں پر کھڑی انتظار کر رہی تھیں کہ دوسرے مرد فارغ ہو کر کنواں چھوڑیں تو وہ بھی اپنی بکریوں کو پانی پلائیں۔ حضرت موسیٰؑ آگے بڑھے۔ پانی نکالا اور ان کی بکریوں کو پلا دیا اور الگ ہو کر سایہ میں لیٹ گئے۔ پھر اپنے لیے اللہ سے دعا کی۔ حضرت

شعیب علیہ السلام بہت بوڑھے تھے۔ اپنی ایک لڑکی کو بھیج کر حضرت موسیٰؑ کو بلایا اور کہا اور کہ اگر آپ میرے پاس آٹھ سال رہیں اور میرے کام میں میری مدد کریں تو میں اپنی ایک لڑکی کا نکاح آپ سے کردوں گا۔ حضرت موسیٰؑ رضامند ہوگئے اور ساتھ چل کر رہنے لگے۔ مدت ختم ہونے کے بعد اپنی بیوی کو ساتھ لے کر مصر کی طرف آئے۔ راستہ میں بیوی کے لئے آگ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ قریب کی پہاڑی پر آگ نظر آئی۔ چنانچہ ادھر گئے۔ وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی نبوت سے سرفراز کیا۔ پھر حضرت موسیٰؑ نے دعا کی کہ اے اللہ میرے بھائی ہارونؑ کو جو مجھ سے زیادہ فصیح زبان رکھتا ہے۔ میرا مددگار بنا چنانچہ دعا قبول ہوگئی۔

حضرت موسیٰؑ نے مصر پہنچ کر فرعون کو اللہ کا پیغام سنایا۔ اسے ہدایت کی اور معجزات دکھلائے لیکن فرعون نے آپ کو جادوگر کہا۔ پھر حضرت موسیٰؑ اپنی قوم (بنی اسرائیل) کو ساتھ لے کر چپکے سے مصر سے نکلے۔ فرعون کو علم ہوگیا اور ایک بھاری فوجی دستے لے کر تعاقب کے لئے نکلا۔ حضرت موسیٰؑ جب دریا پر پہنچے تو اپنا عصا (ڈنڈا) پانی پر مارا۔ دریا کا پانی دو حصوں میں بٹ گیا اور درمیان میں رستہ چھوڑ دیا۔ حضرت موسیٰؑ تمام ساتھیوں سمیت دریا پار کر گئے۔ فوراً بعد فرعون بھی آ پہنچا۔ دریا میں رستہ دیکھ کر پار کرنا چاہا لیکن ابھی درمیان میں تھا کہ پانی اصلی حالت پر آگیا اور اس طرح فرعون فوج سمیت تباہ ہوگیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریمؑ اپنے وقت کی افضل ترین عورت تھیں (سورۃ آل عمران رکوع ۵) ان کی پرورش ان کے خالو حضرت ذکریا علیہ السلام پیغمبر خدا نے کی تھی۔ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش معجزانہ طور پر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے

آپ کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔حضرت مریمؑ گود میں بچہ لیے آئیں تو لوگ جمع ہو گئے اور کہنے لگے کہ اے مریمؑ یہ کیا غضب کر دیا! نہ تمہارا باپ برا تھا اور نہ ہی تمہاری ماں بدکار تھی یعنی تو نے یہ بری حرکت کیوں کی۔ حضرت مریمؑ نے بچہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اسؑ سے پوچھ لو اصل واقع کیا ہے۔ لوگ کہنے لگے کہ یہ بچہ بھلا کیا جواب دے سکتا ہے۔ لیکن حضرت عیسیٰؑ خود ہی بول اُٹھے کہ "میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اسی نے مجھ کو کتاب (انجیل) دی ہے۔ اور مجھ کو نبی بنایا۔ ——— اور مجھ کو برکت والا بنایا ہے۔ میں جہاں کہیں بھی ہوں (اس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ جب تک میں (دنیا میں) زندہ ہوں اور مجھ کو میری والدہ کا خدمت گزار بنایا۔ اور اس نے مجھ کو سرکش اور بد بخت نہیں بنایا۔ اور مجھ پر (اللہ کی جانب سے) سلامتی ہے۔ جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میں مروں گا اور جس روز (قیامت) میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ یہ ہیں عیسےٰ ابن مریمؑ میں بالکل سچی بات کہہ رہا ہوں۔ جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ (کسی کو) اولاد اختیار کرے وہ (بالکل) پاک ہے۔ وہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو بس اس کو ارشاد فرما دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے۔ اور بے شک اللہ میرا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ سو (صرف) اس کی عبادت کرو یہی (دین کا) سیدھا رستہ ہے۔" (سورۂ مریم رکوع ۲)

لوگ یہ منظر دیکھ کر سہم گئے۔ اور بہتان باندھنے والوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

بعض حضرات یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش بغیر باپ کے معجزانہ طور پر نہیں ہوئی تھی بلکہ بالکل معروف فطری طریقہ سے ہوئی تھی۔

جس طرح دنیا میں عورتوں کے ہاں ہوا کرتا ہے۔ لیکن یہ معنی یا تفسیر بالکل غلط ہے۔ سورۂ آل عمران کے پانچویں رکوع میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ "اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ تجھے اپنے ایک فرمان کی خوشخبری دیتا ہے۔ اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا اور آخرت میں معزز ہوگا۔ اللہ کے مقرب بندوں میں شمار کیا جائے گا لوگوں سے گہوارے میں بھی کلام کرے گا۔ اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی۔ اور وہ ایک مرد صالح ہوگا۔ سن کر مریم بولی پروردگار! میرے ہاں بچہ کہاں سے ہوگا۔ مجھے تو کسی شخص نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ جواب ملا (کذٰلک) ایسا ہی ہوگا۔ اللہ جو چاہتا ہے۔ پیدا کرتا ہے۔ وہ جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ فرماتا ہے تو بس کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔" ان آیات میں صاف طور پر معجزانہ پیدائش کا ذکر ہے یعنی باوجود اس کے کہ کسی مرد نے تجھے ہاتھ نہیں لگایا تیرے ہاں بچہ پیدا ہو گا۔ یہی لفظ (کَذٰلِکَ) ایسا ہی ہوگا۔ پیچھے یعنی چوتھے رکوع میں حضرت زکریا کے جواب میں کہا گیا ہے اور اس کا جو مفہوم وہاں ہے وہی یہاں بھی ہونا چاہیئے۔ نیز بعد کا فقرہ بلکہ پچھلا اور اگلا سارا بیان اسی معنی کی تائید کرتا ہے کہ حضرت مریمؑ کو صنفی مواصلت کے بغیر بچہ پیدا ہونے کی بشارت دی گئی تھی اور فی الواقع اسی صورت سے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش ہوئی۔ ورنہ اگر بات یہی تھی کہ حضرت مریمؑ کے ہاں اسی معروف فطری طریقہ سے بچہ پیدا ہونے والا تھا۔ جس طرح دنیا میں عورتوں کے ہاں ہوا کرتا ہے اور اگر حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش فی الواقع اسی طرح ہوئی ہوتی تو یہ سارا بیان قطعی مہمل ٹھہرتا۔ جو آل عمران کے چوتھے رکوع سے چھٹے رکوع تک چلا جا رہا ہے اور وہ تمام بیانات بھی بے معنی قرار پاتے ہیں۔ جو ولادت مسیح کے

باب میں قرآن کے دوسرے مقامات پر ہمیں ملتے ہیں۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو الٰہ (معبود) اور ابن اللہ (اللہ کا بیٹا) اسی وجہ سے سمجھا تھا کہ ان کی پیدائش غیر فطری طور پر بغیر باپ کے ہوئی تھی اور یہودیوں نے حضرت مریمؑ پر الزام بھی اسی وجہ سے لگایا کہ سب کے سامنے یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ ایک لڑکی غیر شادی شدہ تھی اور اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ اگر یہ سرے سے واقعہ ہی نہ تھا۔ تب ان دونوں گروہوں کے خیالات کی تردید میں بس اتنا کہہ دینا بالکل کافی تھا کہ تم لوگ غلط کہتے ہو وہ لڑکی شادی شدہ تھی، فلاں شخص اس کا شوہر تھا۔ اور اسی کے نطفے سے پیدا ہوئے تھے۔ یہ مختصر سی دو ٹوک بات کہنے کی بجائے آخر اتنی لمبی تمہیدیں اٹھانے اور پیچ در پیچ باتیں کرنے اور صاف صاف مسیح بن فلاں کہنے کی بجائے مسیحؑ بن مریم کہنے کی آخر کیا ضرورت تھی جس سے یہ بات سلجھنے کی بجائے اور الجھ جائے۔ پس جو لوگ قرآن کو کلام اللہ مانتے ہیں۔ اور پھر مسیح علیہ السلام کے متعلق یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کی ولادت حسبِ معمول باپ اور ماں کے اتصال سے ہوئی تھی۔ وہ دراصل ثابت یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اظہارِ ما فی الضمیر اور بیانِ مدعا کی اتنی قدرت بھی نہیں رکھتا۔ جتنی خود یہ حضرات رکھتے ہیں۔ (معاذ اللہ)

حضرت عیسیٰؑ نے لوگوں کو راہِ ہدایت دکھائی۔ برائیوں سے منع کیا۔ اور نیک کاموں کی ترغیب دی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کئی معجزات دیئے مثلاً مُردوں کو زندہ کرنا، پیدائشی اندھے اور کوڑھی (جذام) کو تندرست کرنا اور لوگوں کو بتا دینا کہ وہ گھر سے کیا کھا کر آئے ہیں اور کیا وہاں چھوڑ

ئے ہیں لیکن بنی اسرائیل آپ کو جھٹلاتے رہے۔ صرف تھوڑے سے
ل ایمان لائے جو حواری کہلاتے تھے۔

جب یہودیوں نے دیکھا کہ حضرت عیسیٰؑ ان کی بدکرداریوں اور ریاکاریوں
کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اور ان کی عیش پرستی میں رکاوٹ بنے ہوئے
ہیں تو انہوں نے مکر و فریب سے آپؑ کو گرفتار کر کے سولی پر چڑھانے
کا تہیہ کر لیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک اور شخص کو حضرت عیسیٰؑ کا ہم شکل
بنا دیا اور حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر اٹھا لیا۔ جس سے آپؑ تو محفوظ رہے
اور وہ ہم شکل سولی پر چڑھایا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل کتاب نازل کی۔ آپؑ
نے پہلی بھیجی ہوئی کتاب توراۃ کی تصدیق کی اور لوگوں کو خوش خبری سنائی
کہ میرے بعد اللہ کا آخری نبیؐ آنے والا ہے جس کا نام احمدؐ (حضرت
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو روح اللہ اور
کلمۃ اللہ کے القاب عطا کیے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے پیروؤں نے جو عیسائی کہلانے
لگے۔ انجیل کو کئی بار بدلا۔ اور اس میں طرح طرح کی تحریف کر دی اور حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ اور پیغمبر کہنے کی بجائے اس کا بیٹا کہنے لگے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تقریباً چھ سو برس
بعد ملک عرب کے شہر مکہ میں آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
پیدا ہوئے۔ آپؐ کی والدہ حضرت آمنہ نے آپؐ کا نام احمد رکھا لیکن دادا
عبدالمطلب نے محمدؐ پسند کیا اور یہی دوسرا نام مشہور ہوا۔

آنحضرت محمد صلعم پہلے پیغمبروں کی طرح کسی خاص امت یا کسی خاص وقت کے لئے نہیں بھیجے گئے۔ بلکہ آپ آخری نبی کی حیثیت سے ایک مکمل راہ ہدایت (قرآن) دے کر انسانوں کے لئے اور ہمیشہ کے لئے بھیجے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "اے محمدؐ! تمام انسانوں سے کہہ دو میں تم سب کی طرف خدا کا رسول (بھیجا گیا) ہوں"۔ (سورۂ اعراف)

آپ خاتم النبیین ہیں یعنی آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں، آپ صلعم کی حیثیت آخری نبی کی ہے (سورۂ احزاب) آپؐ تمام جہانوں کی رحمت بن کر آئے۔ خود اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین کا لقب دیا (سورۂ انبیا) اللہ نے آپؐ کے اخلاق کی بہت تعریف کی ہے قرآن میں فرمایا۔ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (اور بے شک آپؐ اخلاق حسنہ کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں) الغرض آپ ہر لحاظ سے تمام انسانوں سے افضل پیدا کئے گئے۔

آنحضرت صلعم چونکہ تمام انسانوں کے لئے اور ہمیشہ کے لئے راہ ہدایت (قرآن) لائے تھے۔ اس لئے آپ کی آمد پر پچھلے تمام مذاہب کی پیروی ختم ہو گئی۔ اور پہلی تمام تعلیمات آپ سے آپ منسوخ ہو گئیں۔ اب صرف حضرت محمد صلعم کی پیروی لازمی ہے اور یہی ذریعہ نجات ہو گئی ؛

آنحضرتؐ کے حالاتِ زندگی بالتفصیل اس کتاب کے پہلے حصے میں آ چکے ہیں ؛

———(۴)———

۵-ایمان بالآخرت (آخرت پر ایمان)

اسلام کا پانچواں عقیدہ آخرت پر ایمان لانا ہے۔ آخرت سے مراد قیامت کا دن ہے۔ جب تمام دنیا ختم کر دی جائے گی۔ انسانوں کو دوبارہ زندگی ملے گی۔ اور لوگ اللہ کے حضور میں حاضر ہوں گے۔ جو جو کچھ لوگ دنیا میں کرتے رہے، اس کا حساب لیا جائے گا۔ انصاف کے ساتھ جانچ تول کر فیصلہ ہوگا۔ برے اعمال کی زیادتی پر دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جلنا ہوگا۔ اور اچھے اعمال کی زیادتی والے جنت کی راحتوں اور آسائشوں میں مزے لیں گے۔

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اللہ پر ایمان اور آخرت پر ایمان ساتھ ساتھ ذکر ہوئے ہیں جس سے آخرت پر ایمان کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے

۱۔ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (سورۃ البقرہ رکوع ۲۲) — جو کوئی اللہ پر اور آخرت پر ایمان لایا۔

۲۔ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (سورۃ توبہ رکوع ۷) — وہ لوگ جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس عقیدے کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ اس کے بغیر باقی چار عقیدے بالکل بے مقصد اور بے معنی ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جب کوئی شخص یہ سمجھتا ہو کہ نیکی کا صلہ نہیں ملے گا تو وہ نیکی کرے گا کیوں؟ اور اگر کسی شخص کا یہ ایمان ہو کہ وہ خواہ کتنی ہی برائیاں کرے اور لوگوں پر ظلم و ستم کرے۔ اسے کوئی پوچھنے والا نہیں تو وہ کیسے اپنی حرکتوں سے باز آ سکتا ہے؟ جس شخص کا

قیامت پر ایمان ہوگا۔ اسے خواہ دنیا میں کتنی ہی مصیبتوں اور ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑے۔ وہ آخرت کی زندگی کی کامیابی کے لیے کوشاں رہے گا اور نیکی کا صلہ دنیا میں لینے کی بجائے آخرت میں لینے کو ترجیح دیگا، اسے یقین ہوگا کہ اللہ اکی ذرہ بھر نیکی بھی ضائع نہیں ہونے دے گا۔ برعکس اس کے جس شخص کا قیامت پر ایمان نہیں ہے وہ اگر کوئی اچھا کام کرے گا تو صرف اس نقطۂ نظر سے کہ اس کا فائدہ اس کی ذات کو دنیا میں ہی مل جائے گا اور ایسا شخص خواہشات نفسانی کا مطیع ہوکر ہر برا کام کرنے پر آمادہ ہوسکتا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ قوانین ملک سے ڈر کر بعض برے کاموں سے بچتا رہے گا۔ لیکن جب بھی ایسے قوانین کی زد سے بچ کر وہ موقع پائے گا برے کاموں سے گریز نہیں کرے گا۔ یہ صرف اللہ ہی کا ڈر ہے جو انسان کو ظاہری اور چھپی ہوئی دونوں حالتوں میں نیکی پر آمادہ کرتا ہے کیونکہ مومن جانتا ہے کہ اللہ ہر حالت سے باخبر رہتا ہے اور انسان کو اپنے ہر عمل کا حساب خدا کے سامنے دینا ہوگا۔

قیامت سے متعلق مختلف عقائد

دنیا میں کچھ لوگ ایسے مذہب سے تعلق رکھتے ہیں جن کا عقیدہ یہ ہے انسان کی موت کے بعد اسے کوئی دوسری زندگی ملنے والی نہیں۔ جو مر گیا وہ بالکل ختم ہوگیا گویا وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہیں موت کے بعد کا حال یقینی طور پر معلوم ہے۔ لیکن غور کیجیے کہ یہ کس طرح کسی چیز کے نہ ہونے کا اعلان کرسکتے ہیں جبکہ انھوں نے وہ چیز دیکھی ہی نہیں کیونکہ کسی چیز کا نہ دیکھا ہونا قطعاً اس بات کی دلیل نہیں ہوتی کہ وہ چیز سرے سے وجود ہی نہیں رکھتی۔ یہ لوگ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ موت

ے بعد کیا ہونے والا ہے۔

پھر دوسرے لوگ وہ ہیں جو یہ ایمان رکھتے ہیں کہ مرنے بعد انسان بار جنم لیتا ہے۔ (ہندوؤں کا مسئلہ آواگون) اگر وہ دنیا میں اچھے کام اہا تو دوسرے جنم میں بہتر انسان بن کر آئے گا۔ یا کوئی اچھا حیوان یا درخت جائے گا۔ لیکن اگر وہ برے کام کرتا رہا تو دوسرے جنم میں کمتر درجے کا حیوان رخت کی صورت اختیار کرے گا۔ اس عقیدے کا مطلب یہ ہوا کہ موجودہ انسان ساری کائنات کسی پہلے اچھے اور برے اعمال کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ انسان نے کے بعد فنا تو ہو نہیں سکتا اور کسی نہ کسی شکل میں ضرور دنیا پر موجود تا ہے لیکن اس عقیدہ کے ماننے والے یہ تو بتائیں کہ سب سے پہلے چیز موجود تھی؟ کیونکہ ہر چیز کسی پہلی چیز کے عمل کا نتیجہ ہے۔ یہ ایک ن (جیون زندگی) سے دوسرے جون میں جنم لینا صاف ظاہر ہے کہ کسی ب جون کو ابتدا نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ کیونکہ جس جون کو وہ ابتدائی جون ار دیں گے وہ بہرحال کسی پہلی جون کے عمل کا نتیجہ ہو گی۔ لہٰذا ثابت ا کہ یہ عقیدہ بھی عقل و فہم سے بالکل تعلق نہیں رکھتا۔

تیسرے وہ لوگ ہیں جو ایک خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور مرنے کے بعد وبارہ زندہ ہو کر خدا کے سامنے حاضر ہونا اور اپنے اعمال کی جزا یا زا پر یقین رکھتے ہیں یہ لوگ مسلمان کہلاتے ہیں خواہ کسی زمانہ سے تعلق کھتے ہوں۔ کیونکہ دنیا میں جتنے بھی پیغمبر آئے سب اسی عقیدہ آخرت پر ایمان رکھتے تھے۔

قیامت قیامت سے مراد وہ آخری دن ہے جب یہ ساری دنیا ختم کر دی جائے گی۔ قرآن مجید میں قیامت کے دن ہولناکیوں کے مناظر

مختلف انداز میں کئی جگہوں پر آئے ہیں۔ ان مناظر کا خلاصہ یہ ہوگا کہ اس زمین میں ایک نہایت سخت جنبش (بھونچال) پیدا ہوگی اور زمین پھٹنے لگے تمام مردے نکل نکل کر اللہ کی طرف دوڑنے لگیں گے۔ ہولناک قسم کی آواز پیدا ہوں گی۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر غبار کی صورت میں اس طرح ہوا میں جائیں گے جیسے دھنکی ہوئی رنگین اون۔ دریاؤں میں سخت طغیانی آجائے گی جوش سے ابل پڑیں گے۔ سورج، اور چاند اور ستارے بے نور ہوکر رہ جائیں گے ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے شروع ہوں گے۔ آسمان پھٹ جائے گا اور تیل تلچھٹ کی سی رنگت اختیار کرلے گا۔ نہایت پریشانی اور بے تابی کا عالم ہوگا یہ سارا واقعہ اتنی سرعت اور تیزی کے ساتھ شروع ہوگا کہ آنکھ جھپکنے کا وقت بھی زیادہ ہے۔ انسان کی آنکھیں خیرہ (چکا چوند) ہوجائیں گی۔ لوگ کہیں کہ آج زمین کو کیا ہوگیا ہے۔ اس انتہائی پریشانی اور گھبراہٹ کے باوجود لوگ ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔ لیکن کوئی دوست کسی دوست کے کام آسکے گا۔ کافر اس سراسیمگی اور پریشانی کی حالت میں یہ خواہش ظاہر کرے کہ کاش آج مجھے اس عذاب سے کوئی بچالے اور اس کے بدلے میں بیٹے، بیوی، بھائی، سارا کنبہ اور تمام اہلِ زمین کو مجھ سے لے لے۔ لیکن اس کی کچھ مدد نہ ہوسکے گی۔

رہی یہ بات کہ قیامت کب آئے گی تو اس سے متعلق صرف اللہ ہی کو صحیح علم ہے۔ خود رسول اللہ صلعم بھی نہیں جانتے تھے کہ قیامت کب ہوگی آنحضور صلعم نے بہت سی نشانیاں بتائی ہیں کہ جب ایسے حالات پیدا ہوجائیں تو سمجھو کہ قیامت قریب ہے۔ چند ایک نشانیاں درج ذیل ہے:—

علماء دین کی کمی کے باعث علم تقریباً ختم ہو جائے گا اس لیے جہالت
عام ہو گی۔ چونکہ حیا اور شرم نہیں رہے گی، اس لیے زنا بہت زیادہ ہو گا
شراب بہت پی جائے گی جو کئی اور بے حیائیوں کا باعث ہو گی۔ مرد تھوڑے
ہوں گے اور عورتیں زیادہ ہو جائیں گی، یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا ایک
سرپرست ہو گا (مطلب یہ کہ ایک کنبہ یا خاندان میں بکثرت عورتیں رہ جائیں گی۔
ان کا خبر گیر صرف ایک مرد ہو گا) اعلیٰ درجہ کے جھوٹے لوگ پیدا ہوں گے۔
یعنی جھوٹی حدیثیں بنانے والے، پیغمبری کا جھوٹا دعوےٰ کرنے والے
دین میں بدعات اور رخنے پیدا کرنے والے) سلطنت کے کام نالائق لوگوں
کے سپرد ہوں گے۔ لوگوں کے پاس بہت زیادہ دولت ہو جائے
گی۔ اور کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں ملے گا۔ عرب کی زمین باغوں اور نہروں
والی ہو جائے گی (المشکوٰۃ)

موت کے بعد دوبارہ زندگی

اللہ تعالیٰ سورۃ الزمر کے ساتویں رکوع میں فرماتا ہے کہ "(جب قیامت کے
روز) صور (نرسنگھا، سنگھ SIREN) میں پھونک ماری جائے گی تو تمام
آسمان اور زمین والوں کے ہوش اڑ جائیں گے۔ مگر جس کو خدا چاہے" پھر
سورۂ یٰسین کے چوتھے رکوع میں فرمایا کہ " (پھر دوبارہ) صور پھونکا جائے گا۔
تو سب لوگ یکایک قبروں سے نکل نکل اپنے رب کی طرف دوڑنے لگیں گے"
پھر ایک تیسری جگہ فرمایا ہے:۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ـ	پھر تم قیامت کے روز دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے (سورۃ المومنون)

مزید ثبوت کی خاطر اللہ تعالیٰ سورۂ قٓ کے پہلے رکوع میں فرماتے ہیں کہ

یہ جو کافر لوگ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد جب مٹی ہو گئے تو دوبارہ زندہ ہو
سخت محال ہے تو کیا ان لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ جس اللہ نے اتنا ا
اور بڑا آسمان بنایا اور ستاروں سے اسے آراستہ کیا، اتنی وسیع ز
بنائی جس میں طرح طرح کی خوشنما چیزیں اگائیں، پھر اوپر سے مینہ برسایا جس
سے بے شمار پھل اور اناج پیدا کیے۔ یعنی مردہ زمین کو زندہ کر دیا تو کیا ا
طرح وہ خدا مردے بھی دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟ سورۂ یٰسین
پانچویں رکوع میں اللہ فرماتا ہے:۔

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا — کہہ دیجیے کہ ان کو وہ زندہ کرے گا
أَوَّلَ مَرَّةٍ ط وَهُوَ بِكُلِّ — جس نے اوّل بار میں ان کو پیدا کیا
خَلْقٍ عَلِيمٌ — وہ سب طرح کا پیدا کرنا جانتا

دوبارہ زندگی ملنے کے بعد اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو ایک بڑے مید
میں جمع کرے گا تاکہ انھیں اعمال دکھائے جو انھوں نے دنیا کی زندگی
اور ان اعمال کا حساب لے کر لوگوں کو جزا و سزا دے۔ اللہ تعالےٰ
اس عدالت میں جمع ہونے کو حشر کہتے ہیں۔

حشر کے بعد لوگ قطاروں میں کھڑے کیے جائیں گے (سورۂ کہف
اور ان کا حساب لیا جائے گا۔ پیغمبروں تک سے حساب کتاب ہوگا (سورۂ
ذرا بھر نیکی یا برائی چھپی نہیں رہے گی۔ ہر شخص اپنے اعمال خود دیکھ لے گا
(سورۂ زلزال)، لوگوں کے منہ بند کر دیے جائیں گے اور ان کے ہاتھ اور
خود اس بات کی شہادت دیں گے جو وہ دنیا میں کرتے رہے (سورۂ یٰسین)
پھر اللہ تعالےٰ حق و انصاف کے ساتھ لوگوں کے اعمال کا جائزہ لے گا
کسی پر ذرا بھر ظلم نہ کیا جائے گا (سورۂ انبیاء) جس شخص کے اعمال

اچھے ہوں گے، فرشتے اس کا نامۂ اعمال اسے دائیں ہاتھ میں پکڑائیں گے اور وہ خوش خوش جنت میں داخل ہو کر اپنے متعلقین سے جا ملے گا۔ جس شخص کے اعمال برے ہوں گے، اس نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں پیچھے سے پکڑا دیا جائے گا۔ اور اسے دوزخ میں جانے کا حکم ہوگا (سورۂ انشقاق)

جنت میں لوگوں کے لیے ہمیشگی کی آسائشیں ہوں گی۔ ہر طرح کا آرام اور سکون ہوگا۔ دوسری طرف دوزخ میں بھڑکتی ہوئی آگ ہوگی، سخت تکالیف اور عذاب جھیلنے پڑیں گے۔

ارکانِ اسلام (عبادات)

اطاعت وعمل پچھلے پانچ عقائد کا تعلق انسان کے دل و دماغ سے تھا یعنی کسی چیز کا زبان سے اقرار کر کے دل سے اس کی تصدیق کرنا عقیدے پر ایمان لانا کہلاتا ہے۔ لیکن دین اسلام کسی زبانی جمع خرچ کا نام نہیں بلکہ عملی زندگی کا نام ہے۔ کسی چیز کا اقرار کر کے اس پر عمل پیرا ہونا ہی دراصل اس کا پایۂ تکمیل ہے۔ جب ایک شخص عقائد اسلام پر ایمان لاتا ہے تو پھر اس کے لیے اسلام کی اطاعت (عملاً) لازمی ہو جاتی ہے۔ غور طلب بات ہے کہ جب اللہ کو ایک شخص اپنا آقا و مالک مان لیتا ہے تو پھر اس کے احکام کی پیروی بھی لازمی ہوگی ورنہ وہ شخص مجرم قرار پائے گا اور سزا کا مستحق ہوگا۔ اللہ کی ہدایت چونکہ پیغمبروں کے ذریعے ہم تک

پہنچتی ہے اس لیے وقت کے پیغمبر کی پیروی اللہ کی اطاعت ہوگی۔ اب دیکھنا ہے کہ آخری نبی حضرت محمد صلعم نے ہم پر کون سے فرائض (ارکانِ اسلام) عاید کیے ہیں۔ جن پر عمل پیرا ہونا ہمارے لیے لازمی ہے اور جن پر عمل کیے بغیر ایک مسلمان برائے نام مسلمان ہوگا۔

عبادت

معنوی لحاظ سے عبادت بندگی، پوجا اور پرستش کو کہتے ہیں دینِ اسلام میں عبادت کا مفہوم کافی وسیع پیمانے پر سمجھا جاتا ہے۔ انسان عَبْد (بندہ۔ غلام) ہے اور اللہ اس کا مَعْبُود (قابلِ پرستش) ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق عمل کرنا داخلِ عبادت ہے۔ مثلاً والدین کی خدمت بہن بھائی اور رشتہ دار کے حقوق کا خیال، ہمسایہ، دوست اور دوسرے میل جول کے لوگوں سے عمدہ برتاؤ، معاملات میں دیانت داری، جھوٹ اور غیبت سے پرہیز، سچائی اور ایفائے عہد، غریب اور مسکین کی دلجوئی اور مدد، حلال اور جائز کمائی سے کنبہ پروری وغیرہ وغیرہ سب عبادت میں شمار ہوں گے۔ کیونکہ یہ سب کام اللہ کو پسند ہیں اور اس کے احکام کے مطابق کیے جاتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو یہ سب کام اسی صورت میں سرانجام پائیں گے۔ جب انسان اللہ سے ہر حالت میں ڈرتا رہے اور اللہ سے ڈرتے رہنا ہی سب سے بڑی عقلمندی ہے۔

پوری کی پوری زندگی اللہ کے احکام کے مطابق گزارنا دراصل سب سے بڑی عبادت ہے۔ اس بہت بڑی عبادت کو سرانجام دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے چند ایسی باضابطہ عبادتیں فرض کر دی ہیں جن کی باقاعدہ ادائیگی سے انسان اس قابل ہو جاتا ہے کہ ساری کی ساری زندگی کو اللہ تعالیٰ کی ہدایات

میں گزارے ۔ یہ چند عبادتیں ارکانِ اسلام (اسلام کے ستون) کہلاتے ہیں۔ گویا دین کی عمارت انہی ستونوں کے سہارے کھڑی ہے ۔ ان کے بغیر دین بے مقصد اور بے فائدہ ہو جاتا ہے ۔ ارکان اسلام پانچ ہیں :۔

۱۔ کلمہ طیبہ
۲۔ نماز
۳۔ روزہ
۴۔ زکوٰۃ
۵۔ حج

کلمۂ طیبہ

کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے جس کے معنے ہیں " اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ محمد اللہ کے رسول ہیں " یہ وہ پاک و مطہر کلام ہے جس پر ایمان لانے سے ایک شخص مسلمان کہلانے لگتا ہے ۔ یہ کلمہ اسلام کا پہلا رکن ہے ۔ اور اس کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ دین اسلام کی بنیاد ہے ۔ اس کے بغیر اسلام کی عمارت کھڑی رہ ہی نہیں سکتی ۔ غور کیجیے کہ اگر اللہ کو معبود نہ مانا جائے اور حضرت محمد صلعم کو رسولِ خدا تسلیم نہ کیا جائے تو سرے سے کوئی بات ہی نہیں بنتی ۔ پھر نماز کیا ہو گی؟ زکوٰۃ کا ہے کو ادا کی جائے ؟ صبح سے شام تک بھوکا پیاسا (روزہ) کیوں رہا جائے ؟ عزیز و اقارب سے لمبے عرصے کے لیے جدا ہو کر بہت سا مال خرچ کر کے دور ملکِ عرب میں جا کر کعبہ کی زیارت اور طواف

سے کیا مطلب؟ حقیقت یہ ہے کہ کلمہ طیبہ ہی وہ پہلی اور بنیادی بات ہے جس پر صدقِ دِل سے ایمان لائے بغیر راہِ راست اختیار نہیں کی جا سکتی اور دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود حاصل نہیں ہو سکتی۔

غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ کلمہ طیبہ میں اسلام کے پانچوں عقاید ساتھ جمع ہیں۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں" تو دراصل ایک خدا کی پرستش کا اقرار اور اعلان کرتے ہیں۔ پھر جب یہ کہا جاتا ہے "محمد اللہ کے رسول ہیں" تو یہ بات لازماً مان لی جاتی ہے کہ جو کچھ رسولِ خدا ہمیں بتائیں گے وہ برحق اور درست ہو گا۔ یعنی دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ حضرت محمد رسولِ خدا نے جو کچھ فرشتوں، الہامی کتابوں، پچھلے پیغمبروں اور قیامت سے متعلق ہمیں بتایا ہے، سب پر ہمارا ایمان ہے کہ وہ درست ہے۔

نماز (صلوٰۃ)

اہمیت و فرضیت نماز اسلام کا دوسرا رکن، اہم ترین فریضہ اور سب سے بڑی عبادت ہے۔ چونکہ اسلام انسانوں کو ساری زندگی اللہ کی اطاعت میں گزارنے کا حکم دیتا ہے، اس لیے یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب اللہ ہر وقت یاد رہے اور اس کا ڈر ہمیشہ دِل میں جاگزیں رہے۔ چونکہ شیطان ہر وقت انسان کو بہکانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اس لیے یہ اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ انسان کے ذہن میں ہر وقت

یہ بات تازہ رہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اور اسی کی ہدایت پر عمل اس کا اصل کام ہے۔ چنانچہ اسی ضرورت کی بنا پر اللہ تعالےٰ نے سب سے پہلا فرض مسلمانوں پر یہ عائد کیا کہ وہ دن میں پانچ بار پابندیٔ وقت کے ساتھ اسے یاد کریں۔ (نماز پڑھیں) تاکہ دنیا کی مصروفیت، عیش و عشرت اور شیطان کے فریبوں میں اسے کسی لمحہ بھول نہ جائیں۔ اور اس بات کی اتنی اہمیت ہے کہ بیماری، سفر اور جنگ کسی بھی حالت میں اسے (نماز کو) معاف نہیں کیا۔

پھر حدیث نبوی میں آیا ہے کہ "کفر و ایمان کے درمیان حدِ فاصل صرف نماز ہے"۔ یعنی جس کسی نے ارادہ سے نماز ترک کر دی گویا ایمان سے نکل کر دائرہ کفر میں داخل ہو گیا۔ غور کیجیے کہ صرف ایک چیز یعنی نماز کو چھوڑنے سے پورے ایمان کی جڑ کٹتی ہے۔ معلوم ہوا کہ نماز ہی پورے دین کا سرچشمہ ہے۔ اسی حکمت کی بنا پر آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "نماز دین کا ستون ہے"۔ یعنی اگر ستون نماز نہ رہا تو عمارت دین تباہ و برباد ہو جائے گی۔ نماز کی اہمیت و فرضیت کا اندازہ لگانے کے لئے رسول اللہ صلعم کے یہ دو اقوال کافی سے زیادہ ہیں۔

شرائط نماز | نماز کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں:-

۱۔ لباس پاکیزہ ہو۔ مردوں کا لباس کم از کم یہ ہو کہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک جسم ڈھکا ہو، عورتوں کا لباس سوائے چہرہ، ہاتھ اور پاؤں کے سارا جسم ڈھانکتا ہو۔

۲۔ باوضو ہو۔

۳۔ جگہ جہاں نماز پڑھنی ہو پاک و صاف ہو

۴۔ قبلہ رخ ہو یعنی کعبہ کی طرف منہ کرے۔ اگر کعبہ کی سمت معلوم نہ تو جدھر تسکین ہو منہ کر لے

۵- نماز صحیح وقت پر ہو یعنی اوّل وقت میں نماز پڑھی جائے۔ زیادہ دیر ہونے پر قضا کرنی پڑے گی۔

وضو: وضو نماز سے پہلے طہارت اور پاکیزگی کے اہتمام کو کہتے ہیں بندر ذیل ترتیب سے وضو کیا جاتا ہے

پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط (شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم والا ہے) پڑھیں۔ پھر صاف ستھرا پانی لے کر دونوں ہاتھ دھوئیں پھر دائیں ہاتھ سے پانی منہ میں ڈالیں اور تین بار کلی کریں۔ پھر تین بار دائیں ہاتھ سے پانی ناک میں ڈالیں اور بائیں ہاتھ سے ناک صاف کریں پھر دونوں ہاتھ میں پانی لے کر تین بار منہ دھوئیں اور کلمہ شہادت اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں) پڑھیں۔ پھر دونوں ہاتھ، پہلے دایاں اور پھر بایاں کہنیوں تک تین بار دھوئیں اور تھوڑا سا پانی ہاتھوں پر ڈال کر سر کانوں اور گردن کا مسح کریں (ہاتھ پھیریں) بعد میں دایاں، پھر بایاں دونوں پاؤں دھوئیں اس ترتیب کے ساتھ وضو کی تکمیل ہوتی ہے۔

اگر کسی جگہ پانی دستیاب نہ ہو تو پاک جگہ (زمین وغیرہ) پر ہاتھ پھیر کر وضو کی طرح عمل کریں۔ یہ تیمم کہلاتا ہے۔ تیمم میں صرف ہاتھ اور منہ پر ہاتھ پھیر لینا ہی کافی ہوتا ہے۔ پاؤں پر ضرورت نہیں ہوتی۔ بیمار اگر وضو نہ کر سکتا ہو تو تیمم کر لے۔ پانی نہ ملنے پر جنابت تک میں بھی تیمم جائز ہے۔

اوقات ورکعات نماز

رکعت نماز کے ایک حصّے کو کہتے ہیں۔ اس کی تشریح طریقِ نماز میں آگے آئے گی۔ دن میں پانچ وقت کی نماز فرض کی گئی ہے۔ نماز کے اوقات و رکعات مندرجہ ذیل ہیں :۔

۱۔ **نمازِ فجر:** یہ نماز صبح صادق سے طلوعِ آفتاب سے پہلے تک پڑھی جاتی ہے۔ اس میں چار رکعتیں ہوتی ہیں پہلے دو سنتیں، پھر دو فرض۔

۲ **نمازِ ظہر:**۔ یہ نماز دوپہر کو سورج کے ڈھلنے سے نمازِ عصر سے پہلے تک ہوتی ہے۔ اس میں بارہ رکعتیں پڑھی جاتی ہیں یعنی چار سنتیں، چار فرض، دو سنتیں اور دو نفل۔

نمازِ عصر:۔ یہ نماز سہ پہر کو اس وقت ہوتی ہے جب کسی چیز کا سایہ اس کے اپنے قد سے دوگنا ہو جائے اور زیادہ سے زیادہ اس وقت تک پڑھی جا سکتی ہے جب سورج غروب ہونے سے پہلے ابھی روشنی زرد رنگت پہ نہ آئی ہو۔ اس نماز میں پہلے چار سنتیں پھر چار فرض پڑھے جاتے ہیں۔ عام طور پہ صرف چار فرض ہی ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ سنتیں اگر نہ بھی پڑھی جائیں تو کوئی گناہ نہیں۔

۴۔ **نمازِ مغرب:**۔ یہ نماز غروبِ آفتاب کے فوراً بعد پڑھی جاتی ہے۔ اس میں سات رکعتیں ہیں۔ پہلے تین فرض، پھر دو سنتیں اور بعد میں دو نفل۔

۵۔ **نمازِ عشار:**۔ یہ نماز غروب آفتاب کے بعد جب رات کا تھوڑا سا وقت گزر جائے (تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹے بعد) پڑھی جاتی ہے۔ اور اس میں سترہ رکعتیں ہیں۔ چار سنتیں، چار فرض، دو سنتیں دو نفل، تین وتر اور

دو نفل اسی ترتیب سے ادا کیے جاتے ہیں۔

مسائل نماز نماز اول وقت میں پڑھنا زیادہ پسندیدہ ہے۔ لیکن اگر دیر ہو جائے تو اگلی نماز کے وقت سے پہلے تک پڑھی جا سکتی ہے۔ اور اگر نماز بالکل رہ جائے تو قضا سمجھی جاوے اور اگلی نماز کے ساتھ صرف فرض پڑھے جائیں گے البتہ صبح کی نماز اگر قضا ہو جائے تو جب آنکھ کھلے پڑھ لینی چاہیئے، اگر سورج نکل رہا ہو چند منٹ انتظار کرکے پڑھ لے۔ لیکن قضا کی صورت میں بھی چاروں رکعتیں یعنی دو سنتیں اور دو فرض پورے ادا کیے جائیں گے۔ بہرحال اگر بالکل نہیں پڑھی جا سکی تو پھر ظہر کی نماز کے ساتھ پڑھ لینی چاہیئے۔

نماز با جماعت پڑھنا ہی افضل ہے اور اس کے لیے بہت تاکید کی گئی ہے۔ لیکن اگر کسی وجہ مثلاً بیماری، سفر، سخت ضروری کام وغیرہ سے با جماعت ادا نہ کی جا سکے تو اکیلے ہی پڑھنا ٹھیک ہے۔ بہرحال جمعہ کی نماز اکیلے نہیں ہو سکتی یہ اس لیے کہ اگر کسی کو ہفتہ بھر میں با جماعت نماز پڑھنے یا مسجد میں آنے کی فرصت نہیں مل سکی تو کم از کم جمعہ کے دن یعنی آٹھویں دن ضرور اکٹھے نماز پڑھے۔ بیمار اور مسافر کو یہ بھی معاف ہے وہ صرف ظہر کی نماز پڑھے۔

نماز با جماعت پڑھی جا رہی ہو تو دیر سے آنے والے کو حکم ہے کہ ساتھ مل جائے اور جتنی نماز رہ گئی ہو وہ پوری کرے۔ طریقہ یہ ہے کہ جب امام پہلا سلام کہے تو وہ سلام نہ کہے بلکہ خاموش بیٹھا رہے۔ جب امام دوسرا سلام کہے تو وہ تکبیر کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہو اور باقی نماز پوری کرے دیر سے آنے والا اگر جماعت کے ساتھ رکوع میں ملا ہو تو رکعت پوری سمجھی جائیگی ورنہ بعد میں رکعت پوری ادا ہو گی

بیمار، معذور یا بہت ہی تھکا ہوا شخص اگر کھڑا ہو کر نماز ادا نہ کر سکے تو بیٹھ کر

ھ لینی چاہیئے۔ اگر یہ بھی تکلیف دہ ہو تو پھر لیٹ کر اشارہ سے پڑھ لے۔
نصد سہولت کے ساتھ فرائض کی ادائیگی ہے۔

سفر میں اللہ تعالیٰ نے یہاں تک سہولت دے دی ہے کہ ہر نماز کو
مرد کم) کر لیا جائے یعنی چار فرائض کی بجائے دو فرائض پڑھے جائیں گے۔
فرائض کو کم نہیں کیا جائے گا اور تین فرائض یا وتروں کو بھی بغیر کم کیے پڑھا
ئے گا نماز قصر میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی سہولت سے پورا پورا فائدہ حاصل کرنا
ہیئے اسی نقطۂ نظر سے بہت سے علماء اس حق میں ہیں کہ نماز قصر میں صرف فرائض
کر کے پڑھنے چاہئیں اور سنتیں اور نفل چھوڑ دینے چاہئیں۔ کیونکہ جب
ہ نے فرائض ہیں ہی کمی کر دی تو پھر سنتیں اور نفل تو آپ سے آپ رہ گئے۔ لیکن
ض حضرات فرائض کم کر لیتے ہیں اور اس کے ساتھ باقی پوری نماز بھی ادا کرتے
ں۔ ان دونوں صورتوں میں پہلی صورت زیادہ قرین قیاس اور معقول لگتی ہے۔

ذان باجماعت نماز ادا کرنے سے پہلے اذان کہی جاتی ہے۔ اس میں بلند
آواز سے لوگوں کو نماز کے وقت کی اطلاع دی جاتی ہے۔ اور نماز
دا کرنے کے لیے مسجد کی طرف بلایا جاتا ہے۔ مؤذن (اذان دینے والا) مسجد
ں کسی جگہ کھڑا ہو کر دونوں ہاتھوں کی پہلی انگلیاں کانوں میں رکھ کر بلند آواز سے
یہ الفاظ کہتا ہے:۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ	اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے،
اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ	اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے،
اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ	میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔
اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ	میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا

	کوئی معبود نہیں
اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ	میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسو
اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ	میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول
حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ	آؤ نماز کے لیے
حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ	آؤ نماز کے لیے
حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ	آؤ فلاح و بہبود کی طرف
حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ	آؤ فلاح و بہبود کی طرف
اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ	اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں!

مندرجہ بالا الفاظ اذان کہلاتے ہیں۔ صرف صبح کی نماز کے لیے اذان میں حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ (نماز نیند سے بہتر ہے) دو بار کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ اذان کے فوراً بعد د[عا] مانگنی چاہیے۔ کیونکہ یہ وقت قبولیت کا ہے۔

طریق نماز اذان کے بعد مسجد میں لوگ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں اسے اقامت کہتے ہیں۔ پھر کوئی ایک شخص اذان کے الفا[ظ] اتنی آواز میں دُہراتا ہے کہ مسجد کے لوگ سن سکیں۔ اقامت میں اذان کے [الفاظ] میں حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ (نماز کھڑی ہو گئی) کے الفاظ دو بار پڑھ کر شامل کیے جاتے ہیں۔

نماز شروع کرنے سے پہلے نیت کرنی ضروری ہے۔ پہلے یہ الفاظ پڑھے جاتے ہیں۔ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (میں نے یکسو ہو کر اپنا رخ اس ذات کی طر[ف]

دِیا جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے۔ اور میں ان لوگوں میں سے نہیں
ں جو خدائی میں کسی کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں) پھر نیت کرتے ہیں کہ دو
ن یا چار) رکعت نماز (فرض، سنت، وتر یا نفل) واسطے اللہ تعالیٰ کے،
بہ شریف کو، وقت (جو نماز کا ہو) کا (باجماعت ہو تو کہے پیچھے امام کے)
للہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) کہتے ہوئے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے
ے ہیں اور واپس لاکر پیٹ کے اوپر بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھ
یا جاتا ہے۔ عورتوں کو دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھنے ہوتے ہیں۔
(نماز کے لیے ہاتھ اٹھانا اس بات کی علامت ہے کہ آپ نے اپنے
کو اللہ کے سپرد (SURRENDER) کر دیا ہے اور دوسرے دنیا
ر چیز سے دست بردار ہو کر صرف اللہ کے آگے حاضر ہیں)
اس کے بعد ثناء پڑھی جاتی ہے جو مندرجہ ذیل ہے:۔

حٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَ كَ اسْمُكَ وَتَعَالٰی جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ	پاک ہے تو اے خدا، تعریف و ستائش ہے تیرے لیے، برکت والا ہے تیرا نام، سب سے بلند و بالا ہے تیری بزرگی اور کوئی معبود نہیں تیرے سوا۔
وذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ	خدا کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود (کی شرارت) سے

ثناء کے بعد سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے

(اگلے صفحہ پر ہے)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۙ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۙ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ ؕ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ؕ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ؕ	سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام کائنات کا رب ہے، رحمان اور رحیم ہے، روزِ جزا کا مالک ہے، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا جو مغضوب نہیں ہوئے جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔

اور سورۂ فاتحہ کے بعد قرآنِ مجید کا کوئی تھوڑا سا حصہ (کوئی چھوٹی سورت یا ایک رکوع یا زیادہ حصہ) پڑھا جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے رکوع کیا جاتا ہے۔ یعنی گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اس طرح جھک جاتے ہیں کہ بازو اور کمر سیدھے رہیں۔ اور اسی حالت میں تین بار سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡعَظِیۡمِ (پاک ہے میرا رب جو بڑا بزرگ ہے) کہا جاتا ہے

(یہاں پھر آپ خدا کے سامنے تعظیم میں جھک کر اپنے آپ کو اس کے سپرد کر رہے ہیں) اس کے بعد سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنۡ حَمِدَهٗ (اللہ نے سن لی جس کسی نے اس کی تعریف کی) کہتے ہوئے اوپر اٹھتے ہیں اور سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں اسے قومہ کہتے ہیں۔ اگر آپ امام کے پیچھے نماز ادا کر رہے ہیں تو امام یہاں سَمِعَ اللّٰهُ پڑھے گا، آپ کہیں گے رَبَّنَا لَكَ الۡحَمۡدُ (اے ہمارے رب، سب تعریف تیرے ہی لیے ہے) پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ کرتے ہیں۔

ہ میں پاؤں پر بیٹھتے ہوئے پہلے گھٹنے زمین پر ٹیک دیے جاتے ہیں۔
دونوں ہاتھ سامنے زمین پر رکھ کر پیشانی اور ناک ہاتھوں کے درمیان
طرح زمین کے ساتھ لگا دیے جاتے ہیں۔ کہ کہنیاں اور پیٹھ اوپر اٹھے
سجدہ میں تین بار سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلٰی (پاک ہے میرا رب جو سب سے
اوپر تر ہے) پڑھا جاتا ہے۔
یہاں دیکھیے کہ انسان کس طرح اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر رہا ہے۔ وہ کس
ہے سرکشی اور نافرمانی پر آمادہ کر سکتا ہے کس طرح انتہائی گراوٹ میں پڑا ہے۔
مل یہاں انسان (عَبد) اور اللہ (مَعبُود) کا یہ صحیح تعلق ظاہر ہو رہا ہے
کے سامنے انسان کی یہ حقیقت ہے اور اس کے آگے انسان کی عجز و
ری کا کیا عالم ہے)
اس کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے اٹھ کر چند لمحے بیٹھ جاتے ہیں اور دوبارہ
اکبر کہتے ہوئے سجدہ کیا جاتا ہے اور وہی الفاظ پڑھے جاتے ہیں۔ دوسرے
ہ کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ یہاں تک ایک رکعت
ہوگئی۔ بالکل اسی طرح دوسری رکعت بھی ادا کی جاتی ہے اور دوسری رکعت
دوسرے سجدے کے بعد بیٹھ جاتے ہیں۔ اس بیٹھنے کو قَعدَہ کہتے ہیں۔
ہ میں مرد بائیں پاؤں پر بیٹھتے ہیں اور دایاں ساتھ پنجے پر کھڑا رہتا
اور عورتیں دونوں پاؤں کا رُخ دائیں جانب نکال کر اوپر بیٹھتی ہیں۔
ہ میں پہلے تَشَہُّد پڑھی جاتی ہے جس کے الفاظ مندرجہ ذیل

تحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ	ہماری سلامیاں (قولی عبادتیں) ہماری
الطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیکَ	نمازیں اور ہمارے تمام اچھے کام (مالی)

اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ، اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

عبادتیں) اللہ کے لیے ہیں۔ سلام ہو آپ پر اے نبیؐ، اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں آپ پر نازل ہوں۔ سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

شہادت کے الفاظ (اَشْھَدُ اَنْ ۔۔) ادا کرتے وقت دائیں ہاتھ کی پہلی انگلی اٹھائی جاتی ہے۔ یہ اس لیے کہ یہاں مومن کے اصل عقیدے کا اعلان (DECLARATION) ہو رہا ہے۔ یہ اعلان زیادہ توجہ سے کرنا چاہیے۔

تشہد کے بعد مندرجہ ذیل درود پڑھا جاتا ہے:۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اے اللہ رحمت فرما محمدؐ اور آلِ محمدؐ (اولادِ محمدؐ) پر جس طرح تو نے رحمت فرمائی ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ پر تو قابلِ تعریف اور صاحبِ عظمت ہے

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

خدایا برکت عطا فرما محمدؐ اور آلِ محمدؐ پر جس طرح تو نے برکت دی ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ کو، تو قابلِ تعریف اور صاحبِ عظمت ہے۔

درود کے بعد کوئی دعا پڑھی جاتی ہے۔ مثلاً:۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا

اے ہمارے رب، ہمیں دنیا میں بھی

حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ	بہتری عطا کر اور آخرت میں بھی بہتری
قِنَا عَذَابَ النَّارِ ہ	عنایت کر اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا

یہاں دو رکعتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اس لیے بیٹھے بیٹھے اس حالت میں دائیں جانب منہ پھیر کر اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ (تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت نازل ہو) کہا جاتا ہے اور اسی طرح بائیں جانب منہ پھیر کر یہی الفاظ دہرائے جاتے ہیں۔ اب آپ دو رکعت نماز ادا کر کے فارغ ہو گئے۔

اگر چار رکعت نماز ادا کرنی ہو تو دوسری رکعت میں تشہد پڑھ کر اللہ اکبر کہتے ہوئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور باقی دو رکعتیں بھی اسی طرح پوری کی جاتی ہیں۔ فرائض میں تیسری اور چوتھی رکعتوں میں صرف اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ یعنی سورۂ فاتحہ ہی پڑھی جاتی ہے اس کے ساتھ قرآن کا کوئی اور ٹکڑا نہیں پڑھا جاتا۔ البتہ سنتوں میں تیسری اور چوتھی رکعتوں میں فاتحہ کے بعد بھی قرآن کا کوئی اور حصہ یا ٹکڑا پڑھنا ضروری ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے یہ معلوم نہیں آنحضور صلعم کا یہی فرمان ہے اور ہمارا فرض صرف پیروی کرنا ہے۔

عشاء کی نماز میں تین وتر پڑھے جاتے ہیں۔ ان کی تیسری رکعت میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے بعد دونوں ہاتھ اوپر کانوں تک اٹھا کر پھر واپس وہیں رکھ کر مندرجہ ذیل دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ وَنَسْتَغْفِرُکَ	خدایا ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔ تجھ سے
وَنُؤْمِنُ بِکَ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْکَ وَ	گناہوں کی معافی چاہتے ہیں۔ تجھ پر ایمان
نُثْنِیْ عَلَیْکَ الْخَیْرَ ط وَنَشْکُرُکَ	لاتے ہیں، تیرے ہی اوپر بھروسہ کرتے
وَلَا نَکْفُرُکَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُکُ	ہیں اور بہترین تعریف کرتے ہیں ہم
مَنْ یَّفْجُرُکَ ط اَللّٰھُمَّ اِیَّاکَ	تیرا شکر ادا کریں گے۔ ناشکری نہیں

نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّیْ وَ نَسْجُدُ وَاِلَیْکَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْا رَحْمَتَکَ وَنَخْشٰی عَذَابَکَ اِنَّ عَذَابَکَ بِالْکُفَّارِ مُلْحِقٌ

کریں گے۔ جو تیری نافرمانی کرے ہم اسے چھوڑ دیں گے اور اس سے تعلق چھوڑ دیں گے اے اللہ! ہم تیری بندگی کرتے ہیں اتیرے ہی لیے نماز پڑھتے اور سجدہ کرتے ہیں۔ ہماری ساری کوششوں اور دوڑ دھوپ کا مقصود ہم تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور عذاب سے ڈرتے ہیں کہ یقیناً تیرا عذاب کفرانِ نعمت کرنے والوں کو آئے گا

دعائے قنوت کے بعد تیسری رکعت پہلے کی طرح پوری کرلی جاتی ہے۔ دورانِ نماز میں اگر کوئی بھول چوک یا غلطی ہوجائے تو سجدۂ سہو کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ آخری رکعت میں تشہد کے بعد دایئں جانب سلام کہہ کر دو سجدے کیے جایئں اور پھر تشہد، درود اور دعا پڑھ کر دونوں طرف سلام کہیں۔

شریعت کی رُو سے الگ الگ نماز پڑھنا درست نہیں، اس لیے نماز باجماعت پڑھنا لازمی قرار دے دیا ہے سوائے اسکے کہ مسجد دور ہو جہاں پہنچنا بہت مشکل ہو نماز باجماعت کی آنحضرت صلعم نے بہت تاکید کی ہے۔

نمازِ جمعہ شریعت محمدی میں جمعہ کا دن متبرک قرار دیا گیا ہے۔ جس طرح یہودیوں میں ہفتہ کا دن اور عیسائیوں میں اتوار کا دن متبرک اور عبادت کے لیے مخصوص ہیں اسی طرح مسلمانوں کے لیے جمعہ کا دن عبادت خصوصی کا یوم ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے۔

(ترجمہ) اے ایمان والو! جب نمازِ جمعہ کے اذان دی جائے تو

ذکر الٰہی (نماز) کے لیے جلدی پہنچو اور خرید و فروخت (وقتی طور پر)
چھوڑ دو یہ تمہارے لیے بہتر ہے بشرطیکہ تم سمجھو۔ پھر جب نماز
ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ (کاروبار کی طرف) اور
اللہ کا فضل (مال، روزی) تلاش کرو اور اللہ کو خوب یاد کرو
تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

(سورۂ جمعہ رکوع ۲)

جمعہ کا دن دراصل شروع ہی سے متبرک اور عظیم الشان دن بنایا گیا تھا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا سب سے مبارک دن جس میں آفتاب طلوع کرتا ہے جمعہ کا دن ہے اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اسی دن جنت میں داخل ہوئے اور اسی دن جنت سے نکلے اور قیامت بھی اسی دن آئے گی۔

نماز جمعہ ظہر کے وقت پڑھی جاتی ہے اور جماعت مسجد وغیرہ میں ادا کرنا ضروری ہے۔ اکیلے یا گھر میں پڑھنا درست نہیں۔ یہ نماز تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ سوائے بیمار، مسافر، عورت، بچے یا کسی اور وجہ سے معذور اشخاص کے۔ لیکن اگر مندرجہ بالا لوگ نمازِ جمعہ پڑھنا چاہیں تو جائز ہے۔ نمازِ جمعہ کے ساتھ ظہر کی نماز نہیں پڑھی جاتی، ظہر کی نماز صرف اس حالت میں پڑھی جائے گی جب جمعہ کی نماز نہ پڑھی جا سکے اور بہتر یہ ہوتا ہے کہ معذور لوگ جمعہ کی نماز ہو جانے تک انتظار کریں بعد میں ظہر کی نماز ادا کریں۔

نمازِ جمعہ کے لیے دو اذانیں رائج ہیں۔ پہلی اذان پہ لوگ مسجد میں آجاتے ہیں۔ امام نماز سے پہلے حالاتِ زمانہ میں سے کسی موضوع پر اپنی زبان میں تقریر یا تبصرہ کرتا ہے۔ پھر دوسری اذان ہوتی ہے اور

فوراً بعد عربی زبان میں خطبہ ہوتا ہے۔ تقریر اس لیے کی جاتی ہے کہ اس وقت تمام معتبر لوگ جمع ہوتے ہیں اور امام کا فرض ہے کہ وہ حالاتِ زمانہ کے پیش اسلامی نقطۂ نظر بتائے۔ بہرحال تقریر ہو یا نہ ہو خطبہ نماز جمعہ کے لیے شرط اس لیے خطبہ عربی زبان میں ادا کیا جاتا ہے تاکہ تمام ممالک میں نماز کے فرائض واجبات ایک ہی زبان میں ادا ہوں۔ خطبہ دو حصوں میں تقسیم کر کے پڑھا جا ہے درمیان میں امام ایک دو منٹ آرام کے لیے بیٹھ جاتا ہے۔ خطبہ کے یہ حصے فرائض نماز کے قائم مقام سمجھے جاتے ہیں۔ اسی لیے نماز جمعہ میں چار کی بجا صرف دو رکعت فرض ادا ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو لوگ صرف سنتے رہیں اس دوران میں سنتیں یا نفل پڑھنا جائز نہیں۔ خطبہ کے بعد اقامت کہی جاتی ہے اور اس کے بعد دو رکعت فرض نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے۔

نماز جمعہ کے لیے کم از کم تین آدمی امام کے علاوہ ہوں تو جماعت سے ہوسکے گی ورنہ نہیں۔ کسی بستی وغیرہ کو اگر نماز جمعہ نہ مل سکے تو لوگ نمازِ ظہر بلا اذان و جماعت ادا کریں کیوں کہ جمعہ کے دن با جماعت اور اذان کے ساتھ صرف نمازِ جمعہ فرض ہے۔

نمازِ عیدین سال میں دو بار عید الفطر اور عید الضحیٰ کے موقعوں پر بھی صبح سورج چڑھنے کے بعد نماز ادا کی جاتی ہے۔ اس نماز میں صرف دو رکعت واجب ہوتے ہیں۔ یہاں نماز سے پہلے اذان نہیں دی جاتی اقامت نہیں کہی جاتی اور خطبہ بھی فرض نہیں ہوتا بلکہ سنّت ہے جو نماز عید کے بعد دیا جاتا ہے۔ اس نماز میں ثنا کے بعد تین بار ہاتھ کانوں تک اٹھا اٹھا کر تکبیر یعنی اللہ اکبر کہا جاتا ہے۔ ہر بار ہاتھ اٹھا کر کھلے چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ لیکن تیسری تکبیر کے

بعد ہاتھ باندھ کر پہلی رکعت پوری کی جاتی ہے۔ دوسری رکعت میں پہلے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ـــــــ اور کوئی حصۂ قرآن پڑھ کر تین بار پہلے کی طرح تکبیر کہی جاتی ہے اور چوتھی بار تکبیر کہتے ہوئے رکوع کیا جاتا ہے اور باقی حصۂ رکعت پورا کر لیا جاتا ہے۔

عید کے روز مسواک کرنا، غسل کرنا، اچھا لباس پہننا، خوشبو استعمال کرنا اور اچھا کھانا تیار کرنا مسنون ہے۔ نماز پڑھنے کے لیے ایک راستے جانا اور واپسی پر دوسرے راستے سے آنا بھی سُنّت ہے۔

نماز کے فوائد و نتائج مسلمان جب اذان کی آواز سُنتے ہی فوراً مسجد کی طرف چل پڑتا ہے اور دن میں پانچ بار باقاعدہ پابندیٔ وقت کے ساتھ ایسا کرتا ہے تو اس کے سوا کیا ظاہر ہے کہ اُسے اپنے فرض کی ادائیگی کا پورا پورا احساس ہے۔ نماز کا اوّلین نتیجہ یہ ہے کہ وہ انسان میں احساس ذمہ داری اور فرض شناسی پیدا کر دیتی ہے۔

پھر نماز ہی انسان کو انسانیت سکھاتی ہے۔ اور اس کی سیرت و کردار یعنی (CHARACTER) کو ایسے سانچے میں ڈھال دیتی ہے کہ پھر وہ ایک بہترین کنبہ پرور، مخلص دوست، اعلیٰ ہمسایہ، عمدہ شہری اور ملک و ملت کا وفادار خادم یعنی تمام اعلیٰ اوصاف کا مالک ہوتا ہے۔ ایسا ہی شخص مومن کہلاتا ہے اور مومن کی پہچان یہ ہے کہ اس کے اعمال سے ظاہر ہو کہ یہ مومن ہے۔ غور کیجیے کہ جب ایک شخص نماز پڑھنے کا ارادہ کرتا ہے تو کون اسے مجبور کرتا ہے کہ ضرور پہلے وضو کرے؟ اگر وہ بغیر وضو کے چپکے سے نماز پڑھ لے تو کون سی چیز اسے روک سکتی ہے؟ نماز میں جو جو اللہ کی تعریفیں اور جو جو اپنے لیے دعائیں کرتا ہے، کون اسے کہتا ہے کہ ایسا کرے؟ اور اگر اسے یقین نہ ہو کہ اس کی عبادت، اس کی دعائیں، اس کے سجدے

اور بار بار مدعا کو دہرانا کوئی دیکھ اور سن رہا ہے تو آخر کس لیے پھر یہ سار
دھندے کرتا ہے؟ یقیناً اس کا ایمان ہے کہ کوئی اعلیٰ ہستی (اللہ) موجود
اس کے ظاہر اور باطن کو دیکھ رہی ہے۔ اسے یقین کامل ہوتا ہے کہ اسکی د
قبول ہوں گی۔ اس کے سجدے بارگاہ الٰہی میں اس کے لیے رحمت کا با
بنیں گے۔ چنانچہ وہ اللہ سے ہر حالت میں ڈرتا ہے کیونکہ جانتا ہے کہ
کی گرفت سے وہ بھاگ نہ سکے گا۔ وہ جہاں کہیں بھی ہو، اکیلا ہو یا مجمع میں گھر
باہر، اندھیرے میں ہو یا اجالے میں، خوش ہو یا مغموم۔ ہر حالت میں اللہ پر نگا
ہے اور اس کی ہدایت پر عمل کرتا ہے۔ یہ اعلیٰ سیرت اس کی نماز کا نتیجہ ہے
وہ ہر روز پانچ با اللہ کے سامنے گڑگڑ دعا کرتا رہا کہ اے اللہ تو مجھے ہدایت
میں تیری ہی ہدایت پر چلنا چاہتا ہوں اور میں تجھیں ہرگز بھولا نہیں، مجھے
وقت یاد رہتا ہے اور جب نماز سے فارغ ہو کر وہ دنیاوی کاموں میں آ
وہی اللہ کا خوف احساس ذمہ داری اور فرض شناسی اسے ہر کام میں
رکھتی ہیں۔ چنانچہ وہ برائیوں اور ممنوع باتوں سے پرہیز کرتا ہے۔ اسی
قرآن میں آیا ہے کہ

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔ — یقیناً نماز بے حیائی اور بدی
ہے۔ (سورۂ عنکبوت، رکوع ۵)

پھر دیکھیے نماز اور کیا سکھاتی ہے۔ نماز باقاعدگی اور پابندیٔ وقت
ساتھ آپ کو مجبور کرتی ہے کہ صبح کی میٹھی نیند اور آرام وہ بستر چھوڑ دیں، آ
سردی میں ٹھنڈے پانی سے غسل یا وضو کر کے سیدھے مسجد کا رخ کریں ظہر اور
وقت کام کاج چھوڑ کر اللہ کے حضور میں حاضر ہونا پڑتا ہے۔ شام کی سیر
بھی کچھ دیر کے لیے ملتوی کرنی پڑتی ہے اور رات کو آرام کرنے سے پہلے

ایک بار پھر پورے اہتمام کے ساتھ نماز ادا کرنی ہوگی۔ الغرض پانچوں وقت آپ کو اپنے نفس پر قابو پانا پڑا ورنہ یہی نفس آپ کو طرح طرح کی دلفریبیاں دکھا کر بہکا دیتا ہے۔ ثابت ہوا کہ نماز ہی بہترین طریقے سے ضبطِ نفس سکھاتی ہے اور قوتِ ارادی میں اضافہ کرتی ہے۔

نماز ایک طرف تو انسان پر انفرادی حیثیت سے اثر انداز ہوتی ہے اور اسے ہر قسم کی بہترین تربیت دیتی ہے اور دوسری طرف اجتماعی لحاظ سے ان تربیت یافتہ افراد کو اکٹھا کر کے ایک ملت بناتی ہے۔ اس ملت کی مضبوطی دراصل ہر فرد کی انفرادی تربیت پر منحصر ہے۔ اسی لیے نماز باجماعت پڑھنے کی سخت تاکید کی گئی ہے اور آٹھ دن بعد جمعہ کے دن نمازِ جمعہ فرض کر دی گئی اور اگر یہاں بھی کسی کو پہنچنے کی فرصت نہیں ملی تو کم از کم سال میں دو مرتبہ عیدین کے موقعے پر ضرور اجتماعی پروگرام میں حصہ لے۔ پس نماز اعلیٰ قسم کی تنظیم سکھاتی ہے۔

نماز مساوات کا بہترین مظاہرہ ہے۔ کوئی خواہ کتنا ہی بڑا آدمی کیوں نہ ہو مسجد میں ایک فقیر اور مسکین کے برابر کھڑا ہونا پڑے گا۔ یہاں اسے احساس ہوگا کہ اللہ کے ہاں سب برابر ہیں۔ یہ نماز ہی کی برکت ہے کہ اس نے درجات ختم کر کے امیر اور غریب کو اکٹھا کر دیا تاکہ دونوں کو پورا پورا احساس ہو جائے کہ وہ ایک ہی مالک کے بندے ہیں اور ایک ہی مقصد اور نصب العین کے تحت دنیا میں رہتے ہیں۔

اطاعتِ امیر کا جذبہ بھی نماز ہی کی بدولت پیدا ہوتا ہے کوئی شخص امام سے پہلے حرکت نہیں کر سکتا۔ غور کیجیے کتنی اعلیٰ درجے کی اطاعت ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا تنظیم ہو سکتی ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "جو شخص امام سے پہلے رکوع یا سجدے میں جائے

وہ قیامت کے روز گدھے کی صورت میں اٹھایا جائے گا۔"

امام کی ایک آواز (اذان) پر اکٹھے ہونا اور امیر و غریب سب کا مل جل کر صف بندی کرنا کتنی اعلیٰ تنظیم (DISCIPLINE) کا مظہر ہے۔ دنیا کی کسی بڑی سے بڑی فوج میں بھی اس قدر اتحاد اور تنظیم کا مظاہرہ نہیں ملتا کہ بلا تمیز نسل و رنگ اور اعلیٰ و ادنیٰ سب ایک ساتھ سیدھی صفوں میں کھڑے ہیں۔ اور امام کے اشارے کا انتظار ہے۔ دنیا کے بڑے سے بڑے بادشاہ کے لیے بھی جگہ مخصوص (RESERVE) نہیں کی جاتی جو پہلے پہنچے گا، آگے کھڑا ہوگا۔ جو بعد میں آئے گا ہو سکتا ہے کہ (پہلے آئے ہوئے آدمیوں کے) جوتوں پر کھڑا ہونا پڑے یہ ہے نماز کی شان جس نے درجات میں امتیاز نہیں کیا، نسل و رنگ میں فرق نہیں کیا، ذات قبیلہ نہیں دیکھا اور سب کے ساتھ سلوک کر کے انھیں دنیا میں بھی مساوی ہی رہنے کا سبق دیا۔

اسلام دراصل انفرادی مفاد پر اجتماعیت کو ترجیح دیتا ہے تاکہ ... پیدا ہو۔ دیکھیے کہ نماز میں آپ اکٹھے دعائیں مانگتے ہیں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ (ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں) پھر آپ کہتے ہیں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (ہم سب کو سیدھے راستے کی ہدایت دے) یعنی آپ کی دعائیں بھی اجتماعی مفاد چاہتی ہیں۔

الغرض نماز انسان میں اعلیٰ قسم کے تمام اوصاف پیدا کر دیتی ہے جس کے بعد وہ زندگی کے ہر شعبے میں ایک عمدہ تربیت یافتہ انسان کی حیثیت سے کام کرتا ہے اور ہر چیز میں اللہ کی ہدایات پر عمل کرنا واحد حل سمجھتا ہے۔ پھر اجتماعی لحاظ سے یہ افراد (مسلمان) ایسی جماعت

تے ہیں جو زمین پر اللہ کے احکام کے مطابق حکومت چلانے کا حق رکھتے ہیں۔
اگر واقعی نماز سے یہ تمام اوصاف پیدا ہوتے ہوں تو سمجھیے کہ آپ کی
ز درست اور صحیح ہے ورنہ یہ نماز وہ نماز نہیں ہے جو اسلام کی اصل روح ہے۔

آن میں ارشاد ہوا ہے :۔

یل لِّلْمُصَلِّیْنَ ۙ الَّذِیْنَ هُمْ
ن صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۙ الَّذِیْنَ
یرَآءُوْنَ ۙ وَیَمْنَعُوْنَ
مَاعُوْنَ ۔

پس ان نمازیوں کے لیے بلا کی ہے جو
اپنی نمازوں کی حقیقت سے غافل
ہیں جو محض دکھاوے کی نماز پڑھتے ہیں
اور ادنیٰ سے ادنیٰ چیز بھی مانگے
نہیں دیتے (سورۂ ماعون)

۳۔ روزہ (صوم)

فرضیت روزہ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ عربی زبان میں روزہ کو
صوم کہتے ہیں جس کی جمع صیام ہے۔ دینی اصطلاح میں صبح صادق
سے غروب آفتاب تک کھانا پینا بند رکھنا اور ہر طرح کی پرہیزگاری سے رہنا روزہ
کہلاتا ہے۔ اسلام نے ہر بالغ مرد اور عورت پر پورے ماہ رمضان کے روزے
فرض کر دیئے ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے :۔
(ترجمہ) "مسلمانو! تم پر روزے اسی طرح لکھے گئے (فرض) ہیں جس

طرح تم سے پہلی اُمتوں اور قوموں پر اس سے پہلے لکھے گئے (فرض) تھے۔ تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو"

(سورۂ بقرہ رکوع ۲۳)

دوسری جگہ فرمایا:۔

"ماہِ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اترا۔ جو لوگوں کے لیے (سراپا) ہدایت ہے جو ہدایت و تمیز حق و باطل کی نشانی ہے پس جو اس مہینہ میں زندہ موجود رہے وہ روزے رکھے اور جو مریض یا مسافر ہو وہ ان کے بدلے دوسرے دنوں میں پھر روزے رکھ لے۔ خدا آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور روزے اس لیے فرض ہوئے کہ اس عطائے ہدایت پر خدا کی بڑائی کرو اور شکر بجا لاؤ"

(سورۂ بقرہ رکوع ۲۳)

روزہ کی غرض وغایت

روزے کی اصلی غرض وغایت تزکیۂ نفس ہے جو خواہشات کو دبانے قوتوں کو ممنوع باتوں سے روکنے اور جذبات کے ایثار سے ہوتا ہے۔ انسان میں خوراک کی خواہش چونکہ ایک مجبور کر دینے والی چیز ہے اس لیے اس خواہش کو ایک خاص وقت کے لیے ترک کر دینے کا حکم دے دیا گیا تاکہ انسان میں صبر، تحمل اور ایثار پیدا ہو۔ چنانچہ ہر قسم کے روحانی فضائل کے حصول کے لیے اور ہر قسم کے اخلاقی انحطاط (برائی) سے بچنے کا بہترین ذریعہ اور وسیلہ روزہ ہے۔ انہی مقاصد کی خاطر خود اللہ تعالیٰ نے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (تاکہ تم پرہیز گار بنو) کے الفاظ سے بات اور واضح کر دی۔ تقویٰ بچنے اور پرہیز کرنے کا نام ہے۔ قرآن کے مندرجہ بالا الفاظ میں تتقون سے مراد

قسم کی برائیوں اور ممنوع باتوں سے بچنا اور پرہیز کرنا ہے۔

طریق روزہ

پورے ایک ماہ (رمضان) کے روزے رکھنا فرض ہے۔ چنانچہ ماہ شعبان کی ۲۹ یا ۳۰ تاریخ کی شام کو چاند دیکھ کر اسی رات سے رمضان کے روزے شروع کر دیے جاتے ہیں۔ اگر ۲۹ شعبان کو موسم ابر آلود ہو اور ارد گرد کے علاقوں سے بھی چاند ہونے کی اطلاع نہ ملے تو شعبان کے تیس دن پورے کر کے رمضان کی پہلی شب سے روزے شروع ہو جاتے ہیں۔
رات کا آخری حصہ صبح صادق یعنی پو پھٹنے سے پہلے تک سحری کا وقت کہلاتا ہے اور اسی وقت کھانا کھا کر روزہ رکھا جاتا ہے۔ روزہ رکھنے سے پہلے روزہ کی نیت کرنی چاہیئے جس کے لیے مندرجہ ذیل الفاظ مشہور ہیں:۔
وَبِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ (میں نے ماہ رمضان کے کل کے روزے کی نیت کی)
صبح سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور ممنوع باتوں سے پرہیز کی جاتی ہے۔ غروب آفتاب پر روزہ افطار کیا (کھولا) جاتا ہے۔ آنحضرت صلعم کے فرمان کے مطابق سحری دیر سے (آخری وقت میں) کھانا اور افطار جلدی (غروب آفتاب کے فوراً بعد) کرنا افضل ہے۔ روزہ افطار کرتے وقت مندرجہ ذیل دعا پڑھنی چاہیئے:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ۔

اے اللہ میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تجھ پر ایمان لایا اور تیرے ہی اوپر بھروسہ کیا (اب) تیرے ہی رزق پر افطار کرتا ہوں۔

ضروری احکام

مندرجہ ذیل چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا:۔
(۱) سر یا بدن پہ تیل لگانا، مسواک کرنا، سرمہ لگانا اور خوشبو لگانا، غسل کرنا۔
۲۔ خود بخود قے ہو جانا، پچھنے لگوانا، سنگی کھچوانا، احتلام ہو جانا، پیشاب یا خانہ کرنا، ہوا پیٹ سے خارج ہونا۔
۳۔ بھول کر کھا پی لینا۔

اور مندرجہ ذیل چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے:۔
۱۔ عمداً (ارادے سے) کھا پی لینا
۲۔ مباشرت کرنا۔
۳۔ ارادہ سے قے کرنا

بلا عذر روزہ توڑنا سخت گناہ ہے۔ اگر کوئی ایسا کرے تو پھر اس کے کفارہ (گناہ کا بدلہ) میں مسلسل دو مہینوں کے روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ ناگزیر صورت میں روزہ توڑا جاسکتا ہے۔ مثلاً، انسان روزہ کی شدت سے اس قدر نڈھال ہے کہ جان کا خطرہ ہو یا کسی اچانک بیماری کی وجہ سے نہایت ضروری ہو کہ روزہ توڑ کر دوائی کھائی جائے وغیرہ وغیرہ۔

سہولت ورخصت

سورۂ بقرہ میں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:۔

۱۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا	اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کسی امر میں تکلیف نہیں دیتا

۱۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ۔	اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا۔

چنانچہ روزہ سے متعلق بھی اللہ تعالےٰ نے مندرجہ ذیل رخصتیں اور آسانیاں دے دی ہیں:۔

۱۔ بوڑھے، بیمار اور مسافر لوگوں کو روزہ قضا کرنے یعنی وقتی طور پر چھوڑ دینے کا حکم ہے اور فرمایا کہ بعد میں روزے پورے لیکن جو بالکل معذور ہیں (کسی تکلیف یا بیماری کی وجہ سے) اور سارا سال روزہ نہیں رکھ سکتے تو انہیں ہر روزہ کے بدلے ایک دن کا کھانا کسی مسکین کو دے دینا ہوگا۔ بشرطیکہ وہ استطاعت رکھتے ہوں۔

سفر اگر آرام دہ ہو اور آسانی سے روزہ پورا کیا جا سکے تو روزہ رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ خود رسول اللہ صلعم نے حالت سفر میں روزے رکھے بھی اور چھوڑے بھی لیکن اگر سفر تکلیف دہ اور سخت قسم کا ہو تو اس میں روزہ رکھنا قطعاً موجب ثواب نہیں ہے۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم ایک سفر میں تھے کہ ایک بھیڑ دیکھی اور دیکھا کہ ایک آدمی کو سایہ کئے ہوئے لوگ کھڑے ہیں۔ آپ نے پوچھا "کیا ہے؟" لوگوں نے کہا "ایک روزہ دار ہے" آپ نے فرمایا "سفر میں اس طرح روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔"

۲۔ عورتوں کو حمل اور حیض کے دوران میں یا دودھ پلانے کے زمانے میں روزے معاف ہیں۔ ان دنوں کے بعد کسی وقت وہ روزوں کی تعداد پوری کریں یعنی روزہ رکھیں۔ یا اگر بعض مجبوریوں کی بنا پر انہیں روزوں کے لئے وقت نکالنا مشکل ہو تو فدیہ دے دیں۔ یعنی ہر روزہ کے بدلے میں ایک

مسکین کو کھانا کھلائیں۔

نمازتراویح

تراویح جمع ہے ترویحہ کی۔ ترویحہ کے معنی آرام دینے راحت دینے اور بیٹھنے کے ہیں۔ یعنی بیٹھ کر آرام کرنا۔ نماز تراویح وہ زائد عبادت ہے جو ماہ رمضان میں ہر روز عشاء کی نماز کے ساتھ وتروں سے پہلے کی جاتی ہے اس میں دو دو یا چار چار رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔ ہر چار رکعتوں کے بعد چند منٹ بیٹھ کر آرام کیا جاتا ہے۔ پھر چار رکعتیں ادا کی جاتی ہیں اسی طرح کل رکعتیں ادا ہوتی ہیں۔ نماز تراویح خواہ تعداد میں جتنی بھی پڑھنی ہوں چونکہ آرام لے لے کر پڑھی جاتی ہیں اس لئے ہر چار رکعتوں کو ترویحہ کہتے ہیں اور اس طرح ساری رکعتوں کو تراویح کہا جاتا ہے۔

ماہ رمضان چونکہ بہت ہی بابرکت مہینہ ہے اس لئے رسول اللہ صلعم نے شروع میں زائد عبادت کے لئے نماز تراویح چند بار نماز کے ساتھ پڑھائی لوگوں نے اس عبادت کو بہت پسند کیا لیکن آنحضرتؐ نے اس خیال سے کہ لوگ اسے اپنے فرائض میں شمار نہ کریں پھر تنہا اپنے گھر میں پڑھنی شروع کردی حتیٰ کہ بعض اوقات بالکل چھوڑ بھی دی مگر آپ نے لوگوں کو فرمایا کہ آپ جس قدر چاہیں پڑھتے رہیں۔ چنانچہ لوگ کوئی پچاس کوئی سو کوئی اس سے بھی زیادہ رکعتیں پڑھتے رہے۔ خود آنحضور صلعم چونکہ تراویح میں قرآن مجید کثرت سے پڑھتے تھے۔ اس لئے آپؐ رات بھر میں صرف آٹھ رکعتیں پڑھ سکتے انہی سے آپؐ کے پاؤں پر درم (سوجن) بھی آجاتا۔ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں لوگوں کو حکم دیا کہ مسجد میں باجماعت نمازِ تراویح پڑھیں اور ساتھ ہی ان کی تعداد جو آٹھ سے سو تک تھی اس کو مناسب تعداد یعنی بیس مقرر کردی اس پر تمام امت کا اجماع (اتفاق) ہوگیا

نمازِ تراویح بہرحال روزے کے لئے شرط نہیں ہے اس لئے یہ قضا نہیں ہوتیں یعنی اگر رہ جائیں یا چھوڑدی جائیں تو بعد میں پڑھنا ضروری نہیں۔ امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک یہ نماز سنت ہے اور اس کی بیس رکعت پڑھنی چاہیئے۔ امام مالک چھتیس رکعت بتاتے ہیں، حنفی حضرات تراویح کو سنتِ مؤکدہ (تاکید کی ہوئی) قرار دیتے ہیں اور جماعت کے ساتھ پڑھنا سنتِ کفایہ ہے مگر اہلِ حدیث آٹھ رکعت پڑھنا ہی مسنون سمجھتے ہیں اور اسے نمازِ تہجد ہی قرار دیتے ہیں جو رمضان کے مہینے میں اول شب پڑھا جاتا ہے آنحضور صلعم چونکہ نمازِ تراویح میں کثرت سے قرآن مجید پڑھا کرتے تھے اس لیے رمضان میں کم از کم ایک بار قرآن کا پڑھنا سنت سمجھا گیا ہے۔ جسے ہر روز نمازِ تراویح میں تھوڑا تھوڑا (تقریباً ایک پارہ) پڑھ کر ختم کیا جاتا ہے لیکن اگر امام حافظِ قرآن نہ ہو تو پھر تراویح میں قرآن کا کوئی حصہ یا چھوٹی چھوٹی سورتیں ہی پڑھ لینا کافی ہوتا ہے۔

شیعہ حضرات تراویح کی بجائے نوافل (نفل کی جمع) پڑھتے ہیں اور انہیں "نافلۂ رمضان" کہتے ہیں۔ نافلہ رمضان کی تعداد بھی ان کے ہاں ایک ہزار رکعت ہے جن کو مختلف وقتوں میں منقسم کیا گیا ہے۔

شبِ قدر

قرآن میں اللہ تعالے فرماتے ہیں کہ "ہم نے اس کو (قرآن) شبِ قدر میں نازل کیا" اور پھر سورۂ بقر میں فرمایا کہ ... رمضان وہ ہے جس میں قرآن کا نزول (شروع) ہوا۔"

ان دو بیانات سے ثابت ہوا کہ شبِ قدر (لیلۃ القدر) رمضان کی ہی کوئی رات ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ شبِ قدر رمضان کے

آخری عشرے (دس دن) میں سے ایک رات ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے سورۂ قدر میں اس رات کی یوں تعریف کی ہے کہ یہ ہزار مہینوں (کی عبادت) سے بہتر ہے۔

اعتکاف رسول اللہ صلعم رمضان کے آخری دس دنوں میں مسجد میں اعتکاف (گوشہ نشینی) فرمایا کرتے تھے۔ مسجد کے ایک کونے میں چادر وغیرہ سے پردہ کر دیا جاتا تاکہ تنہائی میں عبادت کیجائے شبِ قدر چونکہ انہی دس دنوں میں ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے ان دنوں میں ہر وقت مشغولِ عبادت رہا جاتا تھا چنانچہ اعتکاف آج تک رائج ہے۔

اعتکاف کے دنوں میں عام طور پر بلا ضرورت مسجد سے باہر نہیں نکلتے ہر وقت مشغول عبادت رہتے ہیں۔ اعتکاف عید کا چاند نکلنے پر ختم کر دیا جاتا ہے۔

فضیلتِ روزہ روزہ رکھنے سے مقصود یہ نہیں کہ سارا دن انسان بھوکا پیاسا ہی رہے اور فائدہ کچھ حاصل نہ ہو بلکہ روزہ سے اصل مقصد یہ ہے کہ انسان میں پرہیزگاری، تزکیۂ نفس، صبر و تحمل، نیکی کا جذبہ، برائیوں سے پرہیز، خواہشات میں اعتدال، دوسروں سے ہمدردی اور دیانت داری وغیرہ عمدہ اوصاف پیدا ہوں۔ اگر یہ اوصاف اور فضیلتیں روزہ دار میں پیدا نہ ہوں تو سمجھ لیجئے کہ روزہ دار میں ضرور کوئی نقص اور کمی ہے۔ جس کی وجہ سے روزہ سوائے ایک عذاب کے اور کچھ نہ تھا۔

یہ لوگ جو روزہ تو رکھتے ہیں۔ لیکن سارا دن کاروبار میں فریب اور

دھوکہ سے کام لیتے ہیں۔ جھوٹ اور بددیانتی ان کا پیشہ ہوتا ہے۔ غیبت اور ایذا رسانی ان کے معمول میں شامل ہے۔ غرض ہر قسم کے گناہ ان کی روزمرہ کی زندگی ہوتی ہے۔ غور کیجئے کہ ایسے لوگوں کا روزہ کیا وہی روزہ ہے جو اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کے لئے رکھا جاتا ہے! ایسے ہی لوگ ہیں جن کے متعلق رسول اللہ صلعم کے ارشادات ہیں کہ:۔

۱۔" کتنے ہی روزہ دار ہیں جنہیں ان کے روزے سے سوائے بھوک پیاس کے کچھ نہیں ملتا۔"

(بخاری و ابن ماجہ)

۲۔" اور کتنے راتوں کو ذکر و تلاوت کا قیام کرنے والے ہیں کہ انہیں اس سے سوائے شب بیداری کے اور کچھ فائدہ نہیں۔"

(ابن ماجہ)

۳۔" بہت سے قرآن تلاوت کرنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت بھیجتا ہے۔"

(ابن ماجہ)

زکوٰۃ

فرضیت زکواۃ اسلام کا چوتھا رکن اور ایک نہایت اہم عملی فریضہ ہے یہ وہ حصہ ہے جو صاحب استطاعت اپنے اس مال میں سے ہر سال ایک خاص تناسب کے ساتھ نکال کر مستحق لوگوں کے لیے دیتا ہے جو ضروریات زندگی کے علاوہ سال بھر بچا رہے۔ زکواۃ کی فرضیت اور اہمیت کا اندازہ یوں لگا سکیے کہ قرآن مجید میں مختلف جگہوں پر بیاسی[۸۲] بار نماز پڑھنے (اقیموالصلوٰۃ) اور ادائیگی زکواۃ (اٰتوالزکوٰۃ) کا ذکر ساتھ ساتھ ہوا ہے۔ یعنی بدنی عبادت (نماز) کے ساتھ مالی عبادت (زکواۃ) بھی لازمی قرار دے دی گئی۔ تاکہ لوگوں میں زبانی اور ذہنی ہمدردی کے ساتھ عملی ایثار و مدد کا جذبہ بھی قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے سخت سزا کا ذکر کیا ہے جو اپنے مال و دولت کو جمع تو کرتے رہتے ہیں لیکن مستحق لوگوں کی اس سے مدد نہیں کرتے۔ چنانچہ سورۂ توبہ کے پانچویں رکوع میں ارشاد ہوتا ہے۔

ترجمہ" جو لوگ سونا چاندی جمع کر کر رکھتے ہیں۔ اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجیے کہ جس دن ان (سونے چاندی) کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا۔ پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغ دیا جائیگا (انہیں بتایا جائے گا کہ) یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر رکھا تھا سو اب اپنے جمع کرنے کا مزا چکھو"

زکواۃ اور خیرات میں فرق

محتاج اور مفلس کی مالی مدد خیرات کہلاتی ہے۔ قرآن کی اصطلاح میں محتاج رشتہ داروں کی مدد اور اعانت کو بھی خیرات کہتے ہیں بلکہ یوں سمجھئے کہ خیرات دیتے وقت سب سے پہلے رشتہ داروں کا حق ہوگا۔ اسی لئے غریب اور مفلس رشتہ داروں کی خبر گیری مسلمانوں پر ہر حالت میں فرض ہے۔

اگرچہ زکواۃ بھی ایک قسم کی خیرات ہی ہے۔ لیکن اس کی نوعیت ذرا مختلف ہے۔ زکواۃ صاحبِ استطاعت پر فرض ہے۔ اور ایک خاص نصاب اور تناسب کے لحاظ سے ادا کی جائے گی۔ ایک خاص نصاب (مقدار مال) سے کم رقم یا مال پر زکواۃ واجب نہ ہوگی۔ لیکن ہر کھاتے پیتے مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اپنے مال میں سے تھوڑا بہت غرباء اور مساکین کو خیرات کے طور پر دے۔ یہاں نصاب اور تناسب کی شرط نہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ اگر اس کے پاس کچھ ہے تو اپنے غریب رشتہ داروں اور پھر دوسرے محتاجوں کی بھی مدد کرے۔ چنانچہ زکواۃ سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ لوگ زکواۃ دے کر خیرات کو بھول جائیں یا غریبوں اور محتاجوں کی مدد صرف زکواۃ کے ذریعے سے ہی کریں۔

زکواۃ اور انکم ٹیکس میں فرق

گو زکواۃ بھی ایک قسم کا انکم ٹیکس ہے جو اسلامی حکومت کی طرف سے اس شخص پر عائد ہوگا۔ جس کے پاس ضروریاتِ زندگی کے علاوہ کچھ بچا رہے۔ لیکن موجودہ انکم ٹیکس اور زکواۃ میں مندرجہ ذیل نمایاں فرق ہیں:۔

پہلی چیز یہ کہ زکوٰۃ آمدنی کی کمی بیشی پر ہی عائد نہیں ہوتی۔ بلکہ جمع شدہ مال پر بھی زکواۃ لی جائے گی، خواہ اس سال آمدنی میں کوئی اضافہ نہ ہوا ہو۔ اس کے علاوہ بڑھنے والی چیزوں مثلاً مویشی وغیرہ پر بھی زکواۃ ہو گی۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ کی وصول شدہ رقم یا مال صرف مخصوص مصارف (جگہوں) پر خرچ کی جا سکتی ہے۔ حکومت کو یہ حق حاصل نہیں کہ زکواۃ کا مال ان مصارف کے علاوہ کسی دوسری جگہ استعمال کرے لیکن انکم ٹیکس کی وصول شدہ رقم حکومت جہاں چاہے خرچ کر سکتی ہے۔

نصاب و تناسب

زکوٰۃ چار چیزوں پر عائد ہوتی ہے۔ سونا چاندی یا ان کے سکے وغیرہ، جانور مویشی وغیرہ زمین اور سامانِ تجارت بشرطیکہ ان پر ایک سال کی مدت گزر جائے پھر ان چیزوں کا نصاب (مقدار) مقرر کر دیا گیا ہے کہ اس مقدار سے کم پر زکواۃ نہ لی جائے گی۔ تناسب اس شرح کو کہتے ہیں۔ جس سے مختلف چیزوں کی زکواۃ کا حساب کیا جاتا ہے۔

سونے چاندی اور ان سے بنے ہوئے سکے اور برتنوں پر زکواۃ گی۔ سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے ہے اور چاندی کا ساڑھے باون (۵۲½) تولے اور دونوں پر چالیسواں حصہ (۱/۴۰) زکواۃ ہو گی نہری یا بارانی (بارش والی) زمین کی آمدنی کا ۱/۱۰ حصہ زکواۃ ہو گی اور سیرابی زمین کی آمدنی کا ۱/۲۰ حصہ زکوٰۃ لی جائے گی۔ دفینہ یا خزانہ ملنے پر ۱/۵ حصہ زکواۃ ہے۔ کیونکہ اس میں محنت کے بغیر دولت ہاتھ آتی ہے سامانِ تجارت پر ۱/۴۰ حصہ زکواۃ ہے۔ اس مکان کی زکواۃ نہ ہو گی۔ جس میں خود

مالک مکان رہتا ہو یا اس کا کرایہ لے کر بسر اوقات کرتا ہو۔ لیکن جس مکان کی آمدنی بسر اوقات کے علاوہ آتی ہو۔ اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ بھیڑ بکریوں کا نصاب چالیس ہے گائے بھینس کا تیس، اونٹ کا پانچ اور ان پر زکواۃ کا تناسب مختلف ہے۔ جس کا ذکر طوالتِ مضمون کا باعث ہوگا۔ کسی زکواۃ کی تفصیلی کتاب میں سے دیکھا جا سکتا ہے۔

مصارف جن جگہوں پر زکواۃ (کی رقم یا مال) خرچ کی جا سکتی ہے انہیں مصارف کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں مصارف زکواۃ ترتیب کے ساتھ بیان ہوئے ہیں:۔

(ترجمہ) صدقہ کا مال (یعنی مال زکواۃ) فقیروں[۱] کے لئے اور مسکینوں[۲] کے لئے اور ان کے لئے جو اس کی وصولی کے کام[۳] پر مقرر کئے جائیں اور ان کے لئے جن کے دلوں میں[۴] (کلمہ حق کی) الفت پیدا کرنی ہے۔ اور غلام[۵] آزاد کرانے میں۔ اور قرضہ داروں[۶] کے لئے (جو ادا نہ کر سکتے ہوں) اور اللہ کی راہ[۷] میں اور مسافروں[۸] کے لئے، یہ فریضہ اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ جاننے والا، حکمت رکھنے والا ہے۔"

(سورۂ توبہ رکوع ۸)

ان آیات کی تشریح اگر کر دی جائے تو زیادہ بہتر ہوگا فقیر اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس ضروریات زندگی کے لئے کچھ نہ ہو مسکین وہ شخص ہوگا جس کے پاس بہت ہی قلیل ضروریاتِ زندگی ہیں اور

اگر اس کی بر وقت مدد نہ کی جائے تو بالکل فقیر ہو جائے گا پھر
سوال کرنے سے گریز نہیں کرتا۔ مگر مسکین اپنی خودداری اور عزت
نفس کی خاطر ہاتھ دوسروں کے آگے نہیں پھیلاتا۔ مسکین گو حاجت
ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ ہاتھ نہیں پھیلاتا۔ اس لئے اسے خیرات بھی نصیب
نہیں ہوتی۔ مساکین کی حدود میں وہ علماء دین بھی آسکتے ہیں جو اشاعت
اسلام اور خدمتِ دین کے کاموں میں اتنے مصروف رہتے ہیں۔ کہ کمانے
کی فرصت نہ ہو۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۷۳)

قوم کے بے روزگار لوگ بھی مساکین میں شامل ہیں۔ فی سبیل اللہ سے
مراد وہ تمام کام ہیں جو دین ملت کی حفاظت اور استحکام کے لئے ہوں
مثلاً دفاعِ ملک، اشاعتِ دین، تعلیمی ادارے اور مساجد، رفاہِ عامہ
وغیرہ تمام کام اس میں شامل ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ تینوں کے مطابق
قرآن و سنت کی روشنی میں یہ ضروری نہیں ہے کہ زکوٰۃ کی رقم بیک
وقت تمام مصارف پر خرچ کر دی جائے۔ بلکہ حالات اور ضرورت
کے مطابق مصارف پر خرچ کی جانی چاہیئے۔

زکوٰۃ اور سود

سود غریب اور محتاج لوگوں کے لئے زہر قاتل
سے کسی قدر کم چیز نہیں۔ مال دار لوگ سود کے
ذریعے غریبوں اور محتاجوں پر ظالمانہ تسلط جمائے رکھتے ہیں۔ اسی لئے اسلام
نے سود کو سرے سے حرام قرار دے دیا ہے۔ اور دوسری طرف زکوٰۃ
اس لئے فرض کر دی کہ اس سے غریبوں اور محتاجوں کی ضروریات
پوری ہوتی رہیں اور وہ سود دینے پر مجبور نہ ہوں چنانچہ ارشاد

نا ہے کہ :-

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ

اللہ سود کا جذبہ گھٹانا چاہتا ہے۔ اور خیرات (زکوٰۃ) کا جذبہ بڑھانا چاہتا ہے۔ (سورۂ بقرہ رکوع ۳۸)

چنانچہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ اور سود ایک دوسرے ضد ہیں ۔ یعنی اگر کسی قوم میں سود عام ہو جائے تو ان کے مالدار ں کے لئے بدبختی لازمی ہے اور اگر کسی قوم میں زکوٰۃ وخیرات کا جذبہ پیدا جائے تو اس کے تمام افراد خوش حال رہیں گے ۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ممانعت کے بعد بھی جو لوگ سود کو نہ چھوڑیں تو گویا اللہ راس کے رسولؐ کے خلاف ان کا اعلان جنگ ہے ۔

(سورۂ بقرہ رکوع ۳۸)

ٰوۃ کا شرعی نظام

زکوٰۃ کی وصولی بالکل اسی طرح ہے جس طرح آج کل حکومت انکم ٹیکس وصول کرتی ہے ۔ یہ طریقہ ٹھیک نہیں کہ ہر شخص خود ہی زکوٰۃ نکال کر غریبوں میں رچ کر دے ۔ اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ زکوٰۃ باقاعدہ طریق سے وصول کرکے بیت المال (خزانہ) میں جمع کر دے ۔ جہاں سے حالات اور ضروریات کے مطابق جس مصرف پر چاہیئے خرچ کرے حکومت سختی سے زکوٰۃ وصول کرنے کا بھی حق رکھتی ہے ۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے عہد میں ایک مرتبہ کہا کہ " خدا کی قسم میں ہر اس شخص سے جہاد کروں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا ۔"

فوائدِ زکوٰۃ زکوٰۃ کے ذریعے لوگوں میں ایک دوسرے کی مدد ہو جاتی ہے۔ لہٰذا کوئی شخص ہاتھ پھیلا کر در در نہیں ... امیر لوگوں میں غریبوں کی اعانت و مدد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ دولت کو صرف اپنی عیش پر خرچ کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ زکوٰۃ محتاجوں، یتیموں اور بیواؤں کی مدد ہوتی ہے۔ ان لوگوں کی بھی ہوتی ہے جو کام تو کر سکتے ہیں۔ لیکن سرمایہ نہ ہونے کی وجہ معذور ہیں۔ الغرض زکوٰۃ ہر ایسے شخص کا سہارا ہے جو کسی ... بے سہارا ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنے سے انسان میں فیاضی کا جذبہ بڑھتا ہے۔ بخل کنجوسی آپ سے آپ مٹ جاتی ہے۔ لوگ ظالم ہونے کے بجائے ایک دوسرے کے ہمدرد اور رحمت کا باعث بنتے ہیں۔ زکوٰۃ انسان کو یہ سکھاتی ہے کہ زندگی اپنے ہی لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے بھی گزاری جاتی ہے۔

۵۔ حج

اصلیتِ حج آج سے تقریباً چار ہزار سال پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق سے ہجرت کر کے اپنی بیوی ... اور اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ عرب کے صوبہ حجاز میں ... جگہ آ بسے تھے۔ جہاں اب مکہ معظمہ ہے۔ یہاں انہوں نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ مل کر صرف اللہ کی عبادت کے لئے ایک گھر بنایا تھا۔ یہ دنیا کی پہلی مسجد تھی جو خالص توحید کے مظاہرہ ...

تعمیر کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بہت پسند کیا اور اسے باعث
ت اور تمام لوگوں کے لئے ہدایت کا مرکز قرار دیا۔ چنانچہ قرآن میں
رۂ آلِ عمران میں فرمایا۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ۔	بے شک وہ پہلا گھر جو لوگوں کے واسطے تعمیر کیا گیا وہ مکان ہے جو مکہ میں ہے، بڑا برکت والا ہے اور جہان بھر کے لوگوں کا رہنما ہے۔

یہاں ان کی اولاد خوب پھیلی۔ حضرت ابراہیم نے اللہ تعالیٰ سے
کی کہ "اے پروردگار! "میں نے تیرے محترم گھر کے پاس ایک
یسے بیابان میں جو بالکل برگ و گیاہ ہے۔ اپنی نسل لا کر بسائی ہے
کہ یہ لوگ تیری عبادت قائم کریں۔ پس تو ایسا کر کہ انسانوں کے
وں کو ان کی طرف پھیر دے اور ان کے رزق کا سامان کر دے۔ تاکہ
تیرا شکر کریں۔"

(سورۂ ابراہیم رکوع ۶)

دعا قبول ہوئی۔ اللہ نے اسے اپنا گھر (بیت اللہ) قرار دیا اور
کہا کہ یہ تمام لوگوں کے لئے امن کی جگہ ہے۔ چنانچہ چاروں طرف سے
لوگ حج (بیت اللہ کی زیارت اور طواف) کے لئے آنے لگے۔ یہاں تک
کہ بیت اللہ تمام عرب کا مذہبی مرکز بن گیا۔ بیت اللہ کی عزت و عظمت
کی وجہ سے مکہ کے گرد و نواح کا ایک محدود علاقہ بھی قابل عزت سمجھا جانے لگا
جسے حرم مکہ کہتے ہیں۔ بیت اللہ چونکہ ایک چوکور مکان ہے۔ اس لئے یہ
کعبہ (چوکور) کے نام سے مشہور ہوا۔

پھر حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیل نے دعا مانگی "اے پروردگار! ہماری نسل میں سے ایک رسول مبعوث کر جو ان کے آگے تیری آیتیں پڑھ کر سنائے انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کے اخلاق کا تزکیہ کرے" (سورۂ بقر رکوع ۱۵)

اللہ تعالےٰ نے ان بزرگوں کی دعا قبول فرمائی اور ان کی نسل میں کئی پیغمبر پیدا کیے جنہوں نے اپنی اپنی اولاد کو وصیت کر دی تھی کہ دین ہی اللہ کا برگزیدہ مذہب ہے۔ تم (مرتے دم تک) اس پر قائم رہنا (سورۂ رکوع ۱۶) حتیٰ کہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنا آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کیے۔ قرآن میں ہے "وہ خدا جس نے ایک غیر متمدن قوم میں سے اپنا ایک رسول (حضرت محمدؐ) پیدا کیا جو اللہ کی آیتیں ان کو سناتا ہے۔ ان کے نفس کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

(سورۂ جمعہ رکوع ۱)

حضرت محمد صلعم کے ظہور کے وقت اگرچہ دینِ ابراہیمی کے پیرو سوائے اِکّا دُکّا کے سب ختم ہو چکے تھے اور لوگ دینِ ابراہیمؑ کو آبائی کا مذہب تو سمجھتے تھے لیکن اس کے ساتھ طرح طرح کی بدعات واختراعات شامل کر دی گئی تھیں جن کی وجہ سے اصل حقیقت گم ہو چکی تھی۔ خانۂ کعبہ گو محفوظ تھا لیکن بجائے ایک خدا کی عبادت کے تین سو ساٹھ بتوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ حج کے دنوں بجائے اللہ کا ذکر کرنے کے آباؤ اجداد کے قصیدے پڑھے جاتے تھے۔ حج بھی ادا ہوتا تھا لیکن جس حج کا مقصد قائم کرنا تھا۔ اس میں قریش نے کئی امتیازات پیدا کرلئے ہوئے

برہنہ طواف عام تھا۔ عمرہ (حج کے دنوں کے علاوہ کسی وقت زیارت کعبہ) کو سخت گناہ خیال کیا جاتا تھا۔ اور اسی طرح کی کئی دوسری بدعات شامل ہو چکی تھیں۔

سنہ ھ کے آخر تک گو عرب میں اسلام آچکا تھا اور دور دراز تک پھیل رہا تھا۔ لیکن ابھی تک مکہ میں خانۂ کعبہ میں تین سو ساٹھ بتوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ آنحضرت صلعم اپنے مشن کے مطابق کعبہ کو بتوں سے پاک کر کے پھر اسے اصل طریقہ پر یادگار ابراہیمؑ بنانا چاہتے تھے چنانچہ ۸ھ میں مکہ فتح ہو گیا۔ قریش کے سامنے بتوں کے انبار توڑ پھینکے گئے۔ نورِ خدا جو مدت سے ان پتھروں کے نیچے دبا پڑا تھا اس انبار کے اٹھتے ہی پھر سے روشن ہو گیا اور لوگوں کے تاریک دلوں تک جا پہنچا۔ قریش کی آنکھیں کھل گئیں اور فوج در فوج آکر ہادیٔ اسلام کے پاؤں پر گرنے لگے۔

اب کیا تھا کعبہ بتوں سے پاک تھا۔ سنت ابراہیمی کی یادگاریں پھر سے تازہ کر دی گئیں اور فرمایا کہ "بعثۃ مشاعر ابیکم ابراہیم" یعنی خوب غور سے دیکھو اور بصیرت حاصل کرو کیونکہ یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی یادگار ہیں ——— چنانچہ حج کے متعلق تمام بدعات واختراعات ترک کر دی گئیں۔ تمام امتیازات مٹا دیے گئے۔ برہنہ طواف ممنوع کر دیا گیا، عمرہ جو پہلے گناہ سمجھا جاتا تھا اب پورے اہتمام سے کیا جانے لگا۔ قربانی کی حقیقت واضح کر دی گئی کہ اس سے صرف دلوں کی نیت اور پرہیزگاری مطلوب ہے۔ چنانچہ حج کے آداب ومناسک (رسومات) سکھائے گئے اور تمام اُمت مسلمہ پر حج کی ادائیگی (بشرطِ استطاعت) فرض کر دی گئی۔

فرضیت حج اسلام کا پانچواں رکن ہے۔ یہ فریضہ زندگی میں ایک بار ادا کرنا ضروری ہے اور وہ بھی اس مسلمان کے لئے جو وطن سے مکہ جانے اور وہاں سے واپسی کی استطاعت رکھتا ہو قرآن ارشاد ہوا ہے:-

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا

جو لوگ مالی اور جسمانی حالت کے لحاظ سے حج کی استطاعت رکھتے ہیں ان پر اب حج فرض کر دیا گیا (سورۂ آل عمران)

پھر حدیث نبوی میں آتا ہے کہ "جس شخص کو نہ تو کسی خاص ضرورت نے حج کرنے سے روکا، نہ کسی ظالم حاکم نے اور نہ کسی مرض نے اور پھر بھی اس نے حج نہ کیا ہو تو اس کی مرضی یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر"

آداب حج آداب حج سے مراد وہ اعمال و احکام اور حدود و شرائط ہیں جو ادائیگی حج کے دوران میں ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری اور لازم ہیں۔ مندرجہ ذیل آداب حج ہیں:-

حرمتِ شکار :- حالتِ احرام میں شکار کرنا جائز نہیں۔ جو کوئی ارادہ سے شکار کرے اسے کفارہ یا بدلہ دینا پڑے گا۔ بدلہ یہ ہوگا کہ جو جانور شکار کیا گیا تھا۔ اس کی مانند کوئی جانور کعبہ پہنچا کر قربان کیا جائے اور کفارہ یہ ہے کہ مسکینوں کو جانور کی قیمت کے لحاظ سے کھانا کھلائے یا مسکینوں کی گنتی (جتنے وہ کھانا کھا سکیں) کے برابر روزے رکھے۔ البتہ حالتِ احرام میں سمندر کا شکار مچھلی وغیرہ (جو بغیر شکار کے ہاتھ آئے) کھایا جا سکتا ہے۔

ممانعتِ جنگ، گناہ اور رغبتِ عورت:۔ احرام کی حالت میں بیوی سے خلوت، گناہ و فسق کی بات اور لڑائی جھگڑے سے ممانعت ہے۔

اجازتِ جنگ:۔ لیکن اگر کوئی دشمن جنگ کرے تو مدافعت کی خاطر لڑنا پڑے گا۔ اس کی اجازت ہے۔

دستورِ تعاون حق:۔ مسلمانوں کو نصیحت کی گئی کہ اگر دوسرے لوگ زیارتِ کعبہ کے لئے آئیں تو انہیں مت روکیں کیونکہ دستور العمل یہ ہونا چاہیئے کہ تمام اچھے کاموں میں تعاون کیا جائے اور برائی سے بچا جائے۔

اجازتِ کاروبار:۔ حج کے دنوں تجارتی کاروبار کی بھی اجازت ہے تاکہ لوگ عبادت کے ساتھ ساتھ دنیاوی فائدہ بھی حاصل کریں لیکن یہاں یہ منشا نہیں کہ کاروبار میں اس قدر محو ہو کہ نتیجۃً حج پر زد پڑے۔

ازالۂ وہم پرستی:۔ لوگوں کو بتایا گیا کہ چاند کا طلوع و غروب وقت کے حساب کے لئے ہے تاکہ حج کے مہینہ کا تعین ہو سکے اور جو لوگ چاند ستاروں سے طرح طرح کی توہمات منسوب کرتے ہیں تو وہ بالکل گمراہی کی باتیں ہیں اور اسی طرح کے دوسرے وہم بھی مثلاً گھر کے پچھواڑے سے گھر میں داخل ہونا یہ سب غلط باتیں ہیں اصلی بات تو تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

میدانِ عرفات کی شرط:۔ زمانہ جاہلیت میں اہلِ مکہ حج کے دنوں حرمِ مکہ سے باہر نکلنا ضروری نہیں سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ

عذور بھی ختم کر دیا اور حکم دیا کہ سب کے لئے خواہ اہل مکہ
ہوں یا دوسرے حرم مکہ سے باہر یعنی میدان عرفات تک
جانا ضروری اور شرط حج ہے۔

مصلحتِ قیام کعبہ۔ لوگوں کو شعائر کعبہ یعنی حرمت کے مہینوں (ذی قعدہ، ذی الحجہ،
محرم، رجب) حج کی قربانی اور قربانی کے جانوروں کی حرمت
قائم رکھنے کا حکم دیا تا کہ حج کی ادائیگی میں کوئی نازیبا بات
نہ ہو جائے۔

مَناسکِ حج

مناسک سے مراد وہ تمام رسومات ہیں جو ادائیگی حج کے لئے
لازمی ہیں۔ مناسک حج مندرجہ ذیل ہیں۔

احرام۔ یہ اس لباس کا نام ہے جو ہر حاجی حج کے دوران میں پہنے رکھتا
اس میں دو بن سلی (UNSTICHED) چادریں ہوتی ہیں جن میں سے ایک
چادر تہ بند کی طرح باندھ لی جاتی ہے اور دوسری کمر اور کندھوں پر ڈالی جاتی
ہے۔ یہ سادگی در اصل اس بات کی علامت ہے کہ اللہ کے ہاں امیر و غریب
سب یکساں ہیں اور زینتِ لباس سے اللہ کو کچھ غرض نہیں۔ بلکہ اللہ تو اپنے
بندوں کا تقویٰ اور خلوص چاہتا ہے۔

تلبیہ۔ احرام باندھنے کے بعد حرم کعبہ میں داخل ہوتے ہیں اور بارگاہِ الٰہی
میں حاضری کا اعلان مندرجہ ذیل کلمات سے کیا جاتا ہے
تلبیہ کہلاتے ہیں۔

لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا	میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔ سب تعریفیں

شریک لک ۔ | نعمتیں تیرے لئے ہیں اور حکومت بھی تیرے لئے ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں

طواف :- خانہ کعبہ کے گرد چکر لگانے کو طواف کہتے ہیں ۔ ہر حاجی کو سات بار طواف کرنا ہوتا ہے ۔ طواف کے دوران میں تکبیریں پڑھی جاتی ہیں اور دعائیں مانگی جاتی ہیں۔

مقام ابراہیمؑ حرم کعبہ میں ایک جگہ ایک پتھر نسب ہے جس پر حضرت ابراہیمؑ کے پاؤں کے نقش ہیں۔ اسے مقام ابراہیمؑ کہتے ہیں۔ اس جگہ پر ہر حاجی طواف کے بعد دو رکعت نماز ادا کرتا ہے ۔

حجرِ اسود خانہ کعبہ کے ایک کونے میں ایک سیاہ رنگ کا پتھر نسب ہے جو حجر اسود کہلاتا ہے ۔ یہ پتھر بھی حضرت ابراہیمؑ کی یادگار ہے وہ اس پر ہاتھ رکھوا کر لوگوں سے حلف وفاداری لیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلعم نے اس پتھر کو بوسہ دیا تھا۔ چنانچہ حاجی لوگ بھی اس کو بوسہ دیتے ۔ یا ہاتھ سے چھو لیتے ہیں ۔ یا صرف ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں ۔ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ اسے بوسہ دیتے ہوئے کہا" اے حجر اسود ! میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے جو نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان ، میں تجھے صرف اس لئے بوسہ دے رہا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو تجھے بوسہ دیتے دیکھا تھا"

سعی :- دوڑنے کو عربی زبان میں سعی کہتے ہیں ۔ مکہ کے قریب صفا اور مروہ دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان حضرت ابراہیمؑ کی بیوی حضرت ہاجرہؑ اس وقت مضطربانہ دوڑیں ۔ جب حضرت اسمٰعیلؑ بچہ تھے اور شدت پیاس سے رو رہے تھے ۔ حضرت ہاجرہؑ پانی کی تلاش میں بھاگتی تھیں ۔ اللہ تعالیٰ

نے چشمہ پیدا کر دیا اور اس دوڑ کو اتنا پسند کیا کہ حاجیوں کے لیے لازمی کر دیا کہ وہ بھی حج ادا کرتے وقت یہاں دوڑا کریں۔ چنانچہ صفا اور مروہ کے درمیان آہستہ آہستہ سات بار دوڑتے ہیں۔

میدانِ عرفات مکہ سے باہر تقریباً دس میل کے فاصلے پر میدانِ عرفات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں تک جانا سب حاجیوں کے لیے خواہ وہ اہلِ مکہ ہوں یا دوسرے شرط حج قرار دے دیا۔

رمی:۔ کنکریاں مارنے کو رمی کہتے ہیں۔ میدانِ عرفات سے واپسی پر منیٰ کے مقام پر ٹھہرتے ہیں۔ یہاں تین ٹیلے بنے ہوئے ہیں جو جمرات کہلاتے ہیں۔ جمرات پر حاجی لوگ چند کنکریاں پھینکتے ہیں۔ یہ بھی حضرت ابراہیمؑ کی یادگار ہے۔ یہاں انہوں نے شیطان پر کنکریاں پھینکی تھیں۔ جب وہ آپ کو بہکانے لگا تھا۔

قربانی:۔ منیٰ کے مقام پر رمی کرتے ہیں۔ اور اس کے فوراً بعد جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے اور حاجی لوگ سر منڈاتے ہیں۔

طریقۂ حج حرم مکہ جہاں سے شروع ہوتا ہے اس مقام کو میقات کہتے ہیں۔ حاجی میقات پہنچ کر احرام باندھ لیتے ہیں اور حرم کی حدود میں داخل ہوتے ہیں۔ پھر اپنی حاضری کا اعلان تلبیہ کے کلمات ادا کرنے سے کرتے ہیں۔ خانہ کعبہ کے گرد سات بار طواف کرتے ہیں۔ اور طواف کے بعد مقام ابراہیمؑ پر دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں۔ اس کے بعد حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں یا صرف چھو کر گزر جاتے ہیں۔ پھر صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کی طرف جا کر وہاں سات بار آہستہ آہستہ دوڑتے ہیں۔

سات ذی الحج کو دوپہر کے بعد امام مسجدِ حرام میں خطبہ دیتا ہے اور

مسائل حج لوگوں کو سمجھاتا ہے۔ آٹھ ذی الحج کی صبح کو حاجی لوگ میدانِ عرفات کی طرف روانہ ہوجاتے ہیں۔ مکّہ سے چار میل کے فاصلہ پر منیٰ کے مقام پر ——— ٹھہرتے ہیں۔ اگلے روز صبح نماز کے بعد پھر آگے چل دیتے ہیں اور عرفات کے میدان میں پہنچ کر وقوف کرتے (ٹھہرتے) ہیں۔ تکبیریں کہتے ہیں اور اپنے لئے استغفار مانگتے ہیں۔ یہاں امام لوگوں کو جبل رحمت (ایک پہاڑی کا نام) پر کھڑے ہوکر خطبہ دیتا ہے۔ اور فرائض حج سمجھاتا ہے۔

غروبِ آفتاب کے بعد حاجی عرفات سے روانہ ہوتے ہیں۔ اور مزدلفہ کے مقام پر پہنچ کر رات گزارتے ہیں۔ یہ مقام عرفات اور منیٰ کے درمیان واقع ہے۔ دسویں ذی الحج کی صبح کو تمام حاجی مزدلفہ سے منیٰ پہنچ جاتے ہیں۔ اور یہاں دو تین روز قیام کرتے ہیں۔ کنکریاں مارتے ہیں۔ اور قربانی دیتے ہیں۔ یہ وہی قربانی ہے جو حضرت ابراہیمؑ کی یادگار ہے۔ قربانی کے بعد احرام اتار دیا جاتا ہے اور حاجی سر کے بال ترشواتے ہیں۔

قربانی کے بعد حاجی مکّہ آتے ہیں اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ جو حج کا آخری رکن ہے۔ یہ طواف دسویں ذی الحج کی صبح سے لے کر بارھویں تاریخ تک جاری رہتا ہے۔

اس کے بعد دو تین دن کے لئے منیٰ جاتے ہیں اور وہاں رمی کرتے ہیں۔ واپسی پر پھر طوافِ وداع (آخری طواف) کر کے حج سے فارغ ہوجاتے ہیں۔

فوائدِ حج | قرآن مجید میں بیان ہوا ہے کہ حج کا اصلی مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنے اپنے فوائد کو حاصل کریں اور اس کے ساتھ ہی

چند مخصوص دنوں میں خدا کو یاد بھی کر لیا کریں "

(سورۃ حج رکوع ۴)

حج کا سب سے پہلا فائدہ دینی مقاصد کی تکمیل ہے۔ حج مختلف یادگاروں کا مجموعہ ہے جن کو دیکھ کر اسی طرح دل میں اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح ان یادگاروں کے چھوڑنے والوں کے دل میں تھی۔

اس کے ساتھ ساتھ حج کے دنیاوی فوائد بھی ہیں تجارت کی اجازت دے دی گئی۔ تاکہ بین الاقوامی تجارت سے سب لوگ فائدہ اٹھا سکیں۔ اس سفر سے انسان علمی تحقیقات کر سکتا ہے۔ اور جغرافیہ اور سیاحت کے فوائد بھی حاصل کر سکتا ہے۔ مختلف ممالک سے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ چنانچہ آپس میں تعارف ہوتا ہے تعلقات پیدا ہوتے ہیں اور اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مسلمان دنیا کے کسی گوشہ میں ہوں سب ایک ہی ملت ہیں۔ سب بھائی ہیں اور سب کا مقصد زندگی ایک ہی ہے۔ حج سے اشاعت دین میں بڑی مدد ملتی ہے۔ لوگ دور دراز سے یہاں جمع ہوتے ہیں۔ سب کے حالات کا جائزہ لے کر اسلامی بین الاقوامی مسائل کا حل سوچا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حج اس بات کے لئے بھی مرکزی حیثیت رکھتا ہے ؎

اخلاقِ اسلامی

خُلق عادت اور خصلت کو کہتے ہیں جس کی جمع اخلاق ہے۔ انسان کے اچھے اور بُرے دونوں کام اخلاق سے تعبیر کئے جاتے ہیں۔ بُرے کام بد اخلاقی کہلائیں گے۔ اور اچھے کام عمدہ اخلاق سے منسوب ہوں گے۔ یہاں اخلاقِ اسلامی سے مراد وہ عمدہ اخلاق ہیں۔ جو مذہب اسلام نے انسانوں کو بتائے ہیں اور جن سے لوگ دنیا میں رہنے سہنے کے بہترین ڈھنگ سیکھتے ہیں۔

پھر عادات وخصائل چونکہ انسانوں کے مزاج طبعی کے حقیقی آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اس لئے اسلام نے ہمیشہ تزکیہ نفس (نفس کو پاکیزہ کرنا) پر زور دیا تاکہ انسانوں کے نفوس پاک وصاف ہو جائیں۔ اور ان میں ضبط و اقدام کی ایک ایسی استعداد اور کیفیت پیدا ہو جائے کہ جس سے خود بخود اعمالِ صالح (نیک کام) صادر ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ دینِ اسلام عمدہ اخلاق کا ہی دوسرا نام ہے۔ دینِ ہدایت کا سرچشمہ ہے اسی سے انسان کو زندگی کے ہر شعبے میں اخلاقی رہنمائی ملتی ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ	میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حسنہ (عمدہ) کو پورا کردوں۔

(موطا۔ احمد)

صحابہؓ نے ایک دفعہ آنحضرت صلعم سے پوچھا "یا رسول اللہ انسان

کو جو چیزیں دی گئی ہیں ان میں بہتر چیز کونسی ہے ؟ آپ نے فرمایا "خوش خلقی" —— (رواہ بیہقی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو یہ فرماتے سنا ہے "مومن اپنی خوش خلقی کے ذریعے رات کو عبادت کرنے والے اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھنے والے شخص کا درجہ حاصل کر لیتا ہے (ابوداؤد)

ان احادیث نبوی سے معلوم ہوا کہ عمدہ اخلاق کا پیدا کرنا ہی دراصل مذہب کا مقصد و مرکز ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ آنحضرت رسول صلعم کے متعلق فرماتا ہے۔

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ	بے شک آپ عمدہ و اعلیٰ اخلاق کے مالک ہیں (سورہ القلم رکوع ا)

شیخ الاسلام حافظ ابن قیم رح فرماتے ہیں:۔

"دین اسلام خلق ہی کا دوسرا نام ہے اور تصوف کی حقیقت بھی خلق کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ پس جو شخص جس قدر اخلاق حسنہ کا مالک ہے۔ اسی قدر دین اور تصوف میں بھی بلند ہے "

اخلاق کا تعلق چونکہ اخلاق حسنہ انسان کی حسن عمل پر پائیداری بد عملی سے پرہیز اور مصائب و تکالیف کی برداشت میں مضمر ہے۔ اس لئے عمدہ اخلاق کا تعلق اللہ اور مخلوق دونوں کے ساتھ وابستہ ہے دوسرے لفظوں میں یوں سمجھے۔ کہ چونکہ حسن خلق ہی انسان میں ایک ایسی چیز ہے جو حقوق و فرائض کی صحیح صحیح نگہداشت کرتی ہے۔ اور حقوق و فرائض کی ادائیگی میں عمل پیرا ہونے کی ترغیب دلاتی ہے۔ اس لئے لازمًا اس رشتہ اللہ اور مخلوق کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ اور مخلوق دونوں کے ساتھ ہی صحیح صحیح تعلق اخلاقِ حسنہ کہلاتا ہے۔ کسی ایک سے تعلق اور دوسرے سے بے تعلقی یا تعلق میں کمی عمدہ اخلاق نہیں کہلائے گا۔ اخلاق یہی ہے کہ عدل و انصاف اسوقت تک قائم نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ انسان تمام تعلقات (اللہ اور مخلوق) سے عمدہ طور پر عہدہ برآنہ ہو۔ یہی عدل و انصاف اخلاق حسنہ اور ایک حکیمانہ نقطہ ہے اور اسلام کی اصل رُوح ۔ یہی اصل رُوح آنحضور صلعم کی صفتِ عالیہ تھی۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ "آپؐ اخلاقِ حسنہ کے اعلےٰ پیمانہ پر ہیں" (سورہ القلم)

چونکہ علم سے فوائد عملی صورت میں ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ بلکہ عمل ہی وہ اصل کام اور مقصد ہے جو مذہب انسان کو سکھاتا ہے۔ اس لئے مذہب اسلام نے اخلاق کی مختلف عملی صورتیں بھی واضح کریں۔ تاکہ ہر چیز اپنی اپنی جگہ پوری وضاحت رکھتی ہو۔ اور الجھاؤ سے بچتے ہوئے دور رس نتائج کی حامل ہو۔ اخلاق اسلامی کی مختلف صورتیں ویسے تو بہت زیادہ ہیں۔ لیکن یہاں صرف ان چند چیزوں پر اکتفا کی جائے گی۔ جو انٹرمیڈیٹ کے نصاب میں داخل ہیں۔ مثلاً صدق، امانت، ایفائے عہد۔ ایثار۔ رحم اور عفو

صِدق لغت کے اعتبار سے صِدق ۔ راستی ۔ سچائی اور نیک نامی کو کہتے ہیں۔ اس سے مضبوطی اور تعریف کے معنی بھی نکلتے ہیں۔ اسی لفظ سے صادق بنا ہے۔ جس کے معنے ہیں سچ بولنے والا۔ اور صدیق کا مطلب ہوگا ہمیشہ سچ بولنے والا۔

کسی کام یا بات کی سچائی (صِدق) یہ ہوگی۔ کہ وہ اس طرح درستی اور مضبوطی کے ساتھ کیا جائے کہ قابلِ تعریف اور انعام کا مستحق ہو۔ چنانچہ

صدق ہی ایک ایسی فضیلت ہے کہ جس پر ہر کام کا دارو مدار ہے۔ سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ۔

ان مومنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا سچ کر دکھایا۔

پھر انبیاء علیہم السلام کی تعریف بھی یوں کی کہ وہ بڑے سچے تھے۔

وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِبْرٰهِیْمَ اِنَّهٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا۔

اور اس کتاب (قرآن) میں حضرت ابراہیمؑ کا قصہ یاد کیجئے کہ وہ بے شک بڑے سچے تھے اور نبی تھے (سورۂ مریم رکوع ۳)

وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ اِنَّهٗ کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَکَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا۔

اور قرآن میں حضرت اسمٰعیلؑ کا قصہ یاد کیجئے کہ وہ بے شک وعدہ کے سچے تھے اور رسول بھی تھے۔ نبی بھی۔ (سورہ مریم۔ رکوع ۴)

وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِدْرِیْسَ اِنَّهٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا۔

اور قرآن میں حضرت ادریسؑ کا قصہ یاد کیجئے کہ وہ بیشک سچے تھے اور نبی تھے (سورۂ مریم رکوع ۴)

معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام کا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کے سچے ہونے کا علیحدہ ذکر کیا ہے۔ یہ بہت ہی بڑی فضیلت اور عظمت تھی جو ا عطا کی گئی۔ پھر انبیاء کرام بھی لوگوں کو ہمیشہ سچ بولنے کی نصیحت کرتے ر آنحضور رسول اللہ صلعم کے مندرجہ ذیل قول سے جھوٹ اور سچ کی بہت وضاحت ہو جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے:۔

"سچ بولنا اختیار کرو۔ اس لئے کہ سچ بولنا نیکی کا راستہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت میں لے جاتی ہے اور جو شخص ہمیشہ سچ بولنے کی کوشش کرتا ہے وہ خدا کے ہاں صدیق لکھا جاتا ہے اور بچو تم جھوٹ سے اس لئے کہ جھوٹ فسق و فجور کی طرف لے جاتا ہے اور فسق و فجور دوزخ کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور جو شخص ہمیشہ جھوٹ بولنا اور جھوٹ بولنے کی کوشش کرتا ہے وہ خدا کے ہاں کذاب (بہت جھوٹ بولنے والا) لکھا جاتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

آنحضور صلعم کی اپنی ساری کی ساری زندگی راستی اور سچائی کا عملی نمونہ تھی جس سے دشمن بھی آپ کی سچائی پر اعتماد کرتا۔ اکثر کفار اپنے جھگڑوں کا فیصلہ آنحضرت صلعم سے کرواتے۔ اسی لئے آپؐ بچپن سے ہی امین (سچا امانت دار) کے لقب سے مشہور تھے۔ بہت سے کفار یہ کہا کرتے کہ ہمیں معلوم ہے کہ تم ہمیشہ سچ بولتے ہیں اور جو (دین اسلام سے متعلق) کہہ رہے ہیں وہ بھی سچ ہوگا۔ لیکن ہمارا آبائی مذہب چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔

خدا اور رسولؐ کی ان تعلیمات سے ظاہر ہے کہ انسان کے عمل میں صدق (سچائی) ہونا چاہیئے۔ کیونکہ معاملات، کاروبار، لین دین، تعلیم و تربیت غرض ہر کام میں جب تک صدق موجود نہ ہو۔ وہ عمدہ طریق سے سرانجام نہیں دیا جا سکتا۔ اور نتیجہ غلط معاشرے کی صورت میں نکلتا ہے۔

امانت معاملات میں راستی اور دیانت داری کو امانت کہتے ہیں۔ اسی سے لفظ امین بنا ہے۔ امین وہ شخص ہوگا جو لین دین میں قابلِ اعتماد اور نہایت سچا ہو۔ امانت اس چیز کو بھی کہیں گے۔ جو کسی دوسرے

شخص کے پاس وقتی طور پر حفاظت کی غرض سے یا اعتماد کے طور پر رکھی جا[illegible]
خیانت ضد ہے امانت کی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا	(مسلمانو) اللہ تم کو حکم دیتا ہے۔ امانت رکھنے والوں کی امانتیں (جب مانگیں) ان کے حوالہ کردو۔ (سورۃ النساء رکوع ۸)
وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ ۔	اور جو اپنی امانتیں اور اپنے عہد و خیال رکھنے والے ہیں (یعنی مومن) (سورہ المومنین، رکوع ۱)
فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُکُمْ بَعْضًا فَلْیُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَہٗ وَلْیَتَّقِ اللّٰہَ رَبَّہٗ ط	اور اگر (تم میں سے کوئی) ایک دوسرے کا اعتبار کرتا ہو، تو جس شخص کا اعتبار کر لیا گیا ہے۔ اس کو چاہیئے کہ دوسرے کی امانت واپس کردے۔ اور اللہ سے جو اس کا پروردگار ہے۔ ڈرے (سورہ بقرہ رکوع ۲۹)

قرآن مجید کی ان آیات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مومن کی شان یہ نہیں کہ لوگوں کے لئے ناقابلِ اعتماد ہو۔ بلکہ اللہ کے ہاں پسندیدہ مومن وہ ہے۔ اپنے عہد اور قول کا پاس رکھتا ہے اور بھروسے اور سچائی کے اعتبار سے دوسروں کے لئے امین ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے امانت کی وضاحت کرتے ہوئے خیانت کرنے والوں کو بھی متنبہ کر دیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (سورہ انفال رکوع ۷)

دوسری جگہ فرمایا۔

وَمَنْ يَّغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اور جو شخص خیانت کرے گا وہ اپنی اس خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن حاضر کریگا۔ (سورہ آل عمران رکوع ۱۷)

ایک اور جگہ فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔

مسلمانو! اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت نہ کرو، اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم تو خیانت کے وبال سے واقف ہو۔ (سورہ انفال، رکوع ۳)

صاف ظاہر ہے کہ امانت داری ہی انسان کی وہ صفت ہے جو اسے ہر کام میں دیانت دار بناتی ہے اور دیانت داری اسے ہر برائی سے بچا کرنے کی ترغیب دلاتی ہے۔ آنحضرت محمد رسول اللہ صلعم کی ساری زندگی امانت داری کا عملی نمونہ تھی۔ نبوت سے پہلے بھی لوگ آپؐ کو امین کے لقب سے پکارتے تھے اور اپنی امانتیں آپؐ کے پاس رکھتے تھے آپؐ جب ہجرت کر کے مدینہ کی طرف چلے۔ تو حضرت علیؓ کو کچھ دنوں کے لئے اس لئے مکہ میں روک دیا تاکہ وہ تمام امانتیں لوگوں کو واپس کردیں جو لوگوں نے آنحضرت صلعم کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت کو بڑی اہمیت دی تھی۔ اس لئے کہ آپ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو امانت دار لوگوں سے کتنی محبت ہے اور خیانت کرنے والوں سے کتنی نفرت۔

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی صلعم نے فرمایا ہے "جس نے تجھ کو امین بنایا اس کی امانت کو ادا کر۔ اور جو شخص تجھ سے خیانت کرے تو اس کے ساتھ خیانت نہ کر (ترمذی۔ ابوداؤد۔ دارمی)

انسؓ کہتے ہیں کہ بہت ہی کم رسول اللہ صلعم کا کوئی خطبہ ایسا ہوگا جس میں آپ نے یہ نہ فرمایا ہو کہ اُس شخص کا ایمان نہیں جس میں امانت نہیں اس شخص میں دین نہیں جس کا عہد (ٹھیک) نہیں۔ (بیہقی)

ایفائے عہد

ایفائے عہد سے مراد قول و قرار کو پورا کرنا ہے۔ قول اور عہد و پیمان کو اگر پورا نہ کیا جائے تو یہ ایک خیانت ہوگی جس سے ایک دوسرے کا اعتبار اٹھ جائیگا۔ اور بداعتمادی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کی محبت، دوستی اور باہمی تعاون کی جڑ کاٹتی ہے ظاہر ہے کہ بدعہدی کو کسی صورت گوارا نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے وعدہ خلافی کو سخت ناپسند فرمایا ہے اور وعدہ کو پورا کرنے والوں کو بلند مرتبہ دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ	مسلمانو! اپنے اقراروں کو پورا کرو (سورۂ مائدہ رکوع ۱)
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝	مسلمانو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو تم پوری کرکے نہیں دکھاتے۔ اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے کہ کہو اور کرو نہیں۔ (سورہ صف رکوع ۱)
وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۝	اور عہد کو پورا کیا کرو۔ کیونکہ (قیامت میں) عہد کی بازپرس ہوگی۔ (سورہ بنی اسرائیل رکوع ۴)

منذرجہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ہدایت فرمائی کہ عہد کرلو تو
ت پورا کرنا تمہارا فرض ہے۔ کیونکہ بدعہدی سے بہت سے نقصان ہوتے ہیں۔
ی لئے فرمایا کہ قیامت کے دن عہد سے متعلق پوچھا جائیگا۔ قرآن میں دوسری جگہ
سورۃ آل عمران) فرمایا۔ کہ جو لوگ اپنی قسموں اور عہد و پیمان کا خیال نہیں کرتے
ان کے لئے آخرت میں کوئی حصۂ خیر نہیں۔ بلکہ خدا ایسے
ول سے بات تک نہیں کرے گا اور نہ ہی نگاہ ڈالے گا اور بدعہدی کی وجہ
سے وہ ناپاک بنے جائیں گے۔ نہ کوئی ہمدردی کی جائے گی اور انہیں دردناک
اب میں ڈال دیا جائے گا۔ ملاحظہ ہو کہ بدعہدی اور وعدہ خلافی کتنی بری چیز ہے
اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کئی مقامات پر اپنے بلند مرتبہ انبیاء کا ذکر کرتے ہوئے
یان فرمایا ہے کہ وہ سب عہد کے سچے تھے۔ حضرت محمد صلعم سید الانبیاء تھے
ن کی تو ہر بات کمال کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ آپؐ وعدہ اور عہد و پیمان کے اس
لدر سچے تھے کہ کمال کر دکھایا۔ اسی لئے کافر تک آپؐ کی تعریف کرتے تھے۔
ور امین کے لقب سے پکارتے تھے۔

معاہدۂ حدیبیہ ابھی لکھا ہی گیا تھا کہ مکہ کا ایک مسلمان ابوجندلؓ کفار مکہ کے
ظلم و ستم سے تنگ آکر اس حالت میں بھاگا ہوا رسول اللہ صلعم کے سامنے آگرا۔
کہ اس کے پاؤں زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے اور جسم زخموں سے چور تھا۔
آنحضرت صلعم چونکہ کفار سے عہد کر چکے تھے۔ کہ اگر کوئی مسلمان مکہ سے آئے
تو اسے واپس کر دیا جائے گا اور مدینہ سے مکہ پہنچا ہوا مسلمان واپس نہیں لیا جائیگا
اس لئے حضرت ابوجندلؓ کو صبر کی نصیحت کی اور کفار کے حوالے کر دیا حالانکہ سب
مسلمان اس واقعہ پر سخت برہم تھے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے کسی شخص سے کوئی معاملہ طے کیا۔ اور وہ شخص

آپؐ کو ایک جگہ ٹھہرا گیا۔ اور واپس لوٹنے کا وعدہ کر گیا۔ پھر وہ شخص بھول تین دن تک نہ لوٹا۔ آنحضرت صلعم برابر اسی جگہ انتظار کرتے رہے۔ جب شخص بھول کر تین دن تک نہ لوٹا۔ آنحضرت صلعم برابر اسی جگہ پر انتظار کرتے رہے۔ جب وہ شخص لوٹا تو آپؐ نے صرف یہ فرمایا۔ کہ اے شخص تو نے سخت تکلیف دی۔ میں اسی وقت سے تیرا انتظار کر رہا ہوں۔

رسول اللہ صلعم نے مسلمان کو بھی عہد و پیمان کو پورا کرنے کی بہت ہدایت فرمائی ہے۔ اور وضاحت کے ساتھ ایفائے عہد کا ذکر کیا ہے۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔

۱۔ قیامت کے دن اللہ کے سب سے بہتر بندے وہ ہوں گے جو خوشی سے وعدہ پورا کرتے ہیں (عن عائشہؓ)

۲۔ مومن کا وعدہ (قرض کی طرح) واجب الادا ہوتا ہے اور مومن کا وعدہ ایسا ہوتا ہے۔ جیسے ہاتھ پکڑ لیا۔ (کنز العمال)

۳۔ وعدہ کرنے والے کا اقرار قرض کی طرح ہے۔ یا اس سے بھی زیادہ (عن علیؓ)

لیکن بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص وعدہ کر لیتا ہے۔ بعض مجبوریوں کی بنا پر پورا کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ اس صورت میں وہ شخص گناہ کا مرتکب نہ ہوگا۔ زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جس وقت آدمی اپنے کسی بھائی سے کوئی وعدہ کرے اور اس کی نیت یہ ہو کہ وہ اس وعدہ کو پورا کرے گا اور کسی وجہ سے وہ وعدہ پورا نہ کر سکے اور وعدہ پر نہ آسکے تو اس پر کچھ گناہ نہیں (ابو داؤد، ترمذی)

زید بن ارقمؓ یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جس شخص

ی سے کوئی وعدہ کیا (یعنی کسی جگہ آنے کا یا ایسا ہی) اور دو شخصوں میں سے
ک نماز کے وقت تک وہاں نہ پہنچا اور دوسرا نماز کے لئے چلا گیا، تو اس دوسرے
ص پر کوئی گناہ نہیں۔ (رزین)

ایثار

ایثار کے معنے ہیں، دوسرں کے فائدہ اور غرض کو اپنے فائدہ
اور غرض پر مقدم رکھنا اور ترجیح دینا۔ اس سے مطلب یہ بالکل
ں کہ انسان صرف دوسروں کے لئے ہی کام کرے اور ان کی بھلائی اور بہتری
رف ہی نگاہ رہے اور خود اپنے لئے کچھ نہ کرے۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ
ان میں خود اپنے نفس کے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی جذبہ موجود
ہے اور جس کام کا موقع ملے پورے جذبے اور ہمت سے کام کرے۔
لئے کہ انسان کے خود اپنے نفس کے بھی حقوق ہیں اور دوسروں کے بھی۔
حق کی ادائیگی اس کا فرض ہے کسی ایک حق سے غفلت یا کمی فائدہ کی بجائے
مان کا موجب ہوتی ہے۔

بہرحال ایثار کو علیحدہ بیان کرنے اور اس پر زور دینے سے مطلب یہ ہے
انسان ذاتی مفاد کو ہی ترجیح نہ دیتا رہے کیونکہ دنیا دی ماحول اور معاملات
ں اکثر انسان خود اپنے متعلق زیادہ سوچنے لگتا ہے۔ بلکہ جب وہ ذاتی مفاد
ترجیح دینے لگتا ہے۔ تو اس وقت برے بھلے کی تمیز اس کے لئے ناممکن سی
جاتی ہے اور وہ رحم، ہمدردی، مدد اور تمام اعلیٰ مقاصد کو پس پشت ڈال کر
ے سے برا کام بھی کرگزرتا ہے۔ اسی ضرورت کے تحت اسلام نے ایثار کو
کی اہمیت دی ہے اور اسے وضاحت سے پیش کیا ہے۔

رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ تم اس وقت تک مومن کہلانے کے مستحق
رہا ہو جب تک یہ صفت پیدا نہ کر لو کہ اپنے بھائی (یا فرمایا کہ) اپنے

پڑوسی کے لئے وہی چیز پسند کرو جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتے ہو۔"
ابن عمرؓ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا" اوپر کا ہاتھ (خرچ کرنے والا)
نیچے کے ہاتھ (سوال کرنے والا) سے بہتر ہے۔"

آنحضرت صلعم کے ان ارشاداتِ عالیہ سے بھی ایثار کی تشریح ہو
خود آنحضرت صلعم کی زندگی ایثار کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ آپ
سائل کو بے مراد واپس نہیں بھیجتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ آپؐ کھانا
بیٹھے ہوں۔ اور کوئی سائل دروازے پر آکھڑا ہوا۔ آپؐ نے فوراً آدھا
سائل کو دے دیا اور آدھا خود کھا لیا۔ بلکہ ایسا بھی ہوتا کہ آپؐ دوسروں
قدر مدد کرتے کہ خود بھوکے رہتے۔ اگر بہت زیادہ ضرورت مند آجاتا
پاس کچھ نہ ہوتا تو قرض لے کر دے دیتے۔ سائل کے آجانے سے آپؐ
میں کمی کر دیتے۔ تاکہ جلدی فارغ ہو کر حاجت مند کی ضرورت پوری کر سکیں

رحم رحم مہربانی اور شفقت کا دوسرا نام ہے۔ یہ ایک ایسی صفت
جو باقی تمام صفات میں۔ بلند تر مقام رکھتی ہے۔ اسی سے ایک
کا پیار، محبت، ہمدردی، باہمی تعاون، عزت و احترام غرضیکہ تمام معاملات
خوش اسلوبی سے برتاؤ کا ایک ایسا جذبہ ہے۔ جو کائنات کے ہر جاندار (
یا حیوان) میں ایک خاص نظم کی صورت میں ودیعت ہے۔ معلوم ہوتا ہے
خوبی یا تو تمام خوبیوں سے بالاتر ہے یا اسی خوبی سے باقی تمام صفات
ہوتی ہیں۔ کہ رحمٰن و رحیم دو ایسی خوبیاں اور صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ
کے ساتھ سب سے پہلے مختص ہیں۔ اسی لئے ہر کام کے شروع میں ا
عالیہ سے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِيْمِ (شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

آنحضرت محمدؐ رسول اللہ صلعم سید الانبیاء (رسولوں کے سردار) تھے۔ آپؐ
اللہ تعالیٰ نے وہ تمام اوصاف و کمالات بھر دیئے تھے جو پہلے تمام انبیاء
موجود تھے۔ بلکہ ان اوصاف کو بھی حدِ کمال تک آپؐ میں ودیعت کیا۔ اور
تمام اوصاف و کمالات کو صرف ایک صفت "رحمت" میں اکٹھا کر دیا اور فرمایا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝	اور ہم نے آپؐ کو اور کسی بات کے لئے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں پر مہربانی کرنے کے لئے (سورۂ انبیاء رکوع ۷)

رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے۔
"جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا وہ خود رحم کیے جانے کا مستحق نہیں ہے" (مسلم بخاری)
"جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں۔ ان پر رحمٰن رحم کرتا ہے۔ اے اہلِ زمین آپس میں رحم و کرم
سے رہو تاکہ بلند و برتر خدا تم پر رحم کرے۔ (ترمذی)
"جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا خدا اس پر رحم نہیں کرتا۔ لوگو! نہ آپس میں بغض کرو اور
نہ حسد کرو۔ اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو۔ اے خدا کے بندو! سب
آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ" (مسلم و بخاری)
"وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کھائے اور
بڑے کی عزت نہ کرے اور اچھی بات کی تلقین نہ کرے، اور بری بات
سے باز نہ رکھ سکے۔ (ترمذی)
۵ ہر جاندار (انسان یا حیوان) کے ساتھ رحم کرنے میں اجر ہے (بخاری و مسلم)
آنحضرت صلعم کے رحم و کرم کا یہ حال تھا کہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ ہر ایک کے
ساتھ مہربانی اور شفقت سے پیش آتے۔ راہ چلتے بچے ملتے تو ان سے پیار
کرتے اور گود میں اٹھا لیتے۔ خادموں سے غلطی بھی ہو جاتی تو کچھ نہ کہتے۔ بلکہ اکثر

کاموں میں انکا ہاتھ بٹاتے۔ ذاتی معاملات میں دوسروں سے بدلہ نہ لیتے تھے
ایک دفعہ کسی غزوہ (جنگ) میں کفار کے چند بچے بھی مارے گئے آنحضرت
صلعم کو بہت رنج ہوا۔ بعض صحابہ نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! کیا ہوا۔ وہ تو
مشرکین کے بچے تھے"۔ آپ نے فرمایا "مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہیں
خبردار بچوں کو قتل نہ کیا کرو۔ خبردار بچوں کو قتل نہ کیا کرو۔ ہر جان خدا ہی کی
فطرت پر پیدا ہوتی ہے"۔

ایک مرتبہ ایک شخص کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی اور جنگل میں سفر کر رہا
تھا۔ ایک کنوئیں پر گیا اور پانی پیا۔ وہاں سے نکلا تو راستے میں ایک کتا زبان
نکالے ہانپتا ہوا آرہا تھا۔ اس نے سوچا کتے کو پیاس لگی ہوئی ہے۔ چنانچہ
وہ شخص واپس کنوئیں پر گیا۔ پانی نکالا اور کتے کو پلا دیا۔ آنحضرت صلعم کو
معلوم ہوا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے رحم پر اس کی بخشش فرما
دی ہے۔

حضرتِ عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ ایک عورت میرے پاس آئی جس کے ساتھ
اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں۔ مجھ سے اس نے سوال کیا۔ میرے پاس صرف ایک
کھجور اس وقت تھی۔ وہی میں نے اس کو دے دی۔ اس عورت نے اس
کھجور کو آدھی آدھی دونوں بیٹیوں کو دے دیا۔ اور خود اس میں سے کچھ نہیں
کھایا۔ پھر وہ اٹھی اور باہر چل دی۔ اس کے بعد نبی صلعم تشریف لائے۔
میں نے واقعہ بیان کیا آپؐ نے فرمایا جو شخص ان لڑکیوں کے ساتھ آزمائش
میں مبتلا کیا جائے (یعنی جو لڑکیوں کی وجہ سے مصیبت میں مبتلا ہو) اور وہ
ان بیٹیوں کے ساتھ احسان و سلوک کرے تو وہ بیٹیاں اس کے لئے دوزخ
کی آگ کے سامنے پردہ ہوں گی (یعنی) اس کو دوزخ کی سے بچائیں گی (بخاری مسلم)

ابی ہریرہؓ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ مسلمان گھروں میں بہترین گھروہ ہے۔ جس میں یتیم ہو۔ اور اس کے ساتھ احسان و سلوک کیا جائے اور مسلمانوں کے گھروں میں بدترین گھروہ ہے۔ جس میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جائے۔ (ابن ماجہ)

عفو کسی کی غلطی یا زیادتی سے درگزر کرنا، اور اس پر مہربانی کرتے ہوئے اسے معاف کردینے کو عفو کہتے ہیں۔ معاف اس وقت کیا جاتا ہے جب غلطی یا زیادتی کرنے والا اپنے کئے پر نادم ہوا اور آئندہ ویسا کرنے سے باز رہنے کا عزم کرے چونکہ دنیا میں جو بھی کام کیا جاتا ہے۔ آخرت میں اللہ کے سامنے پیش ہوگا اور اس کے صلے میں جزا یا سزا ملے گی۔ اس لئے اللہ تعالےٰ دنیا میں لوگوں کی غلطیوں اور گناہوں کو اس صورت میں معاف کردیتا ہے اگر وہ اپنی غلطی یا گناہ پر نادم ہوں۔ اس سے معافی مانگیں اور آئندہ ایسی غلطی کرنے سے باز رہیں۔

چنانچہ قرآن میں متعدد جگہوں پر اللہ تعالیٰ کی معافی کا ذکر ہے:۔

۱۔ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا رَّحِيْمًا ۝	تو بلاشبہ اللہ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے (سورہ نساء رکوع ۱۹)
۲۔ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝	تو بلاشبہ اللہ معاف کرنے والا پوری قدرت والا ہے۔ (سورۂ نساء رکوع ۲۱)
۳۔ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝	اور وہ ایسا ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہ تمام گناہ معاف کردیتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس کو جانتا ہے (سورہ شوریٰ رکوع ۳)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی تعلیم دی کہ لوگوں کو معاف کر دیا کریں اور اللہ سے ان کے لئے بخشش کی دعا کیا کریں۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ	(اے نبی) آپؐ ان کو معاف کر دیجئے۔ اور ان سے درگزر کیجئے۔ (سورۂ مائدہ، رکوع ۳)

اور عام لوگوں کو بھی یہی ارشاد فرمایا۔

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا ۝	پس معاف کر دو اور درگزر کر دو (سورۂ بقر، رکوع ۱۳)

بعض مواقع ایسے بھی ہوتے ہیں کہ انسان دوسرے کی زیادتی برداشت نہیں کر سکتا اور بدلہ لینے پر تل جاتا ہے تو ایسے موقعوں پر اللہ تعالیٰ برابر کا بدلہ لینے کا حکم دیتا ہے۔ اپنی طرف سے زیادتی کی اجازت نہیں دیتا لیکن ایسے موقعے پر بھی اگر زیادتی کرنے والے کو معاف کر دیا جائے تو اللہ اس کو زیادہ پسند کرتا ہے اور اس کا صلہ دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝	اور برائی کا بدلہ برائی ہے ویسی ہی اس پر (بھی) جو معاف کر دے اور صلح کرلے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے۔ بیشک وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ (سورہ شوریٰ رکوع ۴)

پھر معاملہ یہی نہیں کہ درگزر کرنے اور معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ آخرت میں صلہ دیگا۔ بلکہ اکثر دنیا میں بھی اس کا صلہ مل جاتا ہے۔ اسی سے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ○

اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی برائی کا دفعیہ ایسے نیک برتاؤ سے کرو۔ کہ وہ بہت اچھا ہو (اور تم دیکھ لوگے) کہ تم میں اور جس شخص میں عداوت تھی تو اب گویا ایک دم سے وہ (تمہارا) دلی دوست ہے۔

(سورہ حم سجدہ، رکوع ۵)

بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ آنحضرت صلعم کے پاس دو شخص آپس میں گالیاں دینے لگے اور لڑنے لگے۔ ایک کو بہت غصہ آگیا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ مجھے ایک بات معلوم ہے۔ اگر یہ شخص کہے تو اس کا غصہ جاتا رہے (وہ بات یہ ہے) أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ (خدا کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے) اس شخص نے کہا کیا آپ نے مجھے دیوانہ سمجھا ہے، آنحضرت صلعم نے یہ آیت پڑھی۔

وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○

اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کچھ وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

(سورہ حم سجدہ رکوع ۵)

یعنی دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ اگر دوسرے کی زیادتی پر غصہ آجائے تو اس کا علاج یہ ہے۔ عطیہ بن عروہ سعدیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم

نے فرمایا ہے۔ کہ غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے۔ اس لئے جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو وہ وضو کرے (ابو داؤد)

ابوذرؓ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے۔ جب تم میں سے کسی شخص کو غصہ آئے اگر وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور غصہ جاتا رہے تو خیر، ورنہ پھر لیٹ جائے۔ (احمد، ترمذی)

آنحضرت صلعم نے اپنی ساری زندگی میں کبھی ذاتی معاملات میں کسی سے بدلہ نہیں لیا۔ صرف دینی معاملات میں آپ ہر زیادتی پر زیادتی کرنے والے سے بدلہ لیتے اور مناسب کاروائی کرتے۔ نبوت کے بعد ساری زندگی میں آپؐ کو کفار کی طرف سے طرح طرح کی تکالیف پہنچیں۔ لیکن آپؐ انہیں معاف کر دیا کرتے تھے۔ کفار مکہ آپؐ سے سخت کلامی کرتے۔ آپ پر کوڑا کرکٹ پھینکتے، راستے میں کانٹے بچھاتے، سجدہ کی حالت میں غلاظت اور جانوروں کی آنتیں سر مبارک پر رکھ دیتے۔ خورد و نوش کی چیزیں بازار سے خریدنے نہ دیتے غرض ہر ممکن طرح سے آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہؓ کو تکالیف دیتے۔ آپؐ ان سب مصائب کو برداشت کرتے اور معاف کر دیتے۔

(نقوش پریس لاہور)

(۳۰۔ اگست ۶۹۰) (خالد تحریر محمود)

باب پنجم

اَلْقُرْآن

(سورۂ احزاب)
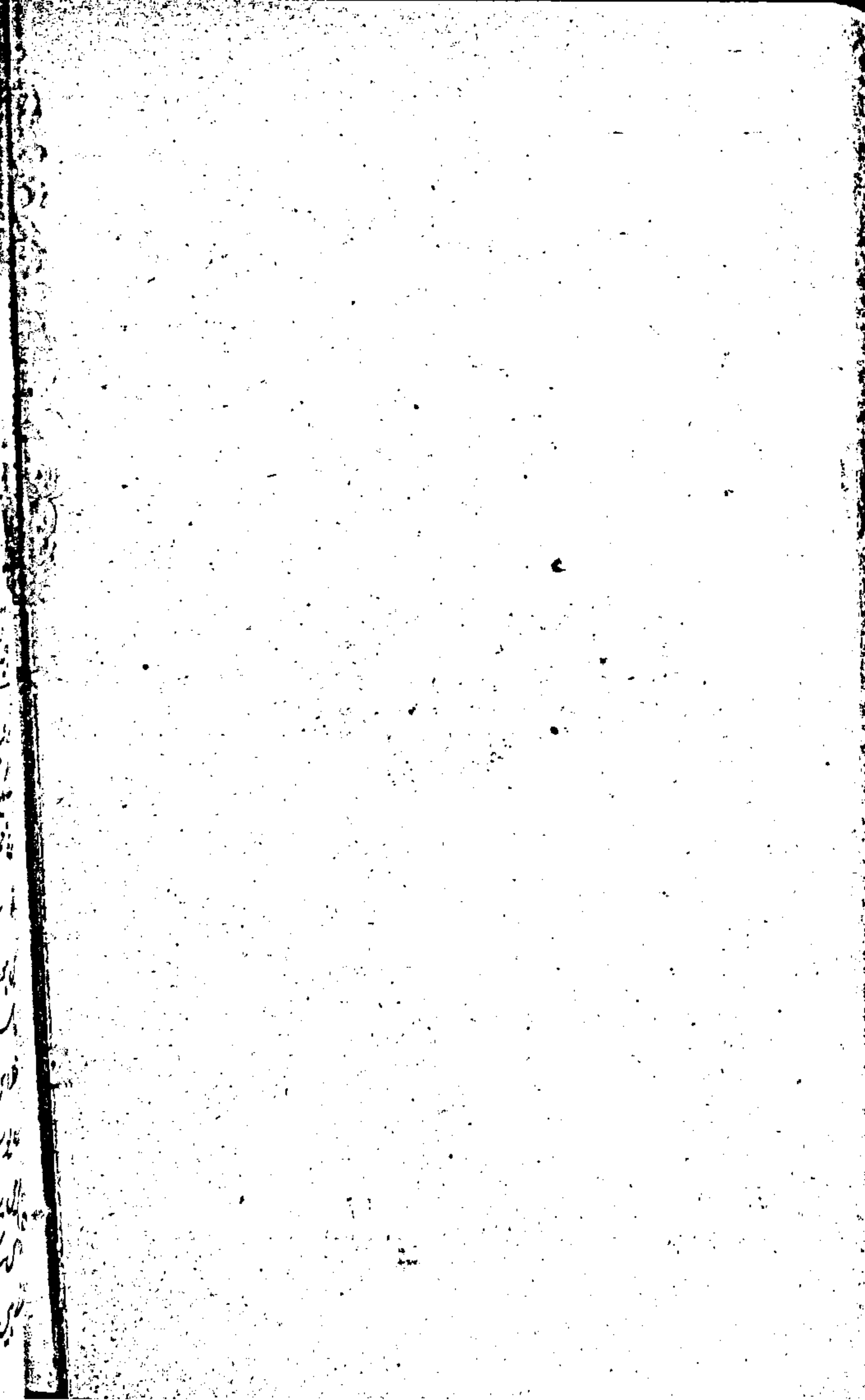
سورۃ الاحزاب

الاحزاب قرآن کریم کی ۳۳ ویں سورت ہے۔ اس میں کل ۹ رکوع اور ۷۳ آیات ہیں۔

ہجرت کے بعد جو ۲۸ سورتیں نازل ہوئی ہیں ان میں اس سورت کا نمبر ۵ تھا ہے۔ اس سے پہلے البقرہ - الانفال اور آل عمران کی سورتیں مدینہ ہی میں نازل ہو چکی تھیں۔

وجہ تسمیہ قرآن کریم کی سورتوں کے ناموں کے بارے میں دو باتیں یاد رہیں۔
(i) یہ نام خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلائے ہوئے ہیں اور عہد رسالت میں ہر سورت اپنے موجودہ نام سے مشہور تھی۔ البتہ بعض سورتوں کے ایک سے زائد نام بھی تھے۔ مثلاً سورۃ "التوبہ" کا نام براءۃ بھی ہے۔ اور سورۃ "محمد" کا نام "قتال" بھی۔ ایسی کل سولہ سورتیں ہیں جن کے نام ایک سے زائد ہیں
(ii) سورتوں کے نام آج کل کے معروف معنوں میں عنوان ([illegible]) نہیں ہوتے جس سے مضمون عبارت مترشح ہوتا ہے بلکہ سورۃ کی ابتدا یا درمیان میں استعمال شدہ کسی ایک لفظ پر سورہ کا نام رکھ دیا جاتا تھا۔ البتہ کبھی کبھی یہ لفظ اس سورت کے اکثر یا بعض مضامین کی طرف بھی اشارہ کر دیتا ہے مثلاً سورہ یوسف میں حضرت یوسف کا قصہ ہے۔ اتفاق سے سورہ احزاب کے نام میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ یعنی لفظ "احزاب" بھی اس میں وارد ہوا ہے اور اس کے کچھ حصہ میں جنگ احزاب (یا خندق) کے کچھ واقعات بھی بیان ہوئے ہیں۔ احزاب کے معنی گروہ کے ہیں۔

پس منظر سورہ کے مضامین کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے حسب ذیل امور پیش نظر رہیں۔

(۱) جنگ احزاب کے تفصیلی حالات جو اسی کتاب میں دوسری جگہ موجود ہیں۔ مزید مطالعہ کے لئے طالب علم کو ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب "عہد نبوی کے میدان جنگ" یا میجر جنرل اکبر خاں کی "حدیث دفاع" کے متعلقہ حصے پڑھنے سفارش کی جاتی ہے۔

(۲) ہجرت کے بعد مسلمانوں کے لئے جن نئی مشکلات و مسائل (خصوصاً ... کا سلسلہ شروع ہوا، جنگ احزاب تک (یعنی ۵ھ) جو سورہ کے نزول کا ... ہے۔ یہ اپنے عروج کو پہنچ گئی تھیں۔ جنگ احزاب عہد رسالت کی سب سے زیادہ تشویشناک جنگ تھی۔ یہ دشمن کی فوجی قوت کا آخری بڑا مظاہرہ تھا۔ ... کے بعد سے دن بدن مسلمانوں کی سیاسی و فوجی قوت مضبوط تر ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ ۸ھ میں مکہ فتح ہو گیا۔

(۳) مدینہ میں مسلمانوں کی ایک نئی سوسائٹی بن رہی تھی۔ اس کی اندرونی تنظیم، اصلاح اور مضبوطی کے لئے اسی زمانہ میں مختلف احکام نازل ہوئے جن سے بعض سورۂ احزاب میں بھی ہیں۔

(۴) منافقین مدینہ بھی اب تک مسلمانوں کی کمزوری و ناسازگار حالات سے پوری طرح فائدہ اٹھاتے رہے تھے۔ ۵ھ کے بعد کا زمانہ بتدریج ان کے لئے حسرت و نامرادی کا دور ثابت ہوا۔ سورۂ احزاب کے آٹھویں رکوع میں اس کی پیشین گوئی کر دی گئی تھی۔

سورہ کے مضامین کی تقسیم اور خلاصہ

سورۂ احزاب کے مضامین کی خلاصتہً یوں تقسیم کی جا سکتی ہے۔

[تار]یخی واقعات

(ا) جنگ احزاب کے بعض واقعات (i) مدینہ کے مسلمانوں کو بالائی (شمالی) اور نشیبی (جنوب مشرقی) دونوں [سم]توں سے خطرہ پیدا ہو جاتا اور انتہائی تشویشناک حالت (ii) منافقوں کا رویہ [پھی]لانے، افواہیں، بد دلی اور اس کے برعکس مخلص مسلمانوں کی ثابت قدمی۔ [(iii)] یہود (بنی قریظہ) کی سازش اور ان کا عبرتناک انجام۔ (iv) زبردست [پسپائی]دمی۔ (v) "اتحادیوں" (قریش، یہود و دیگر قبائل کے احزاب) کی [نام]رادی و ناکامی۔

(ب) حضرت زیدؓ کی ابنیت کا قصہ اور زینب سے نکاح و طلاق کا واقعہ

(ج) مواخاۃ کی بنا پر وراثت کا طریقہ اور اس کی تنسیخ۔

I فقہی احکام

(i) ادعیاء کا مسئلہ (ii) مسئلہ ظہار (iii) مسئلہ وراثت کا ایک بنیادی اصول (قریب ترین نسلی رشتہ) (iv) عدت [کی] ایک خاص صورت (v) پردہ شرعی۔

III آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص شہری حقوق اور امتیازی آداب

(i) نکاح بغیر مہر کرا لینے کی اجازت (ii) معاشرت ازواج سے متعلق پابندیوں [س]ے استثناء (iii) آپ کے بعد ازواج مطہرات سے نکاح کا حرام ہونا۔ (iv) [مس]لمانوں کے لئے سب سے (اپنی ذات سے بھی) مقدم آنحضرت صلی اللہ علیہ [و]سلم ہیں۔ آپ کو تکلیف و اذیت پہنچانے والا ہر کام حرام۔ آپ کے ہر فیصلہ

کو بلا چون وچرا ماننا فرض اور آپ کی عظمت واحسانات کے اقرار کے طور پر آپ کے لئے دعا مانگنا (صلوٰۃ وسلام) ضروری ہے۔

IV معاشرتی واجتماعی احکام وآداب

(۱) بڑے اور ذمہ دار آدمیوں کی بیویوں کو (بالواسطہ) تنبیہ۔ دگنا عذاب یا دگنا اجر۔ بات چیت تک میں احتیاط سنجیدگی کا حکم۔ تبرّج (عورتوں کا زیب وزینت مردوں کو دکھانے پھرنے) سے ممانعت۔ گھر سے باہر پردہ کے ساتھ نکلنے کا حکم۔ گھر عورت کا اصل اور دائرہ کار۔

(۲) مہمان ومیزبان کے کچھ آداب۔

V متفرق

اس کے علاوہ سورہ میں ضمنی طور پر حسب ذیل مضامین بھی بیان ہوئے ہیں۔

(۱) اللہ تعالٰے سے ڈرنے، اس کی کتاب پر عمل پیرا ہونے۔ اور تنہا ہی اسی پر بھروسہ کرنے کی تاکید۔

(۲) سیرت رسول کا مومنوں کے لئے مثالی نمونہ ہونا۔

(۳) ایمان، اسلام، فرمانبرداری۔ صدق وصبر، خشوع، صدقہ، روزہ، عفت اور اللہ تعالٰے (اور اس کے احکام) کو ہر وقت یاد رکھنے کی فضیلت وبزرگی۔

(۴) مسئلہ ختم نبوت اور آنحضرت کے مشن ومقصد اور مرتبہ بلند کا بیان۔

(۵) پیغمبر اور مومنوں کے لئے تکلیف اور پریشانیاں پیدا کرنے والوں کے لئے عذاب کا ذکر۔

(۶) منافقینِ مدینہ کو آخری تنبیہ اور برے انجام کی پیشین گوئی۔

(۷) منکرین قیامت کا ایک شبہ اور اس کا جواب۔
(۸) "بڑوں" (سیاسی ہوں یا مذہبی) کے پیچھے (شوقاً یا مجبوراً) بلا سوچے سمجھے چلنے کا ہولناک انجام اور ندامت۔
(۹) پیغمبر کو دکھ دینے والی ہر چیز سے بچنے کا حکم۔ ایک بری مثال۔
(۱۰) کائنات میں انسان کا بلند مرتبہ اور اس کی ذمہ داریاں۔

سورۂ احزاب کا ترجمہ اور تفسیر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔
يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ
اے نبی اللہ سے ڈرتے رہیئے اور کافروں کا
الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے بے شک اللہ تعالٰے بڑا
عَلِيْمًا حَكِيْمًا ① وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى
علم والا بڑی حکمت والا ہے۔ اور آپ کے پروردگار کی طرف سے جو

إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا
حکم آپؐ پر وحی کیا جاتا ہے ، اس پر چلئے تم لوگوں کے سب
تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝۲ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ
اعمال کی اللہ تعالٰے پوری خبر رکھتا ہے اور آپؐ اللہ پر بھروسہ رکھئے
وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝۳
اور اللہ کافی کارساز ہے

الفاظ کے معانی

اِتَّقِ :- تو ڈرتا رہ ۔ — تَعْمَلُوْنَ :- تم عمل کرتے ہو یا کرو گے

اِتَّبِعْ :- تو پیروی کر ۔ — تَوَكَّلْ :- تو بھروسہ رکھ

بِمَا :- اس چیز سے — لَا تُطِعْ :- تو کہنا نہ مان ۔

شرح و تفسیر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان اس زمانے میں اندرونی (منافقین) اور بیرونی (کفار مکہ اور ان کے ساتھی) دشمنوں کی وجہ سے ایسی مشکلات اور خطروں میں گھرے ہوئے تھے ۔ جس کی نظیر کہیں نہیں ملتی ۔ اس کے ساتھ بعض روایات کے مطابق کفار کی طرف سے کبھی کبھی سمجھوتہ کی پیشکش بھی آ جاتی تھی ۔ جس کی شرائط اسلام کے بعض بنیادی اصولوں کو نظر انداز کئے بغیر پوری نہیں ہو

سکتی تھیں۔ ایسے حالات میں بعض دفعہ بڑے دل گردے کا آدمی بھی اپنے مقصد سے "قدرے" ہٹ جانے کو مصلحت سمجھ کر قبول کر لیتا ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاص طور پر مخاطب کر کے تمام مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ:۔

۱۔ کفار و منافقین سے نہ دبیں نہ ڈریں۔ بلکہ صرف اللہ ہی سے ڈریں۔

۲۔ قرآن (وحی) ہی ان کے لئے صحیح دستور العمل ہے۔ ہر حالت میں اسی کی طرف رجوع کریں۔ اور اسی کی ہدایت پر چلیں۔

۳۔ اور نفع و نقصان (ظاہری) کا خیال کئے بغیر نتائج کو اللہ ہی کے بھروسے پر چھوڑ دیں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ علیم و حکیم بھی ہے۔ ہر ایک کے اعمال سے باخبر ہے، اور سب سے بہتر کارساز ہے۔

تنبیہ کی عمدہ اور مؤثر صورت یہ ہے کہ بڑے کو کہا جائے تاکہ چھوٹا چوکنا ہو جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ تعالےٰ نے تاکید کے ساتھ ایک اصولی ہدایت دے دی۔ تو دوسروں یعنی مسلمانوں پر وہ تاکید اور بھی زیادہ ہو گئی۔ یہاں شروع میں ہی اس لئے اصولی بات ذہن نشین کرا دی گئی کہ آئندہ کسی بھی معاملہ میں صرف اللہ کی ہدایات کی پیروی کی جائے خواہ صورت حال کتنی ہی خراب یا دگرگوں کیوں نہ ہو، خصوصیت سے اشارہ ہے اس صورت حال کی طرف جو مسئلہ ظہار اور مسئلہ ادعیا کے احکام نازل ہونے پر پیدا ہونے والی تھی کہ اس سلسلے میں رسول اللہ صلعم لوگوں کی قطعاً پرواہ نہ کریں اور بلا جھجک اللہ کے حکم کی عملی طور پر پیروی کر کے لوگوں کو بتا دیں کہ نبیؐ اور اللہ کے بندے صرف اللہ ہی سے ڈرتے ہیں اور برسوں اور صدیوں سے چلی ہوئی رسومات بد کو ختم کرنے میں انہیں ذرا بھر تامل نہیں ہوتا جب کہ اللہ ان کے ختم کرنے کا حکم فرما دے۔

مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ

اللہ تعالےٰ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل

فِیْ جَوْفِہٖ ج وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَکُمُ

نہیں بنائے اور تمہاری ان بیبیوں کو جن سے تم ظہار

الّٰٓئِیْ تُظٰہِرُوْنَ مِنْہُنَّ اُمَّہٰتِکُمْ ج وَ

کر لیتے ہو۔ تمہاری ماں نہیں بنا دیا اور

مَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَکُمْ اَبْنَآءَکُمْ

تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا بیٹا نہیں بنا دیا، یہ صرف

ذٰلِکُمْ قَوْلُکُمْ بِاَفْوَاہِکُمْ ط وَاللّٰہُ

تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے۔ اور اللہ تعالےٰ

یَقُوْلُ الْحَقَّ وَہُوَ یَہْدِی السَّبِیْلَ ④

حق بات فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ بتلاتا ہے۔

اُدْعُوْہُمْ لِاٰبَآئِہِمْ ہُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ

تم ان کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کیا کرو یہ اللہ کے نزدیک

اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ
راستی کی بات ہے اور اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو
فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ مَوَالِیْكُمْ ؕ
تو وہ تمہارے دین کے بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں
وَ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ فِیْمَآ اَخْطَاْتُمْ
اور تم کو اس میں جو بھول چوک ہو جاوے تو اس سے
بِهٖ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ
اس پر کچھ گناہ نہ ہوگا لیکن ہاں دل سے ارادہ کر کے کرو
وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝
اور اللہ تعالےٰ غفور رحیم ہے۔

الفاظ کے معانی

جَوْف :۔ کسی چیز کا اندرونی حصہ۔ یہاں مراد سینہ ہے۔
تُظٰهِرُوْن :۔ تم ماں کہہ لیتے ہو۔ ظہار کر لیتے ہو۔
اَدْعِیَآء :۔ (واحد دعی بروزن علی) منہ بولے بیٹے۔ لے پالک
اَفْوَاہ :۔ (واحد فَم اور فوہ ہے) منہ

اُدْعُوْ:۔ پکارو، منسوب کرو۔
مَوَالِیْ:۔ (واحد مَوْلیٰ) دوست۔ پروردگان
اَخْطَاْتُمْ:۔ تم نے خطا کی۔
تَعَمَّدَتْ:۔ اس نے ارادہ کیا۔

شرح و تفسیر

ان آیات میں ایک تو عام نصیحت ہے کہ دو دلی اور منافقت مومن کے لئے جائز نہیں بلکہ اخلاص اور "یک درگیرد محکم گیر" کی پالیسی پر عمل کرنا چاہیئے۔ انسانی فطرت کے لحاظ سے بھی یہی چیز مناسب ہے۔

دوسرے یہاں دو فقہی مسئلے بیان ہوئے ہیں۔(i) مسئلہ ظہار۔ (ii) مسئلہ ادعیاء۔

مسئلہ ظہار:۔ اہل عرب میں ایک رسم بد یہ تھی کہ کبھی کبھار میاں بیوی کے لڑائی جھگڑے کے موقع پر خاوند طیش میں آکر بیوی سے یہ کہہ دیتا تھا۔ کہ آج سے تو میری ماں کے برابر ہے" اس کی قسم کھانے کو ہی ظہار کہتے تھے اب یہ ظہار نہ تو طلاق سمجھا جاتا تھا کہ عورت کہیں اور شادی ہی کرلے۔ اور نہ ہی اپنی قسم اور بات کی ضد کے باعث مرد اس عورت سے کسی قسم کا تعلق ازدواجی رکھتا تھا۔ یہ صورتِ حال عورت کے لئے نہایت درجہ تکلیف دہ تھی۔ اور ایسی رسم کا جاری رہنا معاشرہ کے لئے انتہائی مضر تھا۔ اس لئے قرآن حکیم نے یہ حکم دیا کہ ایسا کہہ دینے سے وہ عورتیں سچ مچ ماں نہیں بن جاتیں۔ بلکہ وہ بیویاں ہی ہیں۔ اور ان سے فوراً تعلقات قائم کر لینے چاہئیں۔ البتہ ایک غیر ذمہ دارانہ اور فضول بات کہہ دینے کی سزا یہ

رکھی۔ (یہ سزا یا کفارہ یہاں نہیں۔ سورہ مجادلہ پ۲۸ کے شروع میں بیان ہوئی ہے کہ تعلقات کی تجدید سے پہلے مرد دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے یا ساٹھ غربا کو کھانا کھلائے۔ یا ایک غلام آزاد کرے۔ ایک غلط بات اول تو مسلمان کے منہ سے نکلنی ہی نہیں چاہیئے۔ چہ جائیکہ پھر اس غلط بات کو حقیقت سمجھ کر اس پر اڑ ہی جائے۔

مسئلہ ادعیاء:۔ بہت سی دوسری مشرک قوموں کی طرح اہل عرب بھی بعض دفعہ کسی لڑکے کو منہ بولا بیٹا بنا لیتے تھے۔ (جسے عربی میں دعی یا متبنٰی کہتے ہیں) اور پھر اس لڑکے کو بالکل حقیقی بیٹا سمجھ کر اس کے اصلی باپ کا نام ہی اڑا دیا جاتا تھا۔ اور وہ اپنے اس دوسرے (فرضی) باپ کا بیٹا کہلاتا تھا۔ اور پھر جو باتیں اصل بیٹے کے لئے حلال یا حرام ہوتی ہیں وہی اس کے لئے سمجھ لی جاتی تھیں۔ مثلاً دوسرے قریبی وارثوں کے ہوتے ہوئے وہ وارث بھی بن سکتا تھا۔ کوئی آدمی اپنی بیٹی کی شادی اپنے متبنٰی سے نہیں کر سکتا تھا۔ یا اس طرح خود اس کی بہن یا بیوی سے نکاح حرام سمجھتا تھا۔ اس طرح یہ ادعیاء (یعنی لے پالک بیٹے) بنا لینے کا رواج کئی لحاظ سے مضر تھا۔ اور اسلام جس طرح کا معاشرتی اور اقتصادی نظام برپا کرنا چاہتا ہے۔ یہ اس سے جگہ جگہ پر متصادم ہو سکتا تھا۔ اس لئے قرآن نے اس رواج کو بھی حرام قرار دیا۔ اب ایک مسلمان کسی دوسرے کے لڑکے یا لڑکی کو اپنے بیٹے یا بیٹی کے طور پر پرورش تو کر سکتا ہے لیکن۔

(۱) اسے ہمیشہ اس کے اصلی باپ ہی کے نام سے پکارا جائے (بدقسمتی سے آج کل بعض مسلمان مختلف وجوہ کی بنا پر کسی بچے کو متبنٰی بنا لیتے ہیں اور اسکول میں داخلے کے وقت ولدیت اسی فرضی باپ کی لکھوا دی جاتی ہے

یہ فعل قرآن کی رو سے قطعاً حرام ہے) اگر کسی وجہ سے اس بچے کا اصلی باپ معلوم نہ ہو (مثلاً چھوٹی عمر کا گم شدہ ملا ہو) تو بھی اسے "پروردہ" (مولائے) فلاں کہا جائے یا دینی بھائی۔ بہر حال کسی کے نسب کو دانستہ بدلنا زبردست معصیت ہے۔

(۱۱) نکاح و وراثت وغیرہ امور میں اسے حقیقی بیٹا ہرگز نہ سمجھا جائے گا۔ اور ان امور کے متعلق قرآنی احکام و قوانین کے نفاذ میں یہ "نام نہاد ولدیت" کوئی روکاوٹ نہیں بن سکتی۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ

نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں

وَاَزْوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ

اور آپ کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں اور رشتہ دار کتاب اللہ

بَعْضُہُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ

میں ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ بہ نسبت دوسرے

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُہٰجِرِیْنَ اِلَّاۤ اَنْ

مومنین اور مہاجرین کے مگر یہ کہ تم

تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤی اَوْلِیٰٓئِکُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ

اپنے دوستوں سے کچھ سلوک کرنا چاہو۔ تو وہ جائز ہے۔

كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتَابِ مَسْطُورًا ۝۶
یہ بات لوح محفوظ میں لکھی جا چکی تھی۔

الفاظ کے معانی

اَوْلٰی :۔ زیادہ تعلق والا۔ زیادہ شفقت والا بھی مراد ہو سکتا ہے۔
اُمَّھَات :۔ (واحد۔ اُمٌّ) مائیں۔
اَرْحَام :۔ رشتہ دار، قرابت دار۔ رِحْمٌ یا رَحِمٌ کی جمع ہے۔ رحم عورت کے پیٹ کا وہ حصہ ہے جس میں بچہ پیدا ہوتا ہے اور مجازاً قرابت کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ کیونکہ اہل قرابت ایک ہی رحم سے پیدا ہوتے ہیں۔
کِتٰبُ اللہ :۔ قرآن کریم یا لوح محفوظ بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ اور اللہ کا قانون بھی ترجمہ ہو سکتا ہے۔
مَعْرُوْف :۔ احسان۔ اچھا سلوک   مَسْطُوْر :۔ جو لکھا جا چکا۔

شرح و تفسیر

اس آیت میں دو چیزیں بیان ہوئی ہیں۔
(ا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مومنوں سے تعلق :۔ آپ کی ذات ایک مومن کے لئے دنیا کی ہر شے سے بلکہ خود اپنی جان سے بھی بڑھ کر عزیز اور محترم ہے۔ حدیث نبوی میں بھی یہی مضمون آیا ہے کہ کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے اپنے والدین، اولاد (جیسے قریبی رشتوں) بلکہ خود اپنی جان سے بڑھ کر عزیز نہ

ہوں۔ اس تعلق کی بنا پر لازماً حضور کی بیویاں مومنوں کے لئے ماں کی حیثیت رکھتی ہیں۔

(۱۱) قانون وراثت کا بنیادی اصول:۔ قریب ترین نسلی رشتہ

اس بات کو سمجھنے کے لئے ایک تاریخی واقعہ یاد رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینے پہنچے تو آپ نے مہاجر مسلمانوں کی آبادکاری کے سلسلے میں ایک تدبیر مواخاۃ کی بھی اختیار کی تھی۔ انصارِ مدینہ نے اس بھائی چارے کو حیرت انگیز صدق و ایثار کے ساتھ نبا ہا۔ یہاں تک کہ یہ لوگ ایک دوسرے کے وارث بھی بننے لگے۔ مدینہ میں کئی برس تک وراثت کا یہی قاعدہ جاری رہا۔ پھر اللہ تعالٰے نے سورۂ انفال کی آخری آیت اور احزاب کی اس آیت کے ذریعہ یہ طریقہ منسوخ قرار دیا اور آئندہ کے لئے وراثت کا اصول یہ قرار پایا کہ قریب ترین نسلی رشتہ دار (مثلاً اولاد، والدین) وراثت زیادہ حق دار ہوں گے۔ اسی سے وراثت کا مشہور اصول الاقرب فالاقرب نکلا ہے جو تمام اسلامی فرقوں کے نزدیک مسلم اور متفق علیہ ہے۔

البتہ کسی دوست یا غریب دینی بھائی یا پروردہ سے بھلائی کے طور پر اس کے لئے کچھ مال کی وصیت کرنا یا اپنی زندگی میں اسے کچھ دے دینا جب کہ نیت اصل وارثوں کو محروم کرنے کی نہ ہو ناجائز نہیں ہے۔

چھٹی آیت کے آخری الفاظ کان ذالك سے مراد یہ ہے کہ وراثت کا یہ اصل قانون کتاب اللہ میں پہلے سے لکھا ہوا تھا۔ یہ تو وقتی طور پر مصلحت کی خاطر مواخاہ کی تدبیر بنائی گئی تھی۔ جب حالات سدھر گئے تو اسے منسوخ کر دیا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ
اور جب کہ ہم نے تمام پیغمبروں سے ان کا اقرار لیا
وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى
اور آپ سے بھی اور نوحؑ اور ابراہیمؑ اور موسےؑ
وَعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ ۪ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ
اور عیسےؑ بن مریم سے بھی اور ہم نے ان سب سے
مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ۝۷ لِّیَسْــَٔلَ الصّٰدِقِیْنَ
خوب پختہ عہد لیا تاکہ ان سچوں سے ان کے سچ کی
عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ
تحقیقات کرے اور کافروں کے لئے اللہ تعالےٰ نے
عَذَابًا اَلِیْمًا ۝۸
دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ع

الفاظ کے معانی

مِیْثَاقٌ :- ج مع۔ مواثیق، عہد۔ پکی بات۔

اَخَذْنَا :۔ ہم نے لیا۔ اَلِیْمًا :۔ دردناک۔ دکھ اور الم
غَلِیْظًا :۔ جمع سخت پختہ دینے والا۔
یَسْئَلَ: تاکہ پوچھے۔ سوال کرے اَعَدَّ : اس نے تیار کر رکھا ہے)

شرح وتفسیر

ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ انبیاء کو احکام الٰہی بندوں تک پہنچانا کس قدر لازمی اور فرض ہے کیوں کہ ان سے خود اللہ تعالیٰ نے اسی بات کا سخت عہد لیا ہوا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے آج کل گورنر یا صدر۔ وزراء اپنے ذمہ دارانہ عہدہ کا چارج لینے سے پہلے ایک حلف اٹھاتے ہیں اور اس عہد کی پابندی سے کوئی نبی مستثنیٰ نہیں۔ چار بڑے انبیاء کا نام لے کر ذکر کیا ہے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی۔ کیونکہ دراصل انبیاء کی عظمت، وفضیلت کی وجہ یہی منصب تبلیغ ہے۔ اور قیامت کو بازپرس کا دارومدار بھی اسی بات پر ہوگا کہ بات پہنچائی تھی یا نہیں؛ پہنچی تھی تو مانی تھی یا نہیں اسی بات سے سچے اور جھوٹے کو پرکھا جائے گا۔ اور عذاب و ثواب کا فیصلہ ہوگا۔

نوٹ :۔ انبیاء کی تبلیغ میں منجملہ اور امور کے ہمیشہ اس بات پر بھی زور ہوتا ہے کہ یہ بات آگے بھی پہنچا دو۔ گویا بالواسطہ تبلیغ مومنوں کے بھی فرض اور "عہد ایمان" میں شامل ہے۔

میثاق والی آیت سے یہ بات نکالنا کہ اس اقرار اور عہد سے مراد وہ عہد ہے جو سورۃ آل عمران رکوع ۹ آیت نمبر ۸۱ میں بیان ہوا ہے۔ کہ "اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ آج ہم نے تمہیں کتاب اور حکمت ودانش

سے نوازا ہے۔ کل اگر کوئی دوسرا رسول تمہارے پاس اسی تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمہارے پاس موجود ہے تو تم کو اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی" بالکل غلط ہے۔ کیونکہ حضرت محمد صلعم سے پہلے ہر نبی سے یہی عہد لیا جاتا ہے اور اسی بنا پر ہر نبی نے اپنی امت کو بعد کے آنے والے نبی کی خبر دی ہے اور اس کا ساتھ دینے کی ہدایت کی ہے لیکن نہ قرآن میں نہ حدیث میں۔ کہیں بھی اس امر کا پتہ نہیں چلتا کہ حضرت محمد صلعم سے ایسا عہد لیا گیا ہو یا آپ نے اپنی امت کو کسی بعد کے آنے والے نبی کی خبر دے کر اس پر ایمان لانے کی ہدایت فرمائی ہو۔

اس آیت سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی اور نبی کے آنے کا اشارہ اگر ہو سکتا تھا تو اس کے لئے تین ہی دلیلیں ممکن ہو سکتی تھیں۔

پہلی یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آیت کے نزول کے بعد صحابہ کو جمع کر کے اعلان فرمایا ہوتا کہ "لوگو! اللہ نے مجھ سے عہد لیا ہے کہ میرے بعد جو نبی آئے اس پر میں ایمان لاؤں اور اس کی تائید و نصرت کروں لہٰذا میرے تبع ہونے کی حیثیت سے تم بھی اس کا عہد کرو" مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حدیث کے پورے ذخیرے میں اس مضمون کا کہیں نام و نشان تک نہیں، بلکہ الٹی بکثرت روایات ایسی موجود ہیں جن سے یہ مضمون نکلتا ہے کہ حضور صلعم پر سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا اور آپ کے بعد اب کوئی نبی پیدا ہونے والا نہیں ہے۔ کیا یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ نبی صلعم سے ایک ایسا اہم میثاق لیا گیا ہوتا اور الٹی ایسی باتیں فرما دی جاتیں جن سے حجت پکڑ کر آپ کی امت کا ایک بڑا گروہ (سوادِ اعظم) خدا کے بھیجے ہوئے نبی پر ایمان لانے سے

محروم رہ جاتا۔

دوسری دلیل اس مضمون کو پیدا کرنے کے لئے یہ ہوسکتی تھی کہ قرآن میں انبیاء اور ان کی امتوں سے بس ایک ہی میثاق لئے جانے کا ذکر ہوتا۔ یعنی یہ کہ بعد کے آنے والے نبی پر ایمان لانا۔ اس کے سوا کسی اور میثاق کا پورے قرآن میں کہیں ذکر ہی نہ ہوتا۔ اس صورت میں یہ استدلال کیا جا سکتا تھا۔ کہ سورۂ احزاب والی آیتِ میثاق میں بھی لامحالہ یہی میثاق مراد ہوگا۔ — لیکن اس دلیل کے لئے بھی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔ قرآن میں ایک نہیں بلکہ متعدد میثاقوں کا ذکر آیا ہے۔ مثلاً سورۂ بقرہ رکوع ۱۰ میں بنی اسرائیل سے اللہ کی بندگی اور والدین سے حسن سلوک اور آپس کی خونریزی سے پرہیز وغیرہ کا میثاق لیا جاتا ہے۔ سورۂ آل عمران رکوع ۱۹ میں تمام اہل کتاب سے اس بات کا میثاق لیا جاتا ہے کہ خدا کی جو کتاب تمہارے حوالے کی گئی ہے اس کی تعلیمات کو چھپاؤ گے نہیں بلکہ اس کی عام اشاعت کروگے۔ سورہ اعراف رکوع ۲۱ میں بنی اسرائیل سے میثاق لیا جاتا ہے کہ وہ اللہ کے نام پر حق کے سوا کوئی بات نہ کہیں گے اور اللہ کی دی ہوئی کتاب کو مضبوط ہاتھوں سے تھامیں گے اور اس کی تعلیمات کو یاد رکھیں گے۔ سورہ مائدہ رکوع ۱ میں محمد عربی صلعم کے پیروؤں کو ایک میثاق یاد دلایا جاتا ہے۔ جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا۔ اور وہ یہ ہے کہ تم اللہ سے سمع وطاعت عہد کرچکے ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر سورۂ احزاب والی آیت میں میثاق کے مضمون کی تصریح کے بغیر صرف میثاق کا ذکر آیا ہے تو اس خلا کو ان بہت سے میثاقوں میں سے کسی ایک سے بھرنے کے بجائے بالخصوص سورۂ آلِ عمران رکوع ۹ والے میثاق ہی سے کیوں بھرا جائے۔ اس ترجیح کے لئے

خود ایک دلیل درکار ہے جو کہیں موجود نہیں۔ اس کے جواب میں اگر کوئی یہ کہے کہ دونوں جگہ چونکہ نبیوں سے میثاق لینے کا ذکر ہے۔ اس لئے ایک آیت کی تشریح دوسری آیت سے کرلی گئی۔ تو جواب میں یہ عرض کیا جا سکتا ہے کہ دوسرے جتنے میثاق بھی انبیاء کی امتوں سے لئے گئے ہیں۔ وہ براہِ راست کسی امت سے نہیں لئے گئے بلکہ انبیاء کے واسطے ہی سے لئے گئے ہیں۔ اور آخر قرآن میں بصیرت رکھنے والا کون شخص اس بات سے ناواقف ہے کہ ہر نبی سے کتاب اللہ کو مضبوط تھامنے اور اس کے احکام کی پیروی کرنے کا عہد لیا گیا ہے۔

تیسری دلیل یہ ہوسکتی تھی۔ کہ سورۂ احزاب کا سیاق و سباق یہ بتا رہا ہوتا کہ یہاں میثاق سے مراد آنے والے نبی کا ایمان لانے کا میثاق ہی ہوسکتا ہے۔ لیکن یہاں معاملہ بالکل ہی برعکس ہے۔ سورۂ احزاب شروع ہی اس فقرے سے ہوتی ہے کہ "اے نبی اللہ سے ڈرو اور کافروں اور منافقوں سے نہ دبو اور جو وحی تمہارا رب بھیجتا ہے اسی کے مطابق عمل کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو" اس کے بعد یہ حکم سنایا جاتا ہے زمانۂ جاہلیت سے متبنّٰی بنانے کا جو طریقہ چلا آرہا ہے۔ اس کو اور اس سے تعلق رکھنے والے تمام اوہام اور رسول کو توڑ ڈالو۔ اس کے بعد فرمایا جاتا ہے کہ غیر خونی رشتوں میں صرف ایک ہی رشتہ ایسا ہے جو خونی رشتوں سے بھی بڑھ کر حرمت والا ہے اور وہ ہے نبیؐ اور مومنین کا رشتہ جس کی بناپر نبی کی بیویاں ان کی ماؤں کی طرح ان پر حرام ہیں ورنہ باقی تمام معاملات میں رحمی اور خونی رشتے ہی کتاب اللہ کی رو سے حرمت اور استحقاق وراثت کے لئے اولیٰ وانسب ہیں۔ یہ احکام بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نبی صلعم کو وہ میثاق یاد

دلاتا ہے جو اس نے تمام انبیاء سے ہمیشہ لیا ہے اور ان کی طرح آپ سے بھی لیا ہے۔ اب ہر معقول آدمی خود ہی دیکھ سکتا ہے کہ اس سلسلۂ کلام میں آخر کس مناسبت سے ایک آنے والے نبی پر ایمان لانے کا میثاق یاد دلایا جا سکتا تھا؟

یہاں تو اگر یاد دلایا جا سکتا تھا تو وہی میثاق یاد دلایا جا سکتا تھا۔ جو خدا کی کتاب کو مضبوط تھامنے اور اس کے احکام کو یاد رکھنے اور ان پر عمل کرنے اور دنیا پر ان کا اظہار کرنے کے لئے تمام انبیاء سے لیا گیا ہے۔ پھر یہاں اس میثاق کے ذکر کرنے کی ضرورت یہ بھی تھی کہ کافروں کو ان کے اس اعتراض کا جواب مل جائے۔ جس میں وہ یہ کہتے تھے کہ محمدؐ کو آخر زیدؓ کی مطلقہ بیوی زینبؓ سے نکاح کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ انہوں نے اپنی ذاتی پسند (نعوذ باللہ) کی بناپر ان سے شادی کر لی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہاں میثاق کا ذکر کر کے یہ واضح کر دیتا ہے کہ تمام انبیاء کا اللہ سے عہد ہوتا ہے اور اس عہد کی بناپر وہ خود اپنی طرف سے اور ذاتی خواہشات کی وجہ سے کام نہیں کرتے بلکہ جو عمل بھی کرتے ہیں وہ اللہ کی ہدایت و راہنمائی کے تحت کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت زینبؓ سے نکاح بھی آپ کی ذاتی خواہش کا اظہار نہیں بلکہ متبنٰی کی جب [illegible] رسم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کی مصلحت میں آپؐ نے اللہ کے حکم کی تعمیل کی ہے جو اگلی آیات میں حکم ملتا ہے۔ اور جب کفار و منافقین آنحضور صلعم کے حضرت زینبؓ سے نکاح پر اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو علی الترتیب تین جواب (آیت نمبر ۴۰) دیتا ہے:-

(۱) اول تو محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں کہ زیدؓ کی مطلقہ

بیوی ان پر حرام ہوتی۔

(۲) اور اگر تم یہ کہتے ہو کہ وہ ان کے لئے حلال تھی بھی تو اس سے نکاح کرنا کیا ضروری تھا؟ تو یہ اس لئے ضروری تھا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں جس کا کام یہی ہے کہ جس چیز کو اللہ مٹانا چاہتا ہے اسے خود آگے بڑھ کر مٹائے

(۳) اور مزید برآں ان کو ایسا کرنا اس لئے بھی ضروری تھا کہ وہ "محض رسول ہی نہیں ہیں بلکہ خاتم النبیین ہیں، اگر وہ جاہلیت کی ان رسموں کو مٹا کر نہ جائیں" گے تو پھر کوئی ایسا نبی آنے والا بھی نہیں ہے جو انہیں مٹائے۔

اس مضمون کو اگر کوئی شخص مضمون سابق کے ساتھ ملا کر پڑھے تو وہ یقین کے ساتھ کہہ دے گا کہ اس سیاق و سباق میں جو میثاق نبیؐ کو یاد دلایا گیا ہے اس سے مراد اور جو میثاق بھی ہو۔ بہر حال کسی آنے والے نبی پر ایمان لانے کا میثاق تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ
اے ایمان والو! اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو
اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَتْکُمْ جُنُوْدٌ
جب کہ تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے پھر ہم نے
فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا
ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوج بھیجی جو تم کو

لَمْ تَرَوْهَا ط وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

دکھائی نہ دیتی تھی اور اللہ تعالےٰ تمہارے اعمال کو

بَصِيْرًا ۝ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ

دیکھتے تھے۔ جب کہ وہ لوگ تم پر آ چڑھے تھے اوپر

وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ

کی طرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی اور جبکہ آنکھیں کھلی کی

الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ

کھلی رہ گئی تھیں۔ اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور

وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ

تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے۔ اس

ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا

موقع پر مسلمانوں کا امتحان لیا گیا اور زلزلہ

زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝

میں ڈالے گئے۔

الفاظ کے معانی

جُنُودٌ:۔ (واحد جندٌ) لشکر۔ فوجیں۔
رِیْحٌ:۔ (جمع۔ ریاح) ہوائے متحرک، آندھی۔
لَمْ تَرَوْ:۔ تم کو دکھائی نہ دیا۔ زَاغَتْ:۔ کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔
اَبْصَار:۔ (واحد بصر) نظریں۔ آنکھیں۔
بَلَغَتْ:۔ پہنچ گئی یا پہنچ گئے قُلُوب:۔ (واحد قلب) دل
حَنَاجِر:۔ (واحد حَنْجَرَةٌ) گلے۔ حلق۔
ظُنُون:۔ (واحد ظن) (طرح طرح کے) گمان
هُنَالِكَ:۔ اس موقع پر اُبْتُلِیَ:۔ آزمایا گیا، امتحان لیا گیا

شرح و تفسیر

یہاں سے جنگ احزاب (خندق) کے بعض واقعات کی طرف اشارے کئے گئے ہیں۔ یہ اگلے دو رکوع اچھی طرح سمجھنے کے لئے جنگ خندق کے تفصیلی حالات (جو حصہ سیرت النبیؐ میں دیئے گئے ہیں) سامنے رکھنے ضروری ہیں۔ مدینہ کا یہ محاصرہ جو تقریباً تین ہفتے جاری رہا۔ مسلمانانِ مدینہ کے لئے کس قدر خوفناک تھا۔ اور ان کی کیفیت کیا تھی۔ اس کا نقشہ آیت نمبر ۱۰ کے پر درد الفاظ میں کھینچ دیا گیا ہے۔

آیات زیر بحث میں مسلمانوں کی انتہائی اضطراب انگیز و تشویشناک حالت کے ساتھ اس آندھی کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو اس محاصرہ کے خاتمہ کے قریب آئی تھی۔ اور جس نے اتحادیوں (احزاب) کے اس اونٹ کی پیٹھ پر آخری تنکے

کا کام دیا۔

۔ فوقکم سے مراد مدینہ کا شمالی و شمال مشرقی حصہ ہے۔ جس طرف خندق تھی اور ادھر ہی حملہ آور قبائل کے لشکر خیمہ زن تھے۔ اسفل منکم سے مراد مدینہ کے جنوب مشرقی حصے ہیں۔ جہاں بنو قریظہ آباد تھے جو دشمن کے ساتھ مل گئے تھے۔ اور غداری سے مسلمانوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے پر تیار ہو گئے تھے۔

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ

اور جب کہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ

یوں کہہ رہے تھے کہ ہم سے تو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول نے

وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ

محض دھوکہ ہی کا وعدہ کر رکھا ہے اور جب کہ ان میں سے بعض

مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ

لوگوں نے کہا کہ اے یثرب کے لوگو! ٹھہرنے کا موقعہ نہیں سو لوٹ

فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ

چلو اور بعض لوگ ان میں سے نبی سے اجازت

النَّبِیَّ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ ط

انگتے تھے کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔

وَمَا هِیَ بِعَوْرَةٍ ج اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا

حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں ہیں۔ یہ محض بھاگنا ہی

فِرَارًا ﴿١٣﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَیْهِمْ مِّنْ

چاہتے ہیں۔ اور اگر مدینہ میں اس کے اطراف سے

اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا

ان پر کوئی آگھسے پھر ان سے فساد کی درخواست کی جائے تو یہ

وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَا اِلَّا یَسِیْرًا ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ

اس کو منظور کر لیں۔ اور ان گھروں میں بہت ہی کم ٹھہریں۔ حالانکہ یہی

كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا

لوگ پہلے خدا سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ

یُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ط وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ

نہ پھیریں گے، اور اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے اس کی

مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ

بازپرس ہوگی، آپ فرما دیجئے کہ تم کو بھاگنا کچھ نافع نہیں ہو سکت

اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَ

اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگتے ہو اور اس حالت میں

اِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ

بجز تھوڑے دنوں کے اور زیادہ متمتع نہیں ہو سکتے یہ بھی فرما

ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ

دیجئے کہ وہ کون ہے جو تم کو خدا سے بچا سکے اگر وہ تمہارے

سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوْنَ

ساتھ برائی کرنا چاہے یا وہ کون ہے جو خدا کے فضل کو تم سے روک سکے

لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾

اگر وہ تم پر فضل کرنا چاہے اور خدا کے سوا نہ کوئی اپنا حامی پائیں گے

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَ

نہ کوئی مددگار، اللہ تعالےٰ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو

اَلْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ج وَ

مانع ہوتے ہیں اور جو اپنے بھائیوں سے یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس

لَا يَأْتُوْنَ الْبَأْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾ اَشِحَّةً

آجاؤ اور لڑائی میں بہت ہی کم آتے ہیں۔ تمہارے حق میں بخیلی

عَلَيْكُمْ ج فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ

لئے ہوئے سو جب خوف پیش آتا ہے تو ان کو دیکھتے ہو کہ

يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ

وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرائی

كَالَّذِىْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ

جاتی ہیں۔ جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو۔

فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ

پھر جب وہ خوف دور ہو جاتا ہے تو تم اس کو تیز تیز زبانوں سے

حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ اُولٰٓئِكَ

طعنے دیتے ہیں۔ مال پر حرص لئے ہوئے یہ لوگ ایمان

لَمْ يُؤْمِنُوا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ط

نہیں لائے تو اللہ تعالےٰ نے ان کے تمام اعمال بیکار کر رکھے ہیں

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿١٩﴾ يَحْسَبُوْنَ

اور یہ بات اللہ تعالےٰ کے نزدیک بالکل آسان ہے ان لوگوں کا

الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ج وَاِنْ يَّاْتِ

یہ خیال ہے کہ یہ لشکر گئے نہیں اور اگر یہ لشکر آ جائیں

الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي

تو یہ لوگ بہت ہی پسند کریں کہ کاش ہم دیہاتوں میں

الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْبَائِكُمْ ط وَ

باہر جا رہیں۔ کہ تمہاری خبر پوچھتے رہیں۔ اور

لَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٢٠﴾ ع

اگر تم ہی میں رہیں تب بھی کچھ یوں ہی سا لڑیں۔

الفاظ کے معانی

غُرُوْر:- فریب - دھوکہ

طَائِفَۃٌ :۔ گروہ ۔ جماعت، بعض رگ۔ ایک اور ایک سے زائد سب طائفہ کہلاتا ہے

یَثْرِبُ :۔ مدینہ منورہ کا پہلا نام ہے۔

مُقَامَ :۔ ٹھیرنے کا موقع یا جگہ — فَارْجِعُوْا :۔ سو تم لوٹ چلو۔

یَسْتَاْذِنُ :۔ اجازت مانگتا ہے — عَوْرَۃٌ :۔ خالی۔ غیر محفوظ

دُخِلَتْ عَلَیْھِمْ :۔ ان پر (کوئی) آگھسے۔

اَقْطَارِ :۔ (واحد قطر) اطراف — اَلْفِتْنَۃَ :۔ فساد، خانہ جنگی۔

تَلَبَّثُوْا :۔ رکتے، ٹھیرتے، دیر لگاتے — یَسِیْرًا :۔ بہت تھوڑا۔

اَلْاَدْبَارَ :۔ (واحد دبر) پیٹھیں، پشت — لَا تُمَتَّعُوْنَ :۔ تم فائدہ نہ دیئے جاؤ گے

تم متمتع نہیں ہو سکو گے۔ — یَعْصِمُ :۔ بچائے گا یا بچا سکے گا۔

سُوْٓءً :۔ برائی — لَا یَجِدُوْنَ :۔ (وہ) نہیں پائیں گے۔

اَلْمُعَوِّقِیْنَ :۔ روکنے اور منع کرنے والے — ھَلُمَّ :۔ اسم فعل بمعنی آجاؤ۔ چلے

آؤ، مذکر، مؤنث، واحد، جمع سب کے لئے یہی لفظ استعمال ہو سکتا ہے۔

اَلْبَاْسَ :۔ لڑائی۔ — اَشِحَّۃً :۔ (واحد شحیح) بمعنی

بخیل و تنگدل، بخیلی لئے ہوئے۔ — تَدُوْرُ :۔ پھرتی ہیں، چکرائی جاتی ہیں۔

یُغْشٰی عَلَیْہِ :۔ اس پر بے ہوشی طاری ہوتی ہے۔ ان معنوں میں ہمیشہ مجہول ہی

استعمال ہوتا ہے۔ — سَلَقُوْا :۔ طعنہ دیا (انہوں نے)

حِدَادٍ :۔ (واحد حدید) تیز — اَحْبَطَ :۔ بیکار کر دیا۔ برباد کر دیا۔

یَحْسَبُوْنَ :۔ ان کا (یہ) خیال ہے۔

اَلْاَحْزَابُ :۔ (واحد حزب) جماعتیں۔ گروہ (کفار کے) لشکر جو مدینہ پر حملہ آور

ہوئے تھے — یَوَدُّوْا :۔ وہ آرزو کریں گے، خواہش کریں گے

بَادُوْنَ :۔ واحد۔ بادی) بادیہ یا صحرا میں رہنے والے۔ باہر دیہات

میں) رہنے والے۔

اَلۡاَعۡرَاب :- (واحد اعرابی) دیہاتی لوگ، غیر شہری۔ گنوار۔

اَنۡبَآئِكُمۡ :- تمہاری خبریں، اَنۡبَاءُ جمع ہے نَبَأٌ کی۔

شرح و تفسیر

ان نو آیتوں میں محاصرۂ خندق کے دوران میں مدینہ کے منافقوں کی حالت کیفیت بیان کی ہے۔

(ا) ظاہراً مسلمانوں کی مکمل تباہی کے تمام اسباب جمع ہو چکے تھے۔ اور بقول چیتھال ان کا CASE بالکل (HOPE LESS) ہو چکا تھا۔ اس حالت کو دیکھ کر یہ لوگ رسول اللہ کے وعدہ ہائے نصرت و فتح کو دھوکا اور خوش فہمی کہتے تھے۔

(ii) بعض اپنے ساتھیوں کو مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر واپس آنے کا مشورہ دیتے تھے۔ یثرب مدینہ کا پہلا نام ہے۔ اپنے ساتھیوں کو یثرب والو! کہہ کر پکارنا ایک تو اس وجہ سے تھا کہ وہ اس کا نیا نام مدینۃ النبی پسند نہیں کرتے تھے۔ دوسرے غالباً اس لئے بھی کہ مدینہ کے مقامی باشندوں اور مہاجروں میں تفریق پیدا کی جائے۔

(iii) کچھ لوگ آنحضرتؐ سے مختلف بہانے وغیرہ بنا کے واپس جانے کی اجازت لے لیتے۔ اصل مقصد فرار ہونا تھا۔

(نوٹ) مدینہ کے شمال و مغرب میں جو کئی میل لمبی حفاظتی خندق کھودی گئی تھی اس کی دن رات حفاظت کرنی پڑتی تھی۔ ورنہ بصورت غفلت دشمن کسی وقت بھی کسی جگہ سے خندق کو چند گھنٹوں میں پار کر کے

مدینہ میں داخل ہو سکتا تھا۔ اس طویل خندق پر دن رات مختلف مقامات پر پارٹیاں پہرہ دیتی رہتی تھیں۔ اور یہ سب کام مسلمانوں کی طرف سے رضاکارانہ تھا۔ آج کل کی طرح تنخواہ دار فوج یا پولیس تو تھی نہیں کہ اتنے بجے سے اتنے بجے تک چند آدمیوں کی ڈیوٹی مقرر کر دی جاتی۔
اس تکلیف دہ پہرہ داری سے منافق لوگ مختلف بہانے بنا کر بچنے کی کوشش کرتے تھے۔

(۱۲) ان کو اپنے اس عہد کا پاس بھی نہیں تھا جو بصورت "میثاق مدینہ" یہ لوگ آنحضرتؐ سے کر چکے تھے، اور جس کی رو سے دفاع مدینہ کی پابندی ان پر لازم تھی۔

V ادھر تو یہ بہانے اور بزدلی - لیکن دوسری طرف اگر خدانخواستہ دشمن مدینہ میں کسی سمت سے گھس آتا تو اس صورت میں اُن کے ساتھ یہ پورا تعاون کرتے۔ اور مسلمانوں کو تباہ کرنے پر آمادہ تھے۔

VI بعض لوگ نہ صرف خود بہانے بناتے تھے بلکہ ساتھیوں کو بھی مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑنے یا خندق کی حفاظت وغیرہ میں حصہ لینے سے روکتے تھے۔

VII اور اس گروہ کی بزدلی کا یہ عالم کہ جب اچانک دشمن کے لشکر راتوں رات لپتہ گول کر گئے۔ اور صبح مسلمانوں نے خندق کے اس پار دشمن کا نام و نشان تک نہ پایا اور یہ خبر مدینہ میں (جو اصل خندق اور کیمپ نبوی سے دو تین میل جنوب کی طرف تھا) پہنچی تو بھی یہ منافقین اس کو باور نہیں کرتے تھے۔

الغرض ان آیات میں اللہ اور اس کے رسول کے وعدوں کی صحت پر شک

اور ان کے احکام کی تعمیل میں پہلو تہی اور ٹال مٹول۔ دشمن سے ساز باز، اور اس سے خوف اور بزدلی، بد دلی کو منافقوں کی نمایاں خصوصیات کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ

تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور روز آخرت

حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ

سے ڈرتا ہوا اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو

الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴿۲۱﴾

رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔

الفاظ کے معانی

أُسْوَةٌ (جمع أُسًى) نمونہ، مثال

يَرْجُو: امید رکھتا ہے۔ ڈرتا ہے۔ دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔

شرح و تفسیر

یہ آیت ہر مسلمان کے لئے خاص طور پر سوچنے کا مقام ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مومنوں کے لئے بہترین نمونہ عمل ہونا جنگ احزاب کے

ضمن میں بیان کیا ہے ۔ یہی وہ جنگ جس میں آنحضرتؐ نے خود اپنے ہاتھ میں کدال لے کر عام مزدوروں کی طرح خندق کھودنے میں حصہ لیا ۔ اسی محاصرہ کے دوران فاقہ کشی کے باعث مسلمانوں کو اور خود حضورؐ کو پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے اور اسی جنگ میں مسلسل نگرانی و مصروفیت کے باعث آنحضرتؐ کی ایک نماز بھی قضا ہوتی ۔ لیکن ان انتہائی مایوس کن حالات میں بھی آپ ذرا نہیں گھبرائے ۔ اور خدا کی مدد پر کامل یقین رکھتے ہوئے ہر ممکن انسانی تدبیر سے کام لیتے رہے ۔

یہ ہے اصل بہترین نمونۂ عمل ۔ بے شک آپ کی ساری زندگی اور آپ کا ہر فعل مسلمانوں کے لئے نمونہ ہے لیکن اس اسوۂ حسنہ کو صرف غسل و وضو اور طعام و لباس تک محدود کر دینا انتہائی تن آسانی ہے ۔ دراصل آپ کی سیاست و ریاست ۔ صلح و جنگ ۔ عبادت و ریاضت ۔ معاشرت و معاملت غرضیکہ زندگی کا ہر پہلو مسلمانوں کے لئے ایک مثالی نمونہ ہے ۔

آیت میں بالواسطہ اس بات کی طرف بھی اشارہ موجود ہے کہ آپ کے حالاتِ زندگی (سیرت) مکمل طور پر محفوظ رہیں گے ۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ لا قَالُوْا
اور جب ایمانداروں نے ان لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ وہی ہے
هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ
جس کی ہم کو اللہ اور اس کے رسول نے خبر دی تھی ۔

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ز وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ

اور اللہ و رسول نے سچ فرمایا تھا اور اس سے ان کے ایمان

اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ

اور اطاعت میں اور ترقی ہو گئی ان مومنوں میں کچھ لوگ

صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ

ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ

تھا اس میں سچے اترے۔ پھر بعضے تو ان میں وہ ہیں

مَّنْ يَّنْتَظِرُ ز صلے وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

جو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعضے ان میں مشتاق ہیں۔

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ

اور انہوں نے ذرا تغیر و تبدل نہیں کیا۔ یہ واقعہ اسلئے ہوا تاکہ

وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ

اللہ تعالیٰ سچے مسلمانوں کو ان کے سچ کا صلہ دے اور منافقوں کو

عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۲۴
چاہے سزا دے یا چاہے ان کو توبہ کی توفیق دے بے شک اللہ غفور رحیم ہے

الفاظ کے معانی

تَسْلِیْمٌ :۔ اطاعت نَحْبٌ : نذر، عہد۔ ڈیوٹی۔ ذمہ لگا کام

یَتُوْبَ عَلَیْہِمْ :۔ وہ ان کو توبہ کی توفیق دے۔

شرح و تفسیر

یہ جنگ احزاب میں مخلص مسلمانوں کے طرزِ عمل کا بیان ہے۔ ایمان کی پختگی۔ خدا اور اس کے رسول کے وعدوں کی سچائی پر کامل یقین۔ اللہ سے اپنے عہد کی ذمہ داریوں کا احساس اور ان کے مقاصد کے لئے بہر دم تک کی بازی لگا دینے کا عملی ثبوت۔ یہ ان کی خصوصیات تھیں۔ اور آئندہ بھی ہر مومن کو اسی بلند معیار تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ خدا سچے ایمانداروں کو پورا پورا اجر دے گا۔ نیز ان آیات میں کمزور ایمان کے نفاق آلودہ مسلمانوں کو توبہ و اصلاح کی ترغیب بھی موجود ہے۔

منافقوں کی بدعہدی، بزدلی اور نامرادی کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد مومنوں کے ایفائے عہد، ثابت قدمی اور جانثاری کا ذکر ہوا ہے۔ آیت نمبر ۲۳ حضرت انس بن نضر کے بارے میں نازل ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ جنگ بدر میں آپ شریک نہیں ہو سکے تھے۔ جس کا انہیں سخت افسوس تھا کہ سب سے پہلی جنگ میں جس میں خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس شریک

تھے۔ میں شامل نہ ہو سکا۔ اب جو موقعہ جہاد کا آئے گا۔ میں اللہ تعالیٰ کو اپنی سچائی دکھاؤں گا۔ اب جنگ احد میں انہوں نے دیکھا کہ سامنے سے حضرت سعد بن معاذؓ واپس آرہے ہیں انہوں نے دیکھ کر تعجب سے فرمایا کہ ابو عمرو کہاں جا رہے ہو۔ واللہ مجھے احد پہاڑ کے اس طرف سے جنت کی خوشبوئیں آرہی ہیں۔ یہ کہتے ہی آپ آگے بڑھے اور کفار میں خوب تلوار چلائی۔ چونکہ مسلمان لوٹ گئے تھے یہ تنہا تھے۔ ان کے بے پناہ حملوں نے کفار کے دانت کھٹے کر دیئے اور وہ پھر اکر آ گئے۔ اور چاروں طرف سے گھیر لیا اور شہید کر دیا۔ آپ کو اسی سے زائد زخم آئے تھے۔ شہادت کے بعد کوئی آپ کو پہچان نہ سکا۔ سوائے ان کی ہمشیرہ کے جنہوں نے ان کی انگلیوں کی پوریاں دیکھ کر پہچانا۔

تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے جنگ احد کے بعد منبر پر چڑھ کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور شہدا کے درجوں کی خبر دی۔ اور مسلمانوں سے ہمدردی ظاہر کی۔ اسی موقعہ پر آپ نے حضرت طلحہؓ کے متعلق فرمایا کہ یہ بھی ان مسلمانوں میں سے ہیں۔ جن کا ذکر اس آیت (نمبر ۲۳) میں ہوا ہے

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ

اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا۔

لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ط وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ

کہ ان کی کچھ بھی مراد پوری نہ ہوئی اور جنگ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں

الْقِتَالَ ط وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ ج

کے لئے آپ ہی کافی ہو گیا اور اللہ تعالےٰ بڑی قوت والا زبردست ہے

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ

اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی ان کو ان کے

اَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَ

قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں

قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا

تمہارا رعب بٹھلا دیا بعض کو تم قتل کرنے لگے۔

تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ ج وَ

اور بعض کو قید کر لیا اور ان کی زمین

اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَ

ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا تم کو مالک

اَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ط وَ

بنا دیا اور ایسی زمین کا بھی جس پر تم نے قدم نہیں رکھا

كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾

اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

الفاظ کے معانی

لَمْ يَنَالُوْا :۔ انکو حاصل ہی نہ ہُوا   خَيْرًا :۔ کچھ (بھی) فائدہ یا نفع۔

ظَاهَرُوْا :۔ انہوں نے مدد کی تھی۔

صَيَاصِيْ :(واحد صیصہ) قلعے۔ گڑھیاں۔

قَذَفَ :۔ پھینکا ڈال دیا۔ بٹھا دیا۔

تَاْسِرُوْنَ :۔ تم نے قید کر لیا۔ (لفظاً تم قید کرتے ہو)

اَوْرَثَ :۔ اس نے وارث بنایا

لَمْ تَطَئُوْهَا :۔ تم نے اس پر قدم بھی نہیں رکھا یعنی تم ابھی وہاں گئے تک نہیں

شرح و تفسیر

ان آیات میں جنگ احزاب کے خاتمہ اور نتائج کا ذکر ہے۔

(۱) کفار (اور ان کے ساتھی قبائل)، ناکام و نامراد واپس مڑے۔ کیا کیا امیدیں لے کر آئے تھے۔ لیکن سوائے نقصان پریشانی اور حسرت کے کچھ حاصل نہ ہُوا۔ اللہ تعالےٰ ہی مسلمانوں کے لئے قوت و غلبہ کے اسباب پیدا کر دیتے۔ آنحضرتؐ کی پیشن گوئی کے مطابق پھر کبھی کفار کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی بلکہ آہستہ آہستہ دو تین سال کے اندر ہی مجبور و مغلوب ہو کر رہ گئے۔

(ii) یہود بنی قریظہ (جن کی دشمنی کے ساتھ سازش نے مسلمانوں کی مکمل تباہی کا سامان مہیا کر دیا تھا) نے بھی اپنی غداری کی عبرت ناک سزا پائی۔ آیت نمبر ۲۶،۲۷ کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے بنی قریظہ کی سازش ان کا محاصرہ اور سعد بن معاذؓ کی ثالثی کا مفصل حالات حصہ سیرت میں پڑھئے۔

(iii) ضمناً یہ پیشین گوئی بھی کہ آئندہ مزید علاقے مسلمانوں کے ہاتھوں مفتوح ہوں گے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ اِنْ
اے نبی، آپ اپنی بیبیوں سے فرما دیجئے کہ تم اگر دنیوی زندگی
كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا
اور ان کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ متاع
فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا
دے دوں اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت
جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ
کر دوں اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور

رَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ
اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو تو تم میں سے نیک
أَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٢٩﴾
کرداروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔

الفاظ کے معانی

تُرِدْنَ :- تم چاہتی ہو، تم ارادہ کرتی ہو۔
تَعَالَيْنَ :- تو آؤ (تم سب عورتیں)
اُمَتِّعْكُنَّ :- میں تم کو کچھ مال دے دوں۔
اُسَرِّحْكُنَّ :- میں تم (عورتوں) کو رخصت کر دوں۔

شرح و تفسیر

جیسا کہ بعض روایات سے بھی پتہ چلتا ہے۔ جنگ خندق کے بعد سے خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات غالباً عرب کے سب سے بڑے آدمی کی بیویاں ہونے کی حیثیت سے کچھ زیادہ شان و شوکت، آرام و آسائش یا بالفاظ موجودہ بلند تر معیار زندگی کی توقع اور مطالبہ کرتی تھیں۔ لہٰذا ان کے سامنے دو راستے رکھ دیئے گئے کہ یا تو دنیوی مال و متاع ان سے لے خواہ چن لو۔ یا پھر اللہ اور رسول کی رضامندی اور آنے والی زندگی میں کامیابی کو مقصد حیات بنا لو چنانچہ ازواج مطہرات نے ان آیات کے

نزول کے بعد دوسری راہ اختیار کر لی)

ویسے ان آیات میں ہر مسلمان عورت کے لئے بھی ایک سبق ہے کہ ان دونوں چیزوں (متاع دنیا۔ یا دارالآخرت) میں سے وہ کسے نصب العین بناتی ہے۔

اور ہر مسلمان مرد کے لئے بھی سبق ہے کہ اس نے بیوی اور اس کی زینت و آسائش (زیورات، جائداد، رتبہ) کو ہی مقصد زندگی بنا لیا ہے یا نہ صرف خود بلکہ گھر والوں کو بھی اللہ اور اس کے رسول کے پسندیدہ راستے پر چلا رہا ہے۔

یَانِسَآءَ النَّبِیِّ مَنۡ یَّاۡتِ مِنۡکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ
اے نبی کی بیبیو! جو کرتی تم میں کھلی ہوئی بے ہودگی کرے گی
مُّبَیِّنَۃٍ یُّضٰعَفۡ لَہَا الۡعَذَابُ ضِعۡفَیۡنِ
اس کو دوہری سزا دی جائے گی۔ اور یہ بات
وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرًا ﴿۳۰﴾ وَمَنۡ
اللہ کو آسان ہے اور جو
یَّقۡنُتۡ مِنۡکُنَّ لِلّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ وَتَعۡمَلۡ
کوئی تم میں اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے

صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَاَعْتَدْنَا

اور نیک کام کرے گی تو ہم اس کو اس کا ثواب دوہرا دیں گے اور ہم

لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ

نے اس کے لئے ایک عمدہ روزی تیار کر رکھی ہے - اے نبی کی بیبیو! تم

لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ

معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقوے اختیار کرو

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ

تو تم بولنے میں نزاکت مت کرو۔ کہ ایسے شخص کو خیال ہونے لگتا ہے

فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾

جس کے قلب میں خرابی ہے اور قاعدہ کے موافق بات کہو۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ

اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو۔ اور قدیم زمانۂ جاہلیت کے

الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ

دستور کے موافق مت پھرو۔ اور تم نمازوں کی پابندی رکھو۔

وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ کا اور اس کے رسول کا کہا مانو
اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ
اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے گھر والو تم سے آلودگی کو دور
الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ
رکھے اور تم کو پاک و صاف
تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ
رکھے اور تم ان آیاتِ الٰہیہ کو اور اس علم
بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ
کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾
بیشک اللہ تعالیٰ راز دان ہے پورا خبردار ہے۔

ع

الفاظ کے معانی

فَاحِشَةٍ ۔ بے ہودگی۔ بے حیائی۔ برا کام۔

يَقْنُتْ :- فرمانبرداری کرے — مَرَّتَيْنِ :- دو بار۔ دوہرا

اَعْتَدْنَا :- ہم نے تیار کر رکھا ہے) — لَا تَخْضَعْنَ :- نزاکت مت کرو۔

مَرَضٌ :- خرابی ۔ بیماری — قَرْنَ :- تم ٹکی رہو۔ قرار سے رہو۔

تَبَرَّجَ :- بناؤ سنگھار دکھانا (گھر سے باہر بلا ضرورت پھرنا یا گھومنا۔ اپنے حسن و جمال کی نمائش کرنا۔ نیم برہنہ لباس پہننا۔ غیروں کے سامنے بن ٹھن کر نکلنا۔

اَلْجَاهِلِيَّةِ :- اسلام سے پہلے کا زمانہ۔ ہر وہ چیز جو اسلام کے مخالف ہو۔

الرِّجْسَ :- آلودگی گندگی، یہاں مراد کردار اور رویہ و عمل کی ناپسندیدگی ہے

یا اھل البیت :- اے گھر والو۔ — تَطْهِيرًا :- خوب پاک صاف کرنا یا رکھنا

يُتْلٰى :- پڑھا جاتا ہے۔ تلاوت ہوتی ہے۔ چرچا رہتا ہے۔

اَلْحِكْمَةِ :- حکمت و دانائی کی باتیں۔ یہاں مراد سنت اور طریقہ نبوی ہے۔

لَطِيْفٌ :- رازدان۔ باریک بین۔ نکتہ شناس۔

شرح وتفسیر

ان آیات میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیویوں کو خاص طور پر کچھ ہدایت دی گئی ہیں۔

ازاں جملہ یہ کہ سب سے پہلے تو وہ اپنے منصب بلند کا خیال کریں۔ ذات رسول سے اتنے قریبی تعلق کے باعث نہ صرف موجودہ مسلم سوسائٹی بلکہ آئندہ نسلیں بھی۔ انہیں نمونہ و مثال بنائیں گی۔ لہذا انہیں ہر برائی کی دگنی سزا اور ہر اچھے کام کا دگنا اجر و ثواب ملے گا یہ امر اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ غیر معمولی احتیاط سے زندگی بسر کریں۔ اللہ اور اس کے پیغمبر کی فرمانبرداری

اور اچھا رویہ اختیار کریں۔ بات چیت تک میں متانت اور سنجیدگی ملحوظ رہے عورت کا لوچدار آواز اور نرم لہجہ میں بولنا بھی بعض دفعہ برائی کا محرک ثابت ہوتا ہے۔ ہمیشہ گھر ہی کو اپنا اصل دائرہ کار سمجھیں۔ آرائش و جمال سے پرہیز کریں۔ دتبرج کے معنی نیم برہنہ لباس پہننا۔ بے ضرورت گھر سے باہر نکلنا۔ اور اعضا بدن کی نمائش وغیرہ کے ہیں۔ لیکن گھر میں ہی رہو کہہ کر تبرج سے منع کرنے کا صاف مطلب یہی ہے کہ نمائش حسن تو درکنار انہیں گھر میں بھی سادگی اختیار کرنی چاہیئے۔ نماز، زکوٰۃ وغیرہ عبادات کی پابند اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت گزار رہیں۔ الغرض ہر لحاظ سے پاکیزہ ترین زندگی کو اپنا نصب العین بنالیں اور یہی بات اللہ تعالٰے چاہتا ہے اور پسند بھی کرتا ہے۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کا واحد طریقہ ہر وقت اللہ کے احکام (قرآن کریم) کو سامنے رکھنا ہے۔

بالواسطہ ان آیات میں ہر مسلمان عورت کے لئے اور خاص طور پر آج کل کی "بیگمات" کے لئے پورا ہدایت نامہ ہے۔ نیز ہر مسلمان مرد اور خصوصاً بڑے آدمیوں (وہ امراء وزراء ہوں یا شیوخ دعلماء) کے لئے بھی سبق ہے کہ وہ دیکھیں کہ ان کی بیویاں کس حد تک ان ہدایات ربانی پر عمل پیرا ہیں۔ یا الٹا ... مینا بازاروں تک جا پہنچی ہیں۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَ
بے شک اسلام کے کام کرنے والے مرد اور اسلام کے کام کرنے والی عورتیں اور

وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِيْنَ

اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرمانبرداری کرنے والے

وَالْقَانِتَاتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقَاتِ

اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں اور راستباز مرد اور راست باز عورتیں

وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخَاشِعِيْنَ

اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں - اور خشوع کرنے والے مرد

الْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ

خشوع کرنے والی عورتیں - اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں

وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ

اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور شرمگاہوں کی حفاظت

فُرُوْجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذّٰكِرِيْنَ

کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور بکثرت خدا کو یاد کرنے والے

اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ط اَعَدَّ اللّٰهُ

مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ تعالےٰ

لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيمًا ﴿۳۵﴾

نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

الفاظ کے معانی

قانِتْ:۔ فرمانبردار — مُتَصَدِّق:۔ صدقہ خیرات کرنے والے

صَائِم:۔ روزہ دار — خَاشِع:۔ عاجزی کرنے والا

شرح و تفسیر

یہاں دس ایسے اوصاف کا ذکر کیا ہے جو اللہ تعالےٰ کے نزدیک موجب مغفرت و اجر بنتے ہیں اور یہ اوصاف ہر مسلمان مرد اور عورت کو اپنے اندر پیدا کرنے چاہئیں کیونکہ دونوں پر خدا کی ہدایت پر عمل کرنا واجب اور دونوں یکساں ذمہ دار ہیں۔ اسلام احکام الٰہی کی ظاہری پابندی اور ایمان دل و دماغ کی کیفیت سے زیادہ متعلق ہے۔ آیت کے مطلب میں کوئی پیچیدگی یا ابہام نہیں ہے۔ ضرورت تو صرف عمل کی ہے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو یہی اوصاف اپنے اندر پیدا کرنے کی توفیق دے آمین

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى

اور کسی ایماندار مرد اور کسی ایمان دار عورت کو گنجائش نہیں جب کہ اللہ اور

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ

اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے دیں کہ ان کو ان کے اس کام میں کو

الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ

اختیار رہے اور جو شخص اللہ کا اور اس کے

وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا ﴿۳۶﴾

رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ

اور جب آپ اس شخص سے فرما رہے تھے جس پر اللہ نے بھی انعام

اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ

اور آپ نے بھی انعام کیا کہ وہ اپنی بی بی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے

وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ

اور خدا سے ڈر اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جس

مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ

اللہ تعالیٰ ظاہر کرنیوالا تھا۔ اور لوگوں سے اندیشہ کرتے تھے اور ڈرنا تو آپ

اَنْ تَخْشٰهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا

کو خدا ہی سے زیادہ سزاوار ہے۔ پھر جب زید کا اس سے جی بھر گیا

وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَىْ لَا يَكُوْنَ عَلَى

ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی

الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِىْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ

بیبیوں کے بارے میں کچھ تنگی نہ رہے جب وہ ان سے

اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ

اپنا جی بھر چکیں اور خدا کا یہ حکم تو ہونے والا

اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿٣٧﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِىِّ

تھا ہی۔ ان پیغمبر کے لئے خدا تعالےٰ نے جو

مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ

بات مقرر کر دی تھی۔ اس میں نبی پر کوئی الزام نہیں

اللّٰهِ فِى الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ

اللہ تعالے نے ان کے حق میں یہی معمول کر رکھا ہے جو پہلے ہو گزرے ہیں اور

اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ﴿۳۸﴾ نِ الَّذِيْنَ

اللہ کا حکم تجویز کیا ہوا ہوتا ہے یہ سب ایسے تھے

يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَ

کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچایا کرتے تھے اور اللہ ہی سے

لَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ

ڈرتے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ اور اللہ حساب لینے

حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ

کے لئے کافی ہے محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ

رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ

نہیں ہیں۔ لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب

خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ

نبیوں کے ختم پر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو

شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾

خوب جانتا ہے۔

الفاظ کے معانی

قَضٰی :۔ حکم دیا۔ فیصلہ کر دیا۔
الخیرۃ :۔ اختیار
یَعْصِ :۔ نافرمانی کرے گا
اَمْسِكْ :۔ تھام رکھ۔ رہنے دے (اپنے پاس)
مُبْدِی :۔ ظاہر کر دینے والا
تخشٰی :۔ تو ڈرے یا ڈرتا رہے
قَضٰی :۔ پورا کر لیا۔
وَطَرٌ (جمع اوطار) خواہش، حاجت۔ اس لفظ سے عربی میں کوئی فعل استعمال نہیں ہوتا
قَضٰی وَطَرًا :۔ حاجت پوری ہو چکی۔ قطع تعلق کر لیا۔ جی بھر گیا۔
سُنَّۃ :۔ طریق، دستور، معمول
خَلَوا :۔ ہو گزرے (ہیں)
قَدَرًا مَّقْدُوْرًا :۔ اندازے پر مقرر کیا ہوا۔ (پہلے سے) تجویز کیا ہوا۔
رِسَالَات ، (واحد، رسالۃ) پیغامات، مراد احکام ہیں۔
حَسِیْب :۔ کفایت کرنے والا۔ حساب لینے والا۔
خَاتَم :۔ آخری۔ ختم پر (جس کے بعد کوئی دوسرا نہ ہو)

شرح وتفسیر

ان آیات میں دو مسائل بیان کئے گئے ہیں۔
(۱) پہلا مسئلہ ادعیا اور اس کے ضمن میں اس تاریخی واقعہ کا بیان ہے ۔ جس کی بنا پر آنحضرت ﷺ کو کفار کے بے ہودہ اعتراضات کا نشانہ بننا پڑا۔ قصہ یہ ہے کہ حضور ؐ نے اپنی پھوپھی امیمہ کی بیٹی زینب بنت جحش کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام اور متبنّٰے زید بن حارثؓ کلبی سے کر دیا تھا۔ یہ ایسا ہی تھا جیسے آج کل کسی بڑے زمیندار کی لڑکی کی اسی کے

مزارع سے۔ یا کسی صنعت کار کی صاحبزادی کی اسی کی مل کے کسی مزدور سے شادی کر دی جائے۔ چنانچہ وہی ہوا جس کا خطرہ تھا۔ یعنی زینب کی تیز مزاجی، ترش روئی کے باعث حضرت زیدؓ تنگ آ گئے (حضرت زیدؓ واحد صحابی ہیں جن کا قرآن میں نام لے کر ذکر آیا ہے) اور آخر طلاق دے دی۔ آنحضرتؐ کو ایک تو اس کے بگاڑ اور طلاق کا ہی بہت رنج تھا۔ کیونکہ آپ کے ہاتھوں یہ کام ہوا تھا۔ اور اس کی کامیابی اسلامی نظام معاشرت کے ایک بنیادی حریف ــــ خاندانی فخر اور نسب کا گھمنڈ ــ کی شکست ہوتی ــــ لیکن اس سے بھی بڑھ کر یہ ہوا کہ آنحضرت کو لے پالکوں اور اس سے متعلق سوسائٹی میں رائج غلط رسموں کو مٹانے کے لئے اللہ تعالٰے کے حکم سے خود ہی زینب سے نکاح کرنا پڑا جس سے یہودِ مدینہ اور کفارِ مکہ کو (اپنے غلط رواج کی رو سے) ایک اعتراض ہاتھ آ گیا۔

اللہ تعالٰے نے یہاں نہ صرف، اس غلط اور نقصان دہ رسم کو باطل ٹھہرایا بلکہ یہ بھی بتلایا ہے کہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں پیغمبر کو کسی خوف یا ملامت کو ہرگز خاطر میں نہیں لانا چاہیئے۔ اسی طرح اللہ اور اس کے رسول کے احکام اور فیصلوں کے مقابلے پر کسی مومن کی ذاتی رائے یا پسند کوئی معنی نہیں رکھتی۔

(آا) مسئلہ ختم نبوت بالکل صراحت کے ساتھ اسی جگہ بیان ہوا ہے۔ حضور آخری نبی ہیں۔ اور خدا کا دین مکمل ہو چکا ہے۔ یہ اتنا واضح مسئلہ ہے اور قرآن کی ساری تعلیمات اور بکثرت صحیح احادیث اس کی اس قدر مؤید ہیں۔ اور تمام امت کا بلا اختلاف احدے اس پر اتنا متیقن اجماع

رہا ہے کہ اب اس میں بھی کسی تاویل کی گنجائش نکالنا حقیقتاً اسلام سے
ہٹ کر دوسری راہ اختیار کرنا ہے۔
(مزید وضاحت کے لیئے آیت نمبر ۴۰ کی تفسیر کا آخری حصہ ملاحظہ فرمائیں)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ
اے ایمان والو! تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد
ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ
کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح
اَصِيْلًا ﴿۴۲﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ
کرتے رہو وہ ایسا ہے کہ وہ اور اس کے فرشتے تم پر
مَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى
رحمت بھیجتے رہتے ہیں تاکہ حق تعالےٰ تم کو تاریکیوں سے نور کی طرف
النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾
لے آوے۔ اور (اللہ تعالےٰ) مومنوں پر بہت مہربان ہے۔
تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَ
وہ جس روز اللہ سے ملیں گے تو ان کو جو سلام ہو گا وہ یہ ہو گا کہ

أَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا ﴿۴۴﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ

السلام علیکم اور اللہ نے ان کے لئے عمدہ صلہ تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی۔ بیشک

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَ

ہم نے آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ

نَذِيرًا ﴿۴۵﴾ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ

بشارت دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں۔ اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے

وَسِرَاجًا مُنِيرًا ﴿۴۶﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ

ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں اور مومنین کو بشارت دیجئے کہ

بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا ﴿۴۷﴾

ان پر اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہونے والا ہے۔

وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ وَدَعْ

اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ کیجئے۔ اور ان کی طرف سے

أَذَاهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ

جو ایذا پہنچے اس کا خیال نہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے اور

باللہ وکیلا (۱۸)

اللہ کافی کارساز ہے

الفاظ کے معانی

بُکْرَۃ ، (جمع ابکار) صبح   اَصِیْل (جمع آصال) شام

یُصَلِّیْ علٰی ، (یا) رحمت بھیجتا ہے ۔ جب اللہ کے علاوہ دوسرا فاعل ہو تو معنے دکے لئے رحمت طلب کرتا ہوں گے

تَحِیَّہ :- (جمع تحیات) سلام ۔ دعائے ملاقات (SALUTATION)

ظُلُمات (واحد ظلمۃ) تاریکیاں ۔ اندھیرے ۔

نُوْر ، (جمع انوار) روشنی

(نوٹ) یہ بات قابلِ غور ہے کہ تمام قرآن کریم میں گمراہیوں کے لئے لفظ ظلمات بصیغہ جمع استعمال ہوا ہے ۔ لیکن نور بمعنی ہدایت ہر جگہ واحد ہے یعنی غلط و گمراہ کن امور اور طریقے تو بے شمار ہیں ۔ مگر ٹھیک راستہ اور درست طریق ہدایت صرف ایک ہی ہے ۔

یَلْقَوْنَہٗ :اس سے ملاقات کریں گے   دَاعِیْ :- بلانے والا

دَعْ :- تو چھوڑ دے ۔ خیال نہ کر ۔

شرح و تفسیر

ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ان کے منصب کی مناسبت سے کچھ ہدایات دی گئی ہیں۔

(۱) مسلمانوں پر اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے انہیں سیدھا راستہ دکھایا جس پر چلنے سے وہ دنیاوی برکات اور اخری کامرانی حاصل کر سکتے ہیں۔ لہٰذا وہ صبح و شام اللہ تعالےٰ کو یاد رکھا کریں۔ ذکر کے معنی یاد کرنے کے ہیں۔ ذکر قلبی بھی ہوتا ہے اور لسانی بھی۔ لیکن بہرحال یہ لفظ زبان سے زیادہ قلب و دماغ اور حافظہ و عقل سے تعلق رکھتا ہے پس اصل مطلب ہر وقت اللہ اور اس کے احکام کو یاد رکھنا ہے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔ ہر فرض کام کی کوئی حد ہے پھر عذر کی حالت میں وہ معاف بھی ہے لیکن ذکر اللہ کی کوئی حد نہیں نہ وہ کسی وقت ٹلتا ہے۔ ہاں کوئی دیوانہ ہو تو اور بات ہے، کھڑے بیٹھے رات کو دن کو، خشکی میں تری میں، سفر میں حضر میں، غنا میں فقر میں۔ صحت میں بیماری میں۔ پوشیدگی میں ظاہر میں، غرض ہر حال میں ذکر اللہ کرنا چاہیئے۔ صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کرنی چاہیئے۔ تم جب یہ کرو گے تو اللہ تم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے گا اور فرشتے تمہارے لئے ہر وقت دعا گو رہیں گے۔ (ابن کثیر)

(۱۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمونہ ہدایت (شاہد) نیکی کی حوصلہ افزائی کرنے والے اور بدی کے انجام کی خبر دینے والے۔ اللہ کے راستے کی طرف دعوت دینے والے اور (ہدایت کا) ایسا روشن سورج ہیں۔ جس کے سامنے باقی سب کے چراغ ماند ہیں۔ پس آپ دشمنوں کی ایذا رسانی سے بے پرواہ ہو کر خدا کے بھروسے پر کام کرتے جائیں۔ اپنے مخلص پیروکاروں کی حوصلہ افزائی کرتے رہیں۔ اور کفار کی دھمکیوں یا ترغیبوں کو خاطر میں نہ لائیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ
اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو
الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ
پھر تم ان کو قبل ہاتھ لگانے کے طلاق دے دو ۔ تو
اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ
تمہاری ان پر کوئی عدت نہیں جس کو تم
عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ج فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ
شمار کرنے لگو تو ان کو کچھ متاع دے دو
سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾
اور خوبی کے ساتھ ان کو رخصت کر دو

الفاظ کے معانی

تَعْتَدُّوْنَ :۔ (جو) تم شمار کرنے لگو۔ مَتِّعُوْا :۔ تم فائدہ دو۔ تم کچھ متاع دو۔
سَرِّحُوْا :۔ تم رخصت کرو۔

شرح وتفسیر

اس آیت میں عدت کا ایک خاص حکم بیان کیا گیا ہے عدت کے لفظی

یعنی "مدت گننا" ہیں۔ شرعی اصطلاح میں جب کسی عورت کا تعلق زوجیت کسی مرد سے ٹوٹتا ہے (بوجہ موت یا طلاق) تو کسی نئے مرد سے نکاح کرنے سے پہلے اسے کچھ عرصہ گذارنا ضروری ہوتا ہے۔ یہی عرصہ "عدت" کہلایا ہے۔ اس کا اصل مقصد خاندان اور نسب کی حفاظت ہے "عدت" کی کئی صورتیں اور مدت بھی مختلف ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں عدت کی چار صورتیں صراحت سے بیان ہوئی ہیں (i) بیوہ (ii) مطلقہ غیر حاملہ (iii) مطلقہ حاملہ (iv) ایسی مطلقہ جس کی ابھی رخصتی بھی نہیں ہوئی تھی۔ یہاں یہی آخری صورت ہے یعنی جس عورت سے نکاح تو ہوا۔ لیکن رخصتی ہونے اور شوہر کے گھر آنے سے پہلے ہی کسی وجہ سے طلاق دے دی گئی۔ تو ایسی عورت کے لئے عدت کے طور پر کچھ عرصہ رکے رہنا ضروری نہیں۔ وہ اسی وقت دوسرا نکاح کر سکتی ہے بلکہ مرد کو یہ بھی حکم ہے کہ ایسی صورت میں عورت کو "متاع" بھی دے یعنی حسن سلوک کے طور پر ایک جوڑا کپڑوں کا۔ گویا جدائی اور علیحدگی کے وقت بھی حسن سلوک اور اصول پرستی سے نہیں ہٹنا چاہیئے۔ اسی کو "سراح جمیل" کہا گیا ہے۔ اور قرآن کریم میں جہاں جہاں طلاق و نکاح کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ ہر جگہ خوبی اور بھلے طریقے سے الگ ہو جانے کی تاکید کی گئی ہے۔ اگر مسلمان اپنی عائلی الجھنوں میں ان احکام پر عمل کریں تو معاشرے کی بے شمار خرابیاں دور ہو جائیں۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رخصتی سے پہلے بھی نکاح و طلاق ہو سکتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ

اے نبی! ہم نے آپ کے لئے آپ کی بیبیاں جن کو آپ ان کے

الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ

مہر دے چکے ہیں۔ حلال کی ہیں اور وہ عورتیں بھی جو تمہاری

یَمِیْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْكَ وَ بَنٰتِ

مملوکہ ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ نے آپ کو غنیمت میں دلوا دی ہیں اور

عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ

آپ کے چچا کی بیٹیاں ہیں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی

وَخٰلٰتِكَ الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ز وَ

بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں بھی جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو

امْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا

اور اس مسلمان عورت کو بھی جو بلا عوض اپنے پیغمبر کو دے دے بشرطیکہ پیغمبر اس کو

لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا

نکاح میں لانا چاہے یہ سب آپ کے لئے مخصوص

خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ قَدْ

کئے گئے ہیں نہ اور مومنوں کے لئے ہم کو وہ احکام

عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ

معلوم ہیں جو ہم نے ان پر ان کی بیبیوں اور

وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ

لونڈیوں کے بارے میں مقرر کئے ہیں۔ تاکہ آپ پر کسی قسم

عَلَيْكَ حَرَجٌ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا

کی تنگی نہ ہو۔ اور اللہ تعالےٰ غفور رحیم

رَّحِيْمًا ۝۵۰ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ

ہے۔ ان میں سے آپ جس کو چاہیں اپنے سے دور

وَتُــٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ط وَمَنِ

رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے نزدیک رکھیں۔ اور جن کو

ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ

دور رکھا تھا ان میں سے پھر کسی کو طلب کریں تب بھی آپ پر

عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ

کوئی گناہ نہیں اس میں زیادہ توقع ہے کہ ان کی

اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَاۤ

آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور آزردہ خاطر نہ ہوں گی اور جو کچھ بھی آپ ان

اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِىْ

کو دے دیں گے اس پر سب کی سب راضی رہیں گی۔ اور اللہ تعالےٰ کو تم لوگوں کے

قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿۵۱﴾

دلوں کی سب باتیں معلوم ہیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے بردبار ہے۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَاۤ اَنْ

ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں اور نہ یہ درست ہے

تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ

کہ آپ ان بیبیوں کی جگہ دوسری بیبیاں کر لیں۔ اگرچہ آپ کو

حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَ

ان کا حسن اچھا معلوم ہو مگر جو آپ کی مملوکہ ہو اور

ع | كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾

اللہ تعالٰے ہر چیز کا پورا نگران ہے۔

الفاظ کے معانی

اَحْلَلْنَا:۔ ہم نے جائز کر دیا
اٰتَيْتَ :۔ تو دے چکا۔

اُجُوْر: (واحد اجر) مراد حق مہر ہے۔

يَمِيْنُكَ :۔ تیرا سیدھا ہاتھ یعنی دایاں ہاتھ۔ مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ کے معنی ہیں جو تیرے دائیں ہاتھ کی ملک (قبضہ) میں ہوں۔ یعنی باندیاں، لونڈیاں یمین کا اصل معنی سیدھا ہاتھ ہے۔ عام طور پر خرید و فروخت سیدھے یعنی داہیں ہاتھ سے ہوتی ہے اس لئے باندی غلام کے مالک ہونے کو مِلْكُ الْيَمِيْن کہا جانے لگا۔

اَفَاءَ:۔ (اس نے) بطور غنیمت دلوا دیا۔

هَاجَرْنَ:۔ (ان عورتوں نے) ہجرت کی
وَهَبَتْ:۔ اس عورت نے دے دیا

فَرَضْنَا:۔ ہم نے مقرر کر دیا
لِكَيْلَا:۔ تاکہ نہ

يَكُوْنَ:۔ ہو، ہوگا
تُرْجِيْ:۔ تو دور رکھے

تُؤْوِيْ اِلَيْكَ:۔ تو اپنے نزدیک رکھے
اِبْتَغَيْتَ :۔ تو نے طلب کیا

عَزَلْتَ:۔ تو نے دور کیا۔ الگ رکھا۔

اَدْنٰى :۔ زیادہ نزدیک
رَقِيْب:۔ نگہبان، نگران۔

شرح و تفسیر

ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ مخصوص شہری حقوق

بیان ہوتے ہیں۔ جس میں امت کا کوئی آدمی شریک نہیں ہے۔

(i) آپ کے لئے اس وقت تک جتنی بیویاں آپ کر چکے تھے۔ سب جائز قرار دی گئیں۔ اس آیت کے نزول کے وقت آنحضرت کے نکاح میں نو بیویاں تھیں۔ چنانچہ آپ کی وفات تک یہی رہیں۔ عام مسلمانوں کے لئے بیک وقت چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح ناجائز ہے۔

(ii) آپ کو یہ اختیار دیا گیا۔ تو چاہیں تو بغیر حق مہر کے بھی کسی عورت سے نکاح کر سکتے ہیں۔ لیکن آنحضرتؐ نے کسی عورت سے اس قسم کا نکاح نہیں کیا۔

(iii) عورتوں کے ساتھ معاشرت کے متعلق باری وغیرہ مقرر کرنے اور ظاہری تمام امور میں شدید مساوات و برابری کی پابندی سے آپ کو مستثنیٰ کر دیا گیا اور یہ اس لئے کہ آپ شب و روز بیویوں ہی کے جھگڑوں میں نہ پھنسے رہیں لیکن اس کے باوجود بھی آنحضرت حتی الامکان ظاہری برابری و باری وغیرہ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اگرچہ امہات المومنین پر یہ واضح کر دیا گیا۔ کہ وہ اس بارے میں آپ پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتی تھیں۔ بلکہ جس مرتبہ پر آنحضرتؐ کسی کو رکھیں وہ اسی پر راضی و خوش رہے۔

یہاں یہ جو فرمایا کہ "ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں" اس لئے کہ جب اللہ کی طرف سے آنحضور صلعم پر یہ فرض عائد نہیں کہ وہ اپنی بیویوں میں شدید مساوات اور برابری رکھیں بلکہ جسے جس وقت چاہیں ذرا پرے رکھیں تو پھر بیویاں اس معاملے میں کسی قسم کا مطالبہ پیش نہیں کر سکیں گی بلکہ جو کچھ بھی آپ سے ملے اس پر صبر و شکر کریں گی کہ ان کے لئے

یہی اللہ کا فضل ہے۔ لیکن جب آنحضرت صلعم نے اس رعایت کے باوجود سب بیویوں سے باری مقرر رکھی اور بظاہر مساوات و برابری کا بھی پورا لحاظ رکھا تو اس پر آپ کی بیویاں اور بھی آپ کو ممنون ہوئیں کہ باوجود رعایت کے آپ نے ان پر وہی رحم و کرم کیا جس کی توقع رکھ سکتی تھیں۔

(۱۷) اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی مزید نکاح سے روک دیا گیا بلکہ سابقہ بیویوں میں سے کسی کو طلاق دے کر اسی تعداد کو برقرار رکھتے ہوئے بھی کسی مزید شادی سے منع کر دیا گیا۔

اس کے علاوہ حسب ذیل فقہی مسائل بھی ان آیات میں اشارۃً مذکور ہوئے ہیں۔

(i) نکاح سے پہلے عورت کو ایک نظر دیکھ لینا بہتر ہے۔ حدیث میں بھی اس کے متعلق حکم آیا ہے۔

(ii) عام مسلمانوں کے لئے یہ دستور نکاح۔ ولی، گواہ، حق مہر، مساوات معاشرت۔ تعداد کی قید وغیرہ پابندیاں موجود ہیں۔ وہ اپنے آپ کو اس سے بری نہ خیال کرنے لگ جاویں۔

(iii) بعض علماء نے فرضنا کے ضمن میں حق مہر کی کم از کم مقدار کے شرعی طور پر مقرر ہونے کی طرف اشارہ سمجھا ہے، اور پھر اخبار و احادیث سے اسے متعین کیا ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ
اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں مت جایا کرو۔ مگر جس وقت

النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ

تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جائے ایسے طور پر کہ

غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ

اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو لیکن جب تم کو بلایا جائے تب

فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا

جایا کرو - پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں

مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ط اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ

میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو اس بات میں نبی کو ناگواری

يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ز وَاللّٰهُ

ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں - اور اللہ تعالٰے

لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ط وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ

صاف بات کہنے سے لحاظ نہیں کرتا اور جب تم ان سے کوئی

مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ط

چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو یہ بات تمہارے

ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَ

دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ

مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا

ذریعہ ہے اور تم کو جائز نہیں کہ رسول اللہ کو کلفت پہنچاؤ اور

اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ

نہ یہ جائز ہے کہ تم آپ کے بعد آپ کی بیبیوں سے کبھی بھی نکاح نہ کرو

اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾

یہ خدا کے نزدیک بڑی بھاری بات ہے۔

اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ

اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو گے یا اس کو پوشیدہ رکھو گے

اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾ لَا

تو اللہ تعالےٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔ پیغمبر کی

جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ

بیبیوں پر اپنے باپوں کے بارہ میں کوئی گناہ نہیں

اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ
اور نہ اپنے بیٹوں کے اور اپنے بھائیوں کے
اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا
اور نہ اپنے بھتیجوں کے اور نہ اپنے بھانجوں کے اور نہ
نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ج
اپنی عورتوں کے اور نہ اپنی لونڈیوں کے اور خدا سے
وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى
ڈرتی رہو بے شک اللہ تعالےٰ
كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾
ہر چیز پر حاضر ہے۔

الفاظ کے معانی

ناظِرِ:۔ منتظر — اِنٰی :۔ پکنا۔ تیار ہونا (کھانے کا)

دُعِيْتُمْ :۔ تم کو بلایا جائے۔

مُسْتَاْنِس :۔ جی لگا کر بیٹھ رہنے والا (کسی چیز کے) شوق میں کھو جانے والا

يَسْتَحْيِ :۔ وہ لحاظ کرتا ہے۔ — حِجَاب :۔ پردہ (جمع حجب)

شرح و تفسیر

ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص آداب کا ذکر ہے جو ہر مسلمان کو ملحوظ رکھنے ضروری ٹھہرائے گئے۔ پھر ان میں سے زیادہ تر تو عام اجتماعی آداب اور مجلسی اخلاق ہیں۔ جن کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہئے۔

(i) آنحضرت کے گھروں میں بغیر کسی کھانے وغیرہ کی دعوت و اجازت [illegible] کے جانا ممنوع ٹھہرا دیا۔ در اصل دعوت کی قید محض اتفاقی ہے۔ حکم کسی حالت میں بھی بغیر اجازت نہ جانے کا ہے اور باہم عام مسلمانوں کے لئے بھی اسی قسم کا حکم سورۂ نور پ۱۸ میں بیان ہوا ہے۔ کہ ایک دوسرے کے گھر میں بغیر اجازت لئے داخل نہ ہوں۔

(ii) آدابِ ضیافت و طعام اور حقوقِ میزبان میں سے یہ بھی ہے کہ کھانا پکنے سے بہت پہلے ہی جا کر مت بیٹھ جاؤ۔ کہ اس سے بھی میزبان کے لئے ایک پریشانی، اور مہمان کے لئے ایک اکتاہٹ پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی کھانے کے بعد وہاں دھرنا مار کے بیٹھے رہو۔ اور گپوں وغیرہ میں ایسے محو نہ ہو جاؤ کہ وہاں سے ہلنے کا نام ہی نہ لو۔ صاحبِ خانہ ممکن ہے تکلیف کو پی جائے لیکن اللہ کے نزدیک یہ چیز پسندیدہ نہیں ہے۔ اس حکم کا پس منظر یا شانِ نزول زینب بنت جحش کے ساتھ نکاح کے موقع پر آنحضرت کی دعوتِ ولیمہ پر ایک خاص واقعہ ہے لیکن حکم عام ہے اور ہر ایک کے لئے اور ہر جگہ واجب العمل۔

(iii) آنحضرت کی ازواجِ مطہرات سے کوئی چیز مانگنے کے لئے پس پردہ کھڑ

ہو کر بات کرنا ضروری ٹھہرایا گیا۔ یہ چیزوں کی صفائی اور پاکیزگی کا عمدہ ذریعہ ہے۔ یہی آیت حجاب کہلاتی ہے اور عام مسلمانوں کو بھی ہر جگہ اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

(۱۷) رسول خدا کو کسی قسم کی ایذا یا دکھ پہنچانا (جس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مسلمانوں کے لئے قطعاً حرام اور موجب عذاب ہے۔ اللہ تعالے محفوظ رکھے۔

(۷) آنحضرت کی وفات کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے نکاح حرام ٹھہرایا گیا۔ کیوں کہ وہ تمام مومنوں کے لئے ماؤں کا درجہ رکھتی ہیں۔ یہ حکم حضور سے مخصوص ہے باقی بیوہ مسلمان عورتوں کو نکاح ثانی کرنا جائز ہے۔ بلکہ ہندوؤں کی طرح اسے ترک کرنے سے روکا گیا ہے۔ البتہ حضور کی بیویوں کا معاملہ ایک استثنا ہے۔

(۷ا) محرم مردوں سے حجاب و پردہ ضروری نہیں ہے۔ البتہ اصل بات دل کا تقوٰے، پرہیزگاری اور اللہ تعالے کے تمام ظاہری و باطنی امور سے آگاہ ہونے پر یقین و ایمان ہے۔ یہی احکام شرعی کی روح ہے۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَٰٓئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى
بے شک اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں۔ ان پیغمبر
النَّبِيِّ ۚ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا صَلُّوا
پر۔ اے ایمان والو۔ تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو۔

عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور خوب سلام بھیجا کرو ۔ بے شک جو

يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ

لوگ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں۔

فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ

اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے

عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ

لئے ذلیل کرنیوالا عذاب تیار کر رکھا ہے ۔ اور جو لوگ ایمان والے

الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا

مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو بدوں اس کے کہ انہوں نے کچھ

اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ

کیا ہو ایذا پہنچاتے ہیں تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ

اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾ ع

کا بار لیتے ہیں

الفاظ کے معانی

یُصَلُّوْنَ :۔ رحمت بھیجتے ہیں　　　　یُؤْذُوْنَ :۔ (وہ) دکھ دیتے ہیں

اِکْتَسَبُوْا :۔ انہوں نے دکھایا کیا (برا کام وغیرہ)

اِحْتَمَلُوْا :۔ انہوں نے بار لیا۔ (بوجھ اٹھا لیا)

شرح و تفسیر

ان آیات میں حسب ذیل احکام ہیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات اور منصب بلند کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان آپ کے لئے خدا سے رحمت و برکت کی دعا مانگتا رہے۔ جسے ہماری اصطلاح میں درود بھیجنا کہتے ہیں۔ یہ نہ صرف احسان شناسی کا ثبوت ہے بلکہ خود دعا مانگنے والے کے لئے بھی دینی و دنیاوی شرف و بزرگی اور فیض و برکت کا سبب بنتا ہے۔ اس قسم کی دعا (یعنی صلوٰۃ و سلام یا درود شریف) کے لئے بہترین الفاظ وہی ہیں جو خود حضور نے بتلائے ہیں۔ اور جنہیں ہم نماز میں پڑھتے ہیں۔

(۲) خدا اور اس کے رسول کو ایذا دینا دنیا و آخرت میں موجب لعنت و عذاب ہے۔ خدا کی ایذا رسانی اس کی نافرمانی ہے یا جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے۔ تقدیر یا گردشِ ایام کو برا بھلا کہنا بھی اس میں داخل ہے اسی طرح ایذائے رسول کی بھی آپ کی زندگی میں اور بعد از وفات مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایسی تمام امکانی صورتوں سے مسلمانوں کو محترز رہنا واجب ہے۔

(iii) عام مسلمانوں کو بھی زبان یا فعل سے تکلیف پہنچانا سخت گناہ اور بدترین کام ہے۔ خصوصاً جب کہ یہ تکلیف بلا وجہ کسی بے گناہ و بے ضرر انسان کو پہنچائی جائے۔

يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ

اے پیغمبر اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں

وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ

کی بیبیوں سے بھی کہہ دیجئے۔ کہ نیچی کر لیا کریں اپنے اوپر

جَلَابِيْبِهِنَّ ط ذٰلِكَ أَدْنٰى أَنْ يُّعْرَفْنَ

تھوڑی سی اپنی چادریں اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی۔

فَلَا يُؤْذَيْنَ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا

تو آزاری نہ دی جایا کرے گی اور اللہ تعالٰے بخشنے والا

رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ

مہربان ہے یہ منافقین اور وہ لوگ جن کے

وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ

دلوں میں خرابی ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں افواہیں

فِی الْمَدِیْنَۃِ لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا
اڑایا کرتے ہیں۔ اگر باز نہ آئے تو ضرور ہم آپ کو ان پر
یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَآ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِیْنَ
مسلط کریں گے پھر یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بہت ہی کم رہنے پائیں گے
اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ﴿۶۱﴾
وہ بھی پھٹکارے ہوئے جہاں ملیں گے پکڑ دھکڑ اور مار دھاڑ کی جاوے گی
سُنَّۃَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا
اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں میں بھی اپنا یہی دستور رکھا ہے جو پہلے
مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ
ہو گزرے ہیں اور آپ خدا کے دستور میں
اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴿۶۲﴾
رد و بدل نہ پاویں گے۔

الفاظ کے معانی

یُدْنِیْنَ:۔ (وہ عورتیں) نیچے کر لیا کریں۔ نزدیک کریں۔

جلابیب :- (واحد جلباب) عورت کی تمام لباس کے اوپر اوڑھنے کی چادر۔ مدینہ میں عموماً انصاری عورتیں سیاہ رنگ کی چادر اس طرح اوپر اوڑھتی تھیں جیسے ہمارے ہاں دیہاتوں میں سفید چادر کا رواج ہے۔

یُعْرَفْنَ :- وہ پہچان لی جائیں گی۔ یعنی ان کی پہچان ہو جاتے گی (کہ شریف عورتیں ہیں)

الْمُرْجِفُوْنَ :- (جھوٹی) افواہیں اڑانے والے۔ سنسنی پھیلانے والے۔

لَنُغْرِيَنَّ :- (تو) ہم ضرور مسلط کر دیں گے۔

لَا يُجَاوِرُوْنَ :- وہ (ہمسایہ میں) نہیں رہنے پائیں گے۔

ثُقِفُوْا :- وہ پائے گئے۔ ملے   خَلَوْا :- ہو گزرے (ہیں)

شرح و تفسیر

پہلے تو یہ حکم دیا کہ مسلمان عورتیں گھروں سے باہر نکلیں تو چادر لے کر نکلیں (یاد رہے جلباب عام لباس یعنی دوپٹہ قمیض اور شلوار وغیرہ کے علاوہ زائد چادر ہوتی تھی۔ جو اوپر اوڑھی جاتی تھی) اور اسے بھی ذرا نیچے سرکا لیں یعنی اس طرح اوڑھیں کہ بدن کے تقریباً تمام حصے چھپ جائیں۔ اس طرح وہ دور سے ہی شریف خواتین معلوم ہوں گی۔ اور کوئی انہیں چھیڑنے کی جرات نہیں کرے گا۔ آج بھی غنڈوں کو زیادہ تر بے پردہ خواتین پر ہاتھ یا زبان دراز کرنے کی جرات ہوتی ہے۔

نوٹ :- پردہ کے احکام کے سلسلے میں سورہ احزاب کی آیات ۳۳، ۵۳، ۵۹ زیر بحث اور سورۂ نور ۲۴ کی آیات ۲۷ تا ۳۰ کو سامنے رکھا جائے۔ تو پردہ کی اصل غرض، ضرورت، اہمیت اور فرضیت سب کچھ واضح ہو جاتا ہے۔ قرآن پر ایمان لانے والی اور اللہ سے ڈرنے والی کسی بھی عورت

کے لئے یہی آیات کافی ہیں (اور مردوں کے لئے بھی)

(۲) مدینہ میں اس قسم کی ایذا پہنچانے والوں کو آئندہ اپنا رویہ درست کر لینے ورنہ سخت سزا کے لئے تیار رہنے کی دھمکی دی گئی ہے۔ آج بھی معاشرہ کے لئے خصوصاً جہاں تک عورتوں کا تعلق ہے انہیں تین اقسام کے آدمی تکلیف دہ یا خطرناک ہیں۔ اور اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ ان کی بیخ کنی کرے۔ ان میں سے پہلی قسم تو منافقوں کی ہے یعنی جو بظاہر مسلمانوں میں شامل ہیں۔ لیکن حقیقتاً ان کا اسلام اور اس کی تعلیمات پر دل جمتا ہی نہیں۔ دوسرے وہ ہیں جن کے دل میں بیماری ہے۔ یعنی نیت خراب ہے۔ آج یہ تعریف خصوصاً ان لوگوں پر صادق آتی ہے جو اپنی جنسی آوارگی کی تسکین کے لئے پردہ کو غیر اسلامی کہتے ہیں اور ثابت کرنے پر زور دیتے ہیں۔ اور تیسرے بری اور سنسنی خیز افواہیں پھیلانے والے جن کا مقصد معاشرے میں انتشار و پریشانی پیدا کرنا ہو۔ آج کل مرجف کے لئے غالباً بڑی حد تک لفظ "غنڈا" موزوں مترادف ہے۔

(۳) مسلمانوں کی سوسائٹی میں ـــــ اور خدائی قانون کے مطابق ہمیشہ ایسے لوگ ذلیل سمجھے جائیں ان کی حوصلہ شکنی کی جائے اور (جرم ظاہر و ثابت ہو جانے پر) شدید ترین سزا دی جائے۔ نہ یہ کہ الٹا یہی معیارِ شرافت سمجھے جائیں۔ ان کے بدترین عزائم کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اور کھلم کھلا جرم اور بے حیائی پر بھی سزا سے محفوظ رہنے کی تمام سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔

يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ط قُلْ إِنَّمَا
یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ

عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ

اس کی خبر تو بس اللہ ہی کے پاس ہے اور آپ کو اس کی کیا خبر عجب

السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ﴿٦٣﴾ إِنَّ اللّٰهَ

نہیں کہ قیامت قریب ہی واقع ہو جائے بے شک اللہ

لَعَنَ الْكَافِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا ﴿٦٤﴾

تعالےٰ نے کافروں کو رحمت سے دور کر رکھا ہے اور ان کے لئے آتش سوزاں تیار کر رکھی ہے

خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ لَا يَجِدُونَ

جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے نہ کوئی یار کر پائیں گے

وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٦٥﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ

اور نہ کوئی مددگار جس روز ان کے چہرے دوزخ

فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللّٰهَ

میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے یوں کہتے ہوں گے اے کاش ہم نے اللہ کی اطاعت

وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا ﴿٦٦﴾ وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا

کی ہوتی اور ہم نے رسول کی اطاعت کی ہوتی اور یوں کہیں گے اے ہمارے رب

اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَاَضَلُّوْنَا
ہم نے اپنے سرداروں کا اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا تھا سو انہوں نے ہم
السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾ رَبَّنَا اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ
کو رستہ سے گمراہ کیا تھا۔ اے ہمارے رب ان کو دوہری سزا
الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿۶۸﴾
دیجئے۔ اور ان پر بڑی لعنت کیجئے

ع

الفاظ کے معانی

اَلسَّاعَةُ ، (مقررہ) وقت ، قیامت — مَا يُدْرِيْكَ :۔ تجھے اس کی کیا خبر

سَعِيْر :۔ آتش سوزاں ۔ دوزخ — تُقَلَّبُ :۔ الٹ پلٹ کئے جائیں گے

سَادَة (واحد سائد یا سید) سرداران قوم بڑے لوگ خصوصاً حاکم وافسر

كُبَرَاء :۔ (واحد کبیر) بڑے (مذہبی ۔ سیاسی ، خاندانی ہر طرح کے لیڈر مراد ہو سکتے ہیں)

اَضَلُّوْا :۔ انہوں نے گمراہ کر دیا (تھا)

شرح و تفسیر

اور بالفرض دنیا میں برائیوں اور بے حیائیوں کی سزا سے بچ بھی گئے۔

تو قیامت کو کیسے بچ سکتے ہیں۔

(۱) اس کے متعلق کب؟ کے شبہ میں نہ رہیں ۔ یقینی اور قطعی ہے ۔ اور

ممکن ہے قریب ہی ہو۔

(ii) اصل خوفناک بات اس کا قریب یا بعید ہونا نہیں بلکہ وہ عذاب دوزخ اور آتش سوزاں ہے جو کفار و مجرمین اور اللہ و رسول کے نافرمانوں اور ان کے احکام کی تعمیل کرنے والوں کے لئے اس زیارت کے بعد یقینی ہے۔

(iii) اور پھر اس وقت نہ تو حسرت و افسوس کا کچھ فائدہ ہوگا نہ اپنا گناہ کسی دوسرے کے سر تھوپ سکیں گے۔ حتیٰ کہ اگر مجبوراً یا شوقاً بڑے کے پیچھے لگ کر سب کچھ کیا تھا۔ تو یہ بھی عذاب سے نجات کے لئے کوئی عذر نہیں ہوگا۔

(نوٹ) بے پردگی و بے حیائی کے ضمن میں بڑوں کی تقلید و پیروی کا باعث عذاب ہونے کا ذکر خاص طور پر آج پاکستانی مسلمانوں کے لئے قابل غور ہے۔ اگرچہ آیت کا حکم عام ہے اور ہر قسم کے بڑے اور ہر قسم کے گناہ مراد ہو سکتے ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا
اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جنہوں نے موسیٰ کو
كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ
ایذا دی تھی۔ سو ان کو خدا نے ان کی تہمت سے بری ثابت

مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ
کر دیا اور وہ اللہ کے نزدیک بڑے
وَجِيْهًا ﴿٦٩﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا
معزز تھے اے ایمان والو! اللہ
اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿٧٠﴾
سے ڈرو اور راستی کی بات کہو
يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ
اللہ تعالٰے تمہارے اعمال قبول کرے گا اور تمہارے
ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ
گناہ بخش دے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے
رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿٧١﴾
رسول کی اطاعت کریگا سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا

الفاظ کے معانی

بَرَّاَ ۔ اس نے بری ثابت کر دیا۔ پاک کیا۔ اٰذَوا ۔ انہوں نے تکلیف دی

وَجِيۡهٗ۔ بڑا معزز۔ آبرو والا   سَدِيۡدًا۔ مضبوط۔ پختہ (بات) راستی حق
فَازَ۔ اس نے کامیابی حاصل کرلی۔ مراد کو پہنچ گیا۔

شرح وتفسیر

ان آیات میں۔

(۱) ایک تو مسلمانوں کو پیغمبر خدا کی رفعتِ قدر اور منصب بلند (جس پر وہ ایمان لائے ہیں) کے پیش نظر ہر قسم کی گستاخی، بے ادبی اور اذیت وتکلیف سے بچنا چاہیئے۔ اور یہ تکلیف دہی بصورت نافرمانی بھی ہو سکتی ہے ـــــ کیونکہ تمہاری اس قسم کی حرکتوں یا نافرمانیوں سے خدا کے ہاں تو کسی کا درجہ کم ہونے سے رہا۔ وہاں تو جو باآبرو ہے ـ سو ہے ہی۔ البتہ خود ہی مجرم ہوگے۔ ساتھ ہی بنی اسرائیل کی ایک بری مثال کا ذکر کیا ہے کہ وہ (منجملہ اور برائیوں کے) اپنے پیغمبروں خصوصًا موسٰے علیہ السلام کو تنگ کرنے اور تکلیف پہنچانے میں بھی بدنام تھے (مسلمانوں کو ایسا ہرگز نہیں بننا چاہیئے۔

(۲) اور محض زبانی ادب پیغمبر کا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ بلکہ اصل چیز تو یہ ہے

(۱) اللہ کی نافرمانی سے بچو۔   (۲) ہمیشہ سچی اور حق بات کہو۔

(۳) اچھے کام کرو اور جو برے کام کر چکے ہو ان کی تلافی کی کوشش کرو۔ اور

(۴) اللہ اور اس کے رسول (کے ہر حکم) کی تعمیل کی بنا پر ہی کامیابی حاصل ہو سکے گی۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ

ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور

وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ

پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی سو انہوں نے اسکی ذمہ داری

يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا

سے انکار کر دیا۔ اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو

الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ○

اپنے ذمہ لے لیا۔ وہ ظالم ہے جاہل ہے۔

لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَ

انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ منافقین اور منافقات اور

الْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوبَ اللّٰهُ

مشرکین و مشرکات کو سزا دے گا اور

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَ

مومنین اور مومنات پر توجہ فرمائے گا۔ اور

كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾

اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔

الفاظ کے معانی

عَرَضْنَا :- ہم نے روبرو کیا۔ پیش کیا   اَبَيْنَ :- (انہوں نے) انکار کر دیا۔
اَشْفَقْنَ :- (وہ) ڈر گئے (صیغہ جمع مؤنث کا ہے)
حَمَلَ :- اٹھا لیا۔ خیانت کی (دونوں معنوں کے مطابق تفسیر کی گئی ہے اور کی جا سکتی ہے۔
ظَلُوْمٌ :- بے باک۔ ظالم   جَهُوْلٌ :- نادان۔ جاہل۔

شرح و تفسیر

ان آیات "امانت" کے متعدد معنی لئے گئے ہیں۔ لیکن جملہ اقوال کا خلاصۂ مطلب اور اکثر مفسرین کا اتفاق اسی پر ہے کہ اس سے مراد فرائض اور اطاعت خدا و رسول ہے اور در اصل اسی ادائے فرض کو بنظر اہتمام شان مختلف اقوال میں واضح کیا گیا ہے۔ مثلاً بعض کے نزدیک ارکانِ اسلام امانت ہیں۔ بعض کے نزدیک امر کی تعمیل اور نہی سے اجتناب امانت ہے اور بعض نے کہا ہے کہ تمام اعضائے انسانی امانت ہیں۔ یعنی انہیں خدا کی نافرمانی میں استعمال نہ کیا جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن بہر حال اصل بات وہی حاصل ہوتی کہ یہ امانت اطاعت اور فرائض ہی ہیں بعض اہل دل اور صاحبِ حال بزرگوں نے "امانت" سے وہ دردِ دل۔ محبت، جذبہ اور

سوز نہانی مراد لیا ہے جو خدا کے ساتھ تعلق استوار ہونے پر حاصل ہوتا ہے۔

امانت کی اس تفسیر کے بعد لفظ حمل کے دو معنوں کی وجہ سے آیت کی تفسیر کی گئی ہے۔

اگر حمل بمعنی اٹھا نا لیا جائے (اور اکثر نے یہی معنی لئے ہیں) تو مطلب یہ ہوا کہ ذمہ داریوں اور فرائض کے اس بارِ گراں کے اٹھانے کی استعداد صرف انسان ہی میں رکھی گئی۔ اور اس استعداد کو ضائع کر کے نافرمان بننا بڑی بے باکی و نادانی ہے۔ نیز اس صورت میں دوسری مخلوق کے حملِ امانت سے انکار کے معنی زبانِ حال سے انکار کے ہوں گے یعنی ان میں اس کام کی صلاحیت نہ ہونا ہی گویا زبانِ حال سے اس ذمہ داری سے انکار ہے گویا کلام حقیقی معنوں میں نہیں بلکہ استعارہ تمثیلیہ ہے۔ اگر حمل بمعنی خیانت لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ باقی تمام مخلوق نے تو اپنے فرائض کی بجاآوری میں کوئی کمی نہیں کی۔ (اور قرآن کریم کی متعدد آیات میں یہی مضمون ہے) یہ حرکت صرف انسان ہی نے کی اور اپنی استعداد کو نافرمانی میں استعمال کیا۔ اس لئے ظلوم یعنی بے باک نکلا اور جہول نادان، اس لئے کہ اپنی استعداد کو برباد کرنے کے انجام کا خیال نہ کیا۔ اس صورت میں "الانسان" کا لام، لام جنس ماننا پڑے گا جو اس کے بعض افراد پر صادق آنے کی بنا پر جنس پر صادق آگیا۔ ورنہ صاف ظاہر ہے۔ تمام انسان تو خائن نہیں ہوئے۔

نیز آیت میں مشرکوں اور منافقوں کے لئے عذاب اور مومنوں کے لئے مغفرت واجر کا ذکر ہے۔ گویا انسان کے منصب بلند اور

کی حیرت انگیز قابلیتوں اور ساتھ ہی کمزوریوں کا ذکر کر دینے کے بعد یہ فرمایا کہ شرک و نفاق سے بچو اور باز آجاؤ۔ اور اللہ کی مغفرت و بخشش کے طلب گار، امیدوار اور حق دار بنو۔

پرچہ اسلامیات (الف) ۱۹۵۸ء

وقت تین گھنٹے کل نمبر ۵۰

صرف پانچ سوالوں کے جواب دیجئے۔ تمام سوالوں کے نمبر برابر ہیں۔

۱۔ خدا کا اسلامی تصور کیا ہے؟ اور دیگر مذاہب سے یہ کن کن باتوں میں منفرد ہے؟ مفصل بیان کیجئے۔

۲۔ شرک کسے کہتے ہیں۔ شرک کی وہ کون سی قسمیں ہیں جن کی اسلام نے نفی کی ہے؟

۳۔ عبادات کی اصل غرض وغایت کیا ہے؟ اور انسان کی عملی زندگی پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟

۴۔ روزہ کی فرضیت واہمیت ثابت کیجئے۔ اور اس کے ضروری مسائل لکھیے؟

۵۔ اسلام میں اخلاقِ حسنہ کا کیا درجہ ہے؟ اور اخلاقی معلموں میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کن کن باتوں میں ممتاز ہیں۔

۶۔ مندرجہ ذیل محاسن اخلاق کی مختصر طور پر تشریح لکھیے۔

(الف) امانت (ب) عفو (ج) ایثار

۷۔ مندرجہ ذیل میں سے صرف پانچ پر مختصر نوٹ لکھیے۔

(الف) انجیل (ب) سنت (ج) ختم نبوت (د) اہل بیت (ہ) تقوے (و) تقلید۔

(ز) اسماء حسنیٰ (ح) طواف کعبہ (ط) نفل۔

۸۔ سورۃ الاحزاب کی وجہ تسمیہ اور شان نزول کیا ہے؟ اس حالت میں

کون سے اہم مسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

۹- آیات ذیل کا اردو میں ترجمہ کیجئے۔ اور بیان کی مختصر تشریح کیجئے۔

يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ٥ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ٥ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ٥

سیکنڈری بورڈ ۱۹۵۷ء

پرچہ اسلامیات (ب)

وقت تین گھنٹے　　　　کل نمبر ۷۵

کوئی سے چھ سوال حل کیجیے۔ آٹھواں سوال لازمی ہے۔

۱۔ ظہور اسلام کے وقت عرب کی سیاسی تمدنی اور مذہبی حالت بیان کیجیے۔ ۱۲

۲۔ ہجرت حبشہ کے تمام واقعات قلمبند کیجیے۔ ۱۲

۳۔ "قریش کا اسلام لانا، سارے عرب کا اسلام تھا" پر سیر حاصل تبصرہ کیجیے۔ ۱۲

۴۔ فتنۂ ارتداد کیونکر ظاہر ہوا؛ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کی بیخ کنی کے لئے کیا طریقے اختیار فرمائے۔

۵۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طرز حکومت اب بھی اپنی مثال آپ ہے واضح کیجیے۔

۶۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کشمکش کا کیا نتیجہ نکلا؛ اور عالم اسلام پر اس کا کیا اثر پڑا۔

۷۔ مندرجہ ذیل میں سے تین پر نوٹ لکھیے۔

(ا) جنگ احزاب　　　(ب) حجۃ الوداع

(ج) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ　　　(د) ابوسفیان

(ہ) غار حراء

۸ - (ا) مندرجہ ذیل جملوں کا اردو میں ترجمہ کیجئے۔

(۱) لَا تَلْعَبِيْنَ فِيْ فِنَاءِ الْمَكْتَبِ۔

(۲) تَنْضِدُوْنَ مَتَاعَ بَيْتِكُمْ

(۳) سَوْفَ يَحْصُدُ الْفَلَّاحُ الْقَمْحَ۔

(۴) اِمْتَحَنُوْا نِدَّ الْحُجْرَةِ۔

(۵) لَا تَنْهَجْ سَبِيْلَ الْغِنٰی۔

(۶) اَيْنَ غَرَسْتَ شَجَرَ الْكَافُوْرِ۔

(۷) كَمْ يَقْعُدُ عَنِ الْحَرْبِ حِيْنًا

(۸) نَطَقْتُ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ۔

(۹) اَلْجُدْرَانُ مُزَيَّنَةٌ بِالصُّوَرِ۔

(ب) ماضی کی جملہ اقسام کے بنانے کا طریقہ بتایئے اور مثالوں سے واضح کیجئے۔

پرچہ اسلامیات (الف) ۱۹۵۸ء

صرف پانچ سوالوں کے جواب دیجئے۔ سب سوالوں کے نمبر ہیں۔

۱- ادیان کا اختلاف دراصل ذاتِ باری تعالیٰ کے تصور کا اختلاف ہے وضاحت کیجئے۔

۲- انسانوں کی ہدایت کے لئے نبوت کی کیا ضرورت ہے؟ نبی کس طرح خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچاتا ہے؟

۳- زکوٰۃ کے مقصد۔ اس کی حکمت اور اس کے مصارف پر ایک مختصر مضمون لکھئے۔ اور بتایئے کہ کس طرح اس کے ذریعہ اسلامی معاشرے میں مساوات پیدا کی جاسکتی ہے؟

۴- اسلامی عبادات و تمدن میں حج کی اہمیت و افادیت پر مفصل روشنی ڈالئے۔

۵- اسلامی اور دوسرے نظامات اخلاق میں کس طرح انسانوں کو اس کے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ مختصراً بیان کیجئے۔

۶- مندرجہ ذیل فضائل اخلاق کی مختصر تشریح بیان کیجئے۔

(الف) صدق (ب) ایفائے عہد۔ (ج) عفو

۷- مندرجہ ذیل میں سے کسی پانچ پر مختصر نوٹ لکھئے۔

(الف) ارکانِ اسلام (ب) ارکانِ ایمان (ج) اجتہاد (د) فقہ (ھ) عرفات (و) مؤلفۃ القلوب (ز) امہات المومنین (ح) عشرہ مبشرہ (ط) یوم الدین۔

۸- سورۂ احزاب میں حضرت زیدؓ اور حضرت زینب بنت جحش کا جو واقعہ
بیان ہوا ہے اس کی وضاحت کیجیے۔

۹- آیات ذیل کا بامحاورہ اردو ترجمہ اور تفسیر پیش کیجیے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ
يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ط ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ
فَلَا يُؤْذَيْنَ ط وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ٥ لَّئِن لَّمْ يَنتَهِ
الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي
الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا ٥

پرچہ اسلامیات (ب) ۱۹۵۸ء

آٹھواں سوال لازمی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی سے پانچ سوال حل کیجئے

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اہل عرب کی مذہبی زندگی کا حال لکھئے؟

۲۔ اسلام اور مسلمانوں کے لئے واقعہ ہجرت کی اہمیت واضح کیجئے۔

۳۔ غزوۂ بدر کے نتائج بیان کیجئے۔

۴۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے خاص خاص واقعات بیان کیجئے۔

۵۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کی مخالفت کے اسباب بیان کیجئے۔

۶۔ خوارج کون تھے۔ ان کے عقائد کیا تھے۔

۷۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی تین پر نوٹ لکھئے۔

(ا) جنگِ احد

(ب) ہجرت حبشہ

(ج) غارِ ثور

(د) انصار

(ہ) خالدبن ولید

۸۔ (ا) مندرجہ ذیل جملوں کا اردو میں ترجمہ کیجئے۔

۱۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ

۲- قُولُوْا قَولًا سَدِيدًا

۳- اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ۔

۴- اَلْاِنْسَانُ عَبْدُ الْاِحْسَانِ

۵- سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی۔

۶- لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ۔

۷- مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔

(ب) ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ماضی مجہول اور مضارع مجہول کی گردان لکھیے

پرچہ اسلامیات (الف) ۱۹۵۹ء

صرف پانچ سوالوں کے جواب دیجئے سب سوالوں کے نمبر برابر ہیں۔

۱۔ خدائے واحد کا تصور ہر مذہب میں پایا جاتا ہے۔ اسلامی عقیدہ توحید کو اس پر کیا فضیلت حاصل ہے؟

۲۔ انبیاء علیہم السلام اور دوسرے بانیان مذاہب کی تعلیم اور طریقۂ تلقین میں کیا فرق ہے؟

۳۔ دوسرے عالمگیر مذاہب کے مخصوص طریقہ ہائے عبادت کا نماز سے موازنہ کیجئے اور ثابت کیجئے کہ نماز عبودیت کے اظہار کا سب سے عمدہ طریقہ ہے۔

۴۔ ادیانِ عالم میں صرف اسلام ہی نے ایک قابلِ عمل اور عمدہ نظامِ اخلاق پیش کیا ہے۔ تبصرہ کیجئے۔

۵۔ رحم۔ عفو اور امانت کا اسلامی اخلاق میں کیا مقام ہے؟

۶۔ سورۂ احزاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے بارے میں کیا ارشاد ہوا ہے۔ ایک تفصیلی جائزہ پیش کیجئے۔

۷۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "ہم نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے یہ امانت پیش کی۔ لیکن انہوں نے اس کا بار اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھا لیا یقیناً وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے"۔ اس کی تفصیلی وضاحت کیجئے۔

۸۔ سیاق کلام کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے آیاتِ ذیل کا با محاورہ اردو ترجمہ اور تفسیر پیش کیجئے۔

(۱)۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ
اُمَّهَاتُهُمْ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ
کِتَابِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهَاجِرِیْنَ اِلَّا اَنْ
تَفْعَلُوْا اِلٰی اَوْلِیَائِکُمْ مَعْرُوْفًا ۝ کَانَ ذٰلِکَ فِی الْکِتَابِ
مَسْطُوْرًا ۝

(۲) وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ
اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا
اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَی النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ۔ فَلَمَّا
قَضٰی زَیْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰکَهَا لِکَیْ لَا یَکُوْنَ عَلَی
الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْ اَزْوَاجِ اَدْعِیَائِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا
وَکَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝

یا

(۳)۔ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ
اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ۝ وَکَانَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ
عَلِیْمًا ۝

(۴)۔ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِهٖ وَمَا جَعَلَ
اَزْوَاجَکُمُ الّٰٓئِیْ تُظَاهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهَاتِکُمْ وَمَا جَعَلَ
اَدْعِیَاءَکُمْ اَبْنَاءَکُمْ ذٰلِکُمْ قَوْلُکُمْ بِاَفْوَاهِکُمْ

وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ۝ اُدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۝ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ ۝ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلَكِنْ مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

(واضح رہے کہ اس پرچہ میں پہلے چار سوالات صدر ممتحن نے غلطی سے شامل کر دیئے ہیں۔ ان سوالوں میں جو کچھ اسلام پر پوچھا گیا ہے ۔ وہ درست ہے اور اس کا موازنہ دوسرے مذاہب سے (تقابل ادیان) نصاب سے باہر ہے ۔ اس غلطی کی تلافی صدر ممتحن نے بعد میں کر دی تھی ۔ تاکہ امیدواران امتحان کو نقصان نہ پہنچے)

پرچہ اسلامیات (ب) ۱۹۵۹ء

(نوٹ) :- آٹھواں سوال لازمی ہے ۔ اس کے علاوہ کوئی سے پانچ سوال اور حل کیجئے ۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب کی سیاسی حالت بیان کیجئے ۔ ۱۵

۲۔ غزوہ بدر کے اسباب ، واقعات اور نتائج بیان کیجئے ۔ ۱۵

۳۔ صلح حدیبیہ کے شرائط بیان کر کے ان پر تبصرہ کیجئے ۔ ۱۵

۴۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق انتخاب پر اور ان کے عہد خلافت کی فتوحات پر تبصرہ کیجئے ۔

۵۔ خلافت راشدہ کے آخری تین خلفا کی شہادت سفاکانہ قتل کی کوشش سے ہوئی اس کے اسباب پر تبصرہ کیجئے ۔ ۱۵

۶۔ جنگ جمل کے اسباب بیان کیجئے ۔

۷۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی تین پر نوٹ لکھئے ۔

(ا) میثاق مدینہ

(ب) فتح خیبر

(ج) حضرت امیر حمزہؓ

(د) عمرو ابن عاص

۸۔ (ا) مندرجہ ذیل جملوں کا اردو میں ترجمہ کیجئے ۔

(۱) اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا

(۲) وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔

(۳) لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔

(۴) تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى

(۵) وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا

(۶) وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا

(ب) ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ماضی مجہول اور نہی مجہول کی گردان لکھیے۔

ن

اسلامیات (پرچہ الف) سنہ ۱۹۶۰ء

وقت: ۳ گھنٹے
کل نمبر ۱۰۰

(نوٹ) پہلے حصے سے صرف تین سوالوں کے جواب دیجئے اور دوسرے حصے سے صرف دو کے۔

پہلا حصہ

۱۔ صفات باری تعالےٰ کا اسلام نے کیا تصور پیش کیا ہے؟ وضاحت سے بیان کیجئے۔ اور جہاں تک ممکن ہو قرآن حکیم سے حوالے دیجئے۔ ۲۰

۲۔ انسانی اعمال کی درستی و پاکیزگی کے لئے آخرت کا عقیدہ ازبس ضروری ہے۔ کیوں؟ ۲۰

۳۔ (۱) نماز کے شرائط اور ارکان لکھئے۔ ۵

(۲) نماز کا مکمل طریقہ بیان کیجئے۔ ۶

(۳) تحیات، درود اور دعائے قنوت لکھئے ۹

۴۔ حج کا مفہوم، مقصد اور اس کے شرائط اور احکام بیان کیجئے ۲۰

۵۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد سے کیا مراد ہے؟ تفصیل سے لکھئے ۲۰

۶۔ نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاریخ انسانی میں صدق و امانت کی بہترین مثال تھے۔ وضاحت کیجئے۔ ۲۰

دوسرا حصہ

۷۔ سورۂ احزاب میں کس غزوہ کا حال بیان ہوا ہے پوری تفصیل سے لکھئے ۲۰

۸۔ سورۂ احزاب میں عورتوں سے متعلق تمام احکام و ہدایات کی

مکمل وضاحت کیجئے۔ اور آیات کا حوالہ دیجئے۔ ۲۰

۹۔ ذیل کی آیات کا با محاورہ اردو ترجمہ اور تفسیر لکھیئے۔

(ا) يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزۡوَٰجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدۡنَ ٱلۡحَيَوٰةَ ٱلدُّنۡيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيۡنَ أُمَتِّعۡكُنَّ وَأُسَرِّحۡكُنَّ سَرَاحٗا جَمِيلٗا ۝ وَإِن كُنتُنَّ تُرِدۡنَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَٱلدَّارَ ٱلۡأٓخِرَةَ فَإِنَّ ٱللَّهَ أَعَدَّ لِلۡمُحۡسِنَٰتِ مِنكُنَّ أَجۡرًا عَظِيمٗا۔ ۱۰

(ب) وَإِذۡ تَقُولُ لِلَّذِيٓ أَنۡعَمَ ٱللَّهُ عَلَيۡهِ وَأَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِ أَمۡسِكۡ عَلَيۡكَ زَوۡجَكَ وَٱتَّقِ ٱللَّهَ وَتُخۡفِي فِي نَفۡسِكَ مَا ٱللَّهُ مُبۡدِيهِ وَتَخۡشَى ٱلنَّاسَ ۔ وَٱللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخۡشَىٰهُۖ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيۡدٞ مِّنۡهَا وَطَرٗا زَوَّجۡنَٰكَهَا لِكَيۡ لَا يَكُونَ عَلَى ٱلۡمُؤۡمِنِينَ حَرَجٞ فِيٓ أَزۡوَٰجِ أَدۡعِيَآئِهِمۡ إِذَا قَضَوۡاْ مِنۡهُنَّ وَطَرٗا ۝ وَكَانَ أَمۡرُ ٱللَّهِ مَفۡعُولٗا ۝ ۱۰

۱۰۔ الفاظ ذیل کی سورہ احزاب کی روشنی میں تشریح کیجئے۔

احزاب۔ اسوۂ حسنہ۔ خاتم النبیین۔ اہل بیت۔ ظلوماً جہولاً۔

ع

اسلامیات (پرچہ ب) سنہ ۱۹۶۰

وقت: تین گھنٹے

کل نمبر ۱۰۰

(نوٹ) نواں سوال لازمی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی پانچ سوال حل کیجئے

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب کی اخلاقی حالت کیا تھی؟ ۱۵

۲۔ ہجرت مدینہ کے اسباب اور نتائج بیان کیجئے۔ ۱۵

۳۔ غزوہ احد کے اسباب اور نتائج بیان کیجئے۔ ۱۵

۴۔ صلح حدیبیہ کے شرائط کیا تھے؟ ۱۵

۵۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا انتخاب کیونکر عمل میں آیا؟ ۱۵

۶۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی زرعی اصلاحات بیان کیجئے ۱۵

۷۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے خلافت سے دست بردار ہوجانے پر تبصرہ کیجئے۔ ۱۵

۸۔ مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھئے۔

(ا) غار حرا

(ب) حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ

(ج) حجۃ الوداع

۹۔ (ا) اردو میں ترجمہ کیجئے۔

(۱) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

(۲) اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ

(۳) فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ

(۴) وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ۔

(۵) إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

(۶) رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۱۲

(ب) ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ماضی اور مضارع کی گردان لکھئے ۔۶، ۷